ڈائرکٹوریٹ آف ڈِسٹینس ایجوکیشن، یونیورسٹی آف جموّں، جموّں

کلاس: ایم۔اے

مضمون: اُردو

کورس نمبر: 303 (اردو نظم جدید)

سمسٹر: سوم

یونٹ: I-IV

اکائی: 1-24

پروفیسر محمد ریاض احمد
کورس کوآرڈی نیٹر، ایم۔اے، اردو، ڈی۔ڈی۔ای
صدر شعبہ اردو، جموں یونیورسٹی، جموں

ڈاکٹر افتخار احمد
ٹیچر انچارج، ایم۔اے اردو
ڈی۔ڈی۔ای، جموں یونیورسٹی، جموں

(c) جُملہ حقوق محفوظ ہیں۔اِس کتاب کا کوئی حِصّہ کسی شکل میں جموّں یونیورسٹی کی تحریری اِجازت کے بغیر شائع نہ کیا جائے۔

زیر اہتمام: نظامت فاصلاتی تعلیم، جموں یونیورسٹی، جموں

مضمون نگار:

1۔ ڈاکٹر ریاض احمد

اڈیٹنگ: **ڈاکٹر افتخار احمد**، انچارج ٹیچر اردو، ڈی ڈی ای، جموں یونیورسٹی، جموں

PG-URDU

THIRD SEMESTER

COURSE CODE URD-303

Examination to be held in Dec. 2020, 2021 and 2022

TITLE OF THE COURSE STUDY OF NAZM-E-JADEED

CREDITS: 4	Maximum Marks	:	100
	a) Semester Exam	:	80
	b) Internal Assessment	:	20 Marks

Objectives:

The purpose of this course is to make the students familiar with thematic and formative experiments that draw a line of demarcation between the pre and Post mutiny (1857) Urdu Poetry. An effort shall particularly be made to acquaint them with the entire process of its development take place during the post mutiny period.

UNIT-I Textual study of following poems.

۱۔مناجات بیوہ۔حالی ۲۔شمع۔اقبال ۳۔علم۔تلوک چند محروم

UNIT-II

۱۔فتنۂ خانقاہ (جوش) ۲۔تنہائی، موضوع سخن۔مجھ سے پہلے سی محبت مری محبوب نہ مانگ (فیض)

۳۔ایک لڑکا (اختر الایمان) ۴۔شباب گریزاں، سباویراں، ایران میں اجنبی (ن۔م۔راشد)

UNIT-III Critical study of Manajat Bewah, Sharma and ilm with special reference to the following.

1. Critical appreciation of Manajat Bewah
2. Hali is harbinger of New Age in Urdu Poetry
3. The poetic art of Hali
4. Critical appreciation of Shame
5. The art of Iqbal in the light of Shama
6. The message of Iqbal in Shama

7. The thematic appreciation of ilm
8. The art of Mehroom as a poet
9. The contribution of the prescribed poets to the development of Jadid Urdu Nazm
10. Critical appreciation of ilm
11. The concept of Natural Poetry in Urdu
12. Influence of Western thought on Urdu Nazm

UNIT- IV Critical study of Fitna-e-Khanqah by Josh, Tanha/Mauzu-e-Sukhan and MujhsePehli si Muhabbat meri Mehboob na maang by Faiz, Shabab-e-Guzaran by Rashid and Ek Larka by Akhtarul Iman, with special stress on the following:

1. Critical appreciation of the poets prescribed.
2. The poetic art of poets in the light of the poems prescribed.
3. Contribution of poets prescribed to the development of Jaded Urdu Nazm.
4. Place of the poems prescribed in the annals of Jaded Urdu Nazm.
5. Symbolism in Rashid's Poems prescribed.
6. Poet's message in the Poems prescribed.
7. New trends in Jadid Urdu Nazm.

NOTE FOR PAPER SETTLER:

There are four units in the course No: URD-303

This paper shall be divided in the four Units viz Unit-1, Unit-2, Unit-3, and Unit-4.The Paper settler shall be set two question from each Unit asking candidates to attempt one Question from each Unit. The total number of question to be attained in this Paper shall Carry equal marks. Unit wise distribution of marks shall be as Unit-1=20, Unit-2=20, Unit-3=20,Unit-4=20. Total is 80. Distribution of Internal Assesments shall be two home Assessments shall be two home assignments= 10x20=20

Book Prescibed

۱۔مجموعہ نظم حالی۔مرتبہ ظہیر احمد صدیقی ۲۔بانگ درا۔اقبال ۳۔گنج معانی،تلوک چند محروم

۴۔انتخاب جوش،مرتبہ ڈاکٹر عصمت ملیح آبادی ۵۔نقش فریادی۔فیض احمد فیضؔ ۶۔ایران میں اجنبی۔ن۔م۔راشد

۷۔شعر و حکمت کا۔ن۔م۔راشد

فہرست

یونٹ.1

سبق ا۔ مناجات بیوہ، از حالی کی تشریح ____ 7

سبق ۲۔ نظم ''شمع'' از علامہ اقبال کی تشریح ____ 26

سبق ۳۔ نظم ''علم'' از تلوک چند محروم کی تشریح ____ 41

یونٹ.2

سبق ا۔ نظم ''فتنہ خانقاہ'' از جوشؔ کی تشریح ____ 59

سبق ۲۔ نظم ''تنہائی''، موضوع سخن، مجھ سے پہلی سی محبت نہ مانگ'' از فیضؔ کی تشریح _ 79

سبق ۳: نظم ''ایک لڑکا'' از اختر الایمان کی تشریح ____ 96

سبق ۴۔ نظم ''شباب گریزاں، صبا ویران، ایران میں اجنبی'' از ن م راشد کی تشریح _ 114

یونٹ.3

سبق ا۔ نظم ''مناجات بیوہ'' کا تنقیدی مطالعہ ____ 129

سبق ۲۔ الطاف حسین حالؔی جدید نظم کے پیش رو ____ 141

سبق ۳۔ الطاف حسین حالؔی کی نظم نگاری ____ 155

سبق ۴۔ نظم ''شمع'' کا تنقیدی مطالعہ ____ 170

سبق ۵۔ نظم ''شمع'' کے حوالے سے اقبال کا فن ______ 183
سبق ۶۔ نظم ''شمع'' میں اقبال کا پیغام ______ 199
سبق ۷۔ نظم ''علم'' کی خصوصیات ______ 212
سبق ۸۔ محرومؔ کا فن بطور شاعر ______ 233
سبق ۹۔ جدید اردو نظم کے فروغ میں ذکورہ شعرا کی خدمات ______ 249
سبق ۱۰۔ نظم ''علم'' کا تنقید مطالعہ ______ 272
سبق ۱۱۔ اردو میں نیچرل شاعری کی تعارف ______ 286
سبق ۱۲۔ اردو نظم پر یورپی اثرات ______ 301

یونٹ:4

سبق ۱۔ مذکورہ شعرا کا تنقیدی مطالعہ ______ 315
سبق ۲۔ مذکورہ نظموں کی روشنی میں شعرا کا شعری فن ______ 334
سبق ۳۔ جدید اردو نظم میں مذکورہ نظموں کا مقام ______ 351
سبق ۴۔ ن م راشد کی نظم کے علامتی پہلو ______ 366
سبق ۵۔ نظم ''شباب گریزاں، صبا ویران، ایران میں اجنبی'' میں ن م راشد کا پیغام ______ 385
سبق ۶۔ جدید اردو نظم میں نئے رجحانات ______ 400

مولانا الطاف حسین حالی: مناجات بیوہ کی تشریح

اکائی کی ساخت

1.1.1 تمہید
1.1.2 تعارف
1.1.3 مناجات بیوہ کا عمومی جائزہ
1.1.4 متن (اقتباس مناجات بیوہ)
1.1.5 مناجات بیوہ: تشریح
1.1.6 خلاصہ
1.1.7 فرہنگ
1.1.8 نمونہ امتحانی سوالات
1.1.9 مزید مطالعہ کے لئے

1.1.1 تمہید

انیسوی صدی میں کئی اصلاحی تحریکیں چلیں جن میں عورتوں کی بے بسی، سماجی بندھن، فرسودہ رسم ورواج، کم عمری میں شادی، ستی کا رواج اور تعلیم نسواں پر ان تحریکوں میں غور وفکر کیا گیا۔ راجارام موہن رائے، سرسید احمد خاں اور دوسرے سماجی مصلحین نے تعلیم نسواں اور عورتوں کے تئیں سماجی غیر مساویانہ رویے کے خلاف بیداری مہم چلائی۔ شعرا وادبا اسی سماج کے پروردہ ہوتے ہیں اور سماجی برائیوں مسائل اور غیر مساویانہ سلوک پر آنکھیں بند کر کے چپ سادھ کے نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ 1857ء سے پہلے بھی اور بالخصوص 1857ء کے بعد تعلیمی، سماجی اور معاشرتی بیداری آئی اس نے شعرا وادبا کو متاثر کیا اور اس کے نتیجے میں سرسید احمد خاں، ڈپٹی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، مولانا محمد حسین آزاد، اسماعیل میرٹھی، اکبرالہ آبادی اور مولانا الطاف حسین حالی وغیرہ شعرا وادبا نے سماجی اصلاح اور عورتوں کی فلاح و بہبود کے لئے نئی بیداری مہم چلایا اور اپنی شعری ونثری تخلیقات سے عوامی ذہنوں کو ان مسائل کے تئیں بیدار کرنے کی کامیاب کوششیں کیں۔ جو کام ناول نویسی کی پہلی منزل کے طور پر اصلاحی ناولیں لکھ کر ڈپٹی نذیر احمد نے کیا وہی کام مولانا الطاف حسین حالی نے اپنی نظموں بالخصوص مناجات بیوہ لکھ کر کیا۔

1.1.2 تعارف

صدیوں سے صنف نازک پر مختلف طرح کے مسائل کے بادل چھائے رہے ہیں اور وہ ہمیشہ سے سماجی برائیوں کا سب سے زیادہ شکار رہی ہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں ان مظالم کے خلاف شعرا وادبا نے اور سماجی مصلحین نے قدم اٹھایا۔ جدید شاعری کے بانیوں میں سے ایک مولانا الطاف حسین حالی نے اپنی کئی معرکۃ الآرا نظموں کے ذریعے ان فرسودہ خیالات اور سماجی برائیوں بالخصوص

عورتوں پر بے جا ظلم وستم اور ناروا سلوک کے خلاف تحریک چلائی۔ آپ اس اکائی میں اور آئندہ کئی اکائیوں میں مولانا الطاف حسین حالی کی شعری خصوصیات بالخصوص ان کی نظم نگاری کے اوصاف، نظموں کے ذریعہ مختلف طرح کی سچائیوں اور حقائق کی پردہ کشائی اور عورتوں کے خلاف مظالم پر سیر حاصل معلومات حاصل کریں گے۔ چپ کی داد اور مناجات بیوہ اسی سماجی برائی کے خلاف بیداری مہم کے طور پر لکھی گئی نظمیں ہیں۔ حالی چونکہ مسلم معاشرہ کے تعلیم یافتہ طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور انہیں حقوق نسواں اور عظمت زن کی بھرپور معلومات تھی جسے انہوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں حاصل کیا تھا۔ ہندوستانی سماج میں فرسودہ رسم و رواج اور عورتوں پر ہو رہے مظالم پر پابندی لگانا چاہتے تھے۔ بالخصوص شوہر کے انتقال کے بعد عورت کی اذیت ناک زندگی کو لے کر وہ بہت فکر مند تھے۔ ہندوستانی معاشرے میں بیوہ کی دوسری شادی نہ کرنا اور ان سے بے جا اور غلط برتاؤ کرنا عام تھا۔ چنانچہ اس جلونت موضوع پر عام فہم الفاظ میں پورے مسئلے کا احاطہ اور اس کا حل بتاتے ہوئے انہوں نے اپنی شہرہ آفاق نظم ''مناجات بیوہ'' لکھی۔ اس سبق میں آپ 'مناجات بیوہ' کے مختلف پس منظر کے ساتھ ساتھ اس نظم کی تشریح وتوضیح کرنے کے لائق ہوجائیں گے۔

1.1.3 مناجات بیوہ کا عمومی جائزہ

مولانا الطاف حسین حالی نے اپنے ہم عصر سماجی مصلحین کے اثرات کو بحسن خوبی قبول کیا اور اسے نئے پیرائے اور نئے انداز میں نظموں کے ذریعہ منظر عام پر لانے کی کامیاب کوشش کی۔ خصوصاً حقوق نسواں، ان کی بے بسی و بے کسی، ظلم وستم، گھریلو تشدد کو خود بھی محسوس کیا اور قاری وسامع کے ذہن کو بھی اس کی طرف کھینچا۔ اس کی عمدہ مثال ان کی مشہور زمانہ نظم

مناجات بیوہ سے دی جاسکتی ہے۔ایک بیوہ کتنی بے کسی سے اپنے مالک حقیقی کے سامنے اپنے دل کے دکھڑے کو بیان کرتی ہے۔

تیرے سوا اے رحم کے بانی　　کون سنے یہ رام کہانی
ایک کہانی ہو تو کہوں میں　　ایک مصیبت ہو تو سہوں میں
میکے میں جس وقت ہوں آتی　　رو رو کر ہوں سب کو رلاتی
سوچ میں میرے سارا گھر ہے　　میرے چلن پر سب کی نظر ہے
آپ کو ہوں ہر وقت مٹاتی　　پہنتی اچھا میں ہوں نہ کھاتی

سسرال والوں کے غیر انسانی رویے کی منفرد انداز سے عکاسی کرتے ہوئے حالی نے والدین کے گھر میں اس کے وجود کو سب کے لئے وجہ پریشانی اور تشویش قرار دیا ہے۔اس کا رہن سہن، زیبائش و آرائش سب فرسودہ معاشرتی نظام اور پابندیوں کی نذر ہو جاتے ہیں۔نظم مناجات بیوہ ان ظالمانہ رسومات کو پردرد انداز سے بیان کرتی ہے پروفیسر خلیق احمد نظامی عورتوں کی پریشانیوں اور مسائل کے بارے میں حالی کی گراں قدر خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''حالی نے بڑے سوز، بڑے خلوص اور درد کے ساتھ عورتوں کے مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اور کچھ اس انداز سے آواز اٹھائی کہ اپنے پرائے اب اس آواز سے محسور ہو گئے۔چپ کی داد مناجات بیوہ، میں وہ خود روئے ہیں اور دوسروں کو رلایا ہے۔''

آخری میں ایک بیوہ اپنے مالک پروردگار سے دعا گو ہے کہ کسی کو بیوگی کا زخم نہ عطا کرنا اور

مالک حقیقی سے فریاد کرتی ہے کہ اے مالک دو جہاں کسی عورت کو بھی بے وارث نہ چھوڑنا۔ چوں کہ نظم بہت طویل ہے اس لئے متن کے طور پر پوری نظم یہاں لکھنا ممکن نہیں۔ یہ نظم تقریباً تیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس نظم کا اقتباس یہاں آپ کے اس سبق میں دیا جا رہا ہے۔ آپ طلبا کو چاہئے کہ پہلے پوری نظم کا مطالعہ کریں اور پھر اس کا تجزیہ کریں۔

1.1.4 متن (اقتباس مناجات بیوہ)

(۱)

اے سب سے اول اور آخر
جہاں تہاں، حاضر اور ناظر
اے سب داناؤں سے دانا
سارے تواناؤں سے توانا
اے بالا، ہر بالاتر سے
چاند سے سورج سے امبر سے
اے سمجھے بوجھے بن سوجھے
جانے پہچانے بن بوجھے
سب سے انوکھے سب سے نرالے
آنکھ سے اوجھل دل کے اجالے
اے اندھوں کی آنکھ کے تارے
اے لنگڑے لولوں کے سہارے
ناتیوں سے چھوٹوں کے ناتی
ساتھیوں سے بچھڑوں کے ساتھی
ناؤ جہاں کی کھینے والے
دکھ میں تسلی دینے والے
جب اب تب تجھ سا نہیں کوئی
تجھ سے ہیں سب تجھ سا نہیں کوئی
جوت ہے تیری جل اور تھل میں
باس ہے تیری پھول اور پھل میں
ہر دل میں ہے تیرا بسیرا
تو پاس اور گھر دور ہے تیرا

راہ تیری دشوار ہے سکڑی   نام تیرا رہ گیر کی لکڑی
تو ہے ٹھکانا مسکینوں کا   تو ہے سہارا غمگینوں کا
تو ہے اکیلوں کا رکھوالا   تو ہے اندھیرے گھر کا اجالا
لاگھو اچھے اور برے کا   خواہاں کھوٹے اور کھرے کا
بید نراسے بیماروں کا   گاہک مندے بازاروں کا
سوچ میں دل بہلانے والے   بپتا میں یاد آنے والے

(۲)

اے بے وارث گھروں کے وارث   بے بازو بے پروں کے وارث
بے آسوں کی آس ہے تو ہی   جاگتے سوتے پاس ہے تو ہی
بس والے ہیں یا بے بس ہیں   تو نہیں جن کا وہ بے کس ہیں
ساتھی جن کا دھیان ہے تیرا   دسرایت کی وہاں نہیں پروا
دل میں ہے جن کے تیری بڑائی   گنتے ہیں وہ پربت کو رائی
بیکس کا غم خوار ہے تو ہی   بری بنی کا یار ہے تو ہی
دکھیا دکھی یتیم اور بیوہ   تیرے ہی ہاتھ ان سب کا ہے کھیوا
تو ہی مرض دے تو ہی دوا دے   تو ہی دوا دارو میں شفا دے
تو ہی پلائے زہر کے پیالے   تو ہی پھر امرت زہر میں ڈالے
تو ہی دلوں میں آگ لگائے   تو ہی دلوں کی لگی بجھائے

چمکارے چمکار کے مارے ما رے مار کے پھر چمکا رے
پیار کا تیرے پوچھنا کیا ہے مار میں بھی اک تیری مزا ہے

(۳)

اے رحمت اور ہیبت والے شفقت اور دباغت والے
اے اٹکل اور دھیان سے باہر جان سے اور پہچان سے باہر
عقل سے کوئی پا نہیں سکتا بھید تیرے حکموں میں ہیں کیا کیا
ایک کو تونے شاد کیا ہے ایک کے دل کو داغ دیا ہے
اس سے نہ تیرا پیار کچھ ایسا اس نہ تو بیزار کچھ ایسا
ہر دم تیری آن نئی ہے جب دیکھو تب شان نئی ہے
یہاں پچھوا ہے وہاں پروا ہے گھر گھر تیرا حکم نیا ہے
پھول کہیں کملائے ہوئے ہیں اور کہیں پھل آئے ہوئے ہیں
کھیتی ایک کی ہے لہراتی ایک کا ہر دم خون سکھاتی
ایک پڑے ہیں دھن کو ڈبوئے ایک ہیں گھوڑے بیچ کے سوئے
ایک نے جب سے ہوش سنبھالا رنج سے اس کو پڑا نہ پالا
ایک نے اس جنجال میں آکر چین نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر
مینہ کہیں دولت کا ہے برستا ہے کوئی پانی تک کو ترستا
ایک کو مرنے تک نہیں دیتے ایک اکتا گیا لیتے لیتے

حال غرض دنیا کا یہی ہے
غم پہلے اور بعد خوشی ہے

رنج کا ہے دنیا کے گلا کیا
تحفہ یہی لے دے کے ہے یاں کا

یہاں نہیں بنتی دنج سے بن
رنج نہیں سب ایک سے لیکن

ایک سے یہاں رنج ایک ہے بالا
ایک سے ہے درد ایک نرالا

گھاؤ ہے گو نا سور کی صورت
پر اسے کیا نا سور سے نسبت

تپ وہی دق کی شکل ہے لیکن
دق نہیں رہتی جان لیے بن

دق ہو وہ یا نا سور ہو کچھ ہو
دے نہ جو اب امید کسی کو

روز کا غم کیوں کر سہے کوئی
آس نہ جب باقی رہے کوئی

توہی کر انصاف اے مرے مولا
کون ہے جو بے آس ہے جیتا

گو کہ بہت بندے ہیں پر ارماں
کم ہیں مگر مایوس ہین جا یاں

خواہ دکھی ہے خواہ سکھی ہے
جو ہے اک امید اس کو بندھی ہے

کھیتیاں جن کی کھڑی ہین سوکھی
آس وہ باندھے بیٹھے ہیں مینہ کی

گھٹا جن کی اساڑی میں ہے
ساونی کی امید نہیں ہے

ڈوب چکی ہے ان کی اگیتی
دیتی ہے ڈھارس ان کو پچھیتی

ایک ہے اس امید پہ جیتا
اب ہوئی بیٹی اب ہوا بیٹا

ایک کو جو اولاد ملی ہے
اس کو امنگ شا دیوں کی ہے

رنج ہے یا قسمت میں خوشی ہے
کچھ ہے مگر اک آس بندھی ہے

غم نہیں ان کو غمگیں ہیں
جو دل نا امید نہیں ہیں

کا ل میں کچھ سختی نہیں ایسی
سہل ہے موجوں سے چھٹکارا
پر نہیں اٹھ سکتی وہ مصیبت
شاد ہو اس رہ گیر کا کیا دل؟
ان اجڑوں کو کل پڑے کیوں کر
ان بچھڑوں کا کیا ہے ٹھکانا ؟
اب یہ بلا ٹلتی نہیں ٹالی
آئیں بہت دنیا میں بہاریں
پڑے بہت باغوں میں جھولے
گئیں اور آئیں چاندنی راتیں
پر نہ کھلی ہرگز نہ کھلے گی
آس ہی کا بس نام ہے دنیا
ایسے بدیسی کا نہیں غم کچھ
رونا ان بن باسیوں کا ہے
حکم سے تیرے پر نہیں چارہ
زور ہے کیا پتے کا ہوا پر
تنکا اک اور سات سمندر
قسمت ہی میں جب تھی جدائی

کال میں ہے جب آس سمیں کی
جب کی نظر آتا ہے کنارا
آئے گی جس کے بعد نہ راحت
مر کے کٹے گی جس کی منزل
گھر نہ بسے گا جن کا جنم بھر
جن کو نہ ملنے دے گا زمانہ
مجھ پہ ہے جو تقدیر نے ڈالی
عیش کی گھر گھر پڑین پکاریں
ڈھاک بہت جنگل میں پھو لے
بر سیں کھلیں بہت برساتیں
وہ جو کلی مرجھا ئی تھی دل کی
جب نہ رہی یہی تو رہا کیا ؟
جس کو نہ ہو ملنے کی قسم کچھ
دیس نکا لا جن کو ملا ہے
کڑوی میٹھی سب ہے گوارا
چا ہے جدھر لے جا ئے اڑا کر
جا ئے کہاں مو جوں سے نکل کر
پھر ٹلتی کس طر ح یہ آئی ؟

آج کی بگڑی ہو تو بنے بھی ازل کی بگڑی خاک بنے گی
تو جو چاہے وہ نہیں ٹلتا بندے کا یاں بس نہیں چلتا
مارے اور نہ دے تو رونے تھپکے اور نہ دے تو سونے
ٹھہرے بن آتی ہے نہ بھاگے تیری زبردستی کے آگے
تجھ سے کہیں گر بھاگنا چاہیں بند ہیں چاروں کھونٹ کی راہیں
تو مارے اور خواہ نوازے پڑی ہوئی ہوں میں تیرے دروازے
تجھ کو اپنا جانتی ہوں میں تجھ سے نہیں تو کس سے کہوں میں
ماں ہی سدا بچہ کو مارے اور بچہ ماں ماں ہی پکارے

(۴)

اے مرے زور اور قدرت والے حکمت اور حکومت والے
میں لونڈی تیری دکھیا رے دروازے کی تیری بھکاری
موت کی خواہاں جان کی دشمن جان اپنی ہے آپ اجیرن
اپنے پرائے کی دھتکاری میکے اور سسرال پہ بھاری
سہہ کے بہت آزار چلی ہوں دنیا سے بیزار چلی ہوں
دل پر میرے داغ ہیں جتنے منہ میں بول نہیں ہیں اتنے
دکھ دل کا کچھ کہہ نہیں سکتی اس کے سوا کچھ کہہ نہیں سکتی
تجھ پہ ہے روشن سب دکھ دل کا تجھ سے حقیقت اپنی کہوں کیا

بیاہ کے دم پائی تھی نہ لینے — لینے کے یاں پڑ گئے دینے
خوشی مین بھی دکھ ساتھ نہ آیا — غم کے سوا کچھ ہات نہ آیا
ایک خوشی نے غم یہ دکھائے — ایک ہنسی نے گل ہی کھلائے
کیسا تھا یہ بیاہ نناواں — جوں ہی پڑا اس کا پرچھاواں
چین سے رہنے دیا نہ جی کو — کر دیا ملیا میٹ خوشی کو
رو نہیں سکتی تنگ ہون یاں تک — اور روؤں تو روؤں کہاں تک
ہنس ہنس دل بہلاؤں کیوں کر — اوسوں پیاس بجھاؤں کیوں کر
ایک کا کچھ جینا نہیں ہوتا — ایک نہ ہنستا بھلا نہ روتا
لیٹے گر سونے کے بہانے — پائنتی کل ہے اور نہ سرہانے
جاگیے تو بھی بن نہیں پڑتی — جاگنے کی آخر کوئی حد بھی
اب کل ہم کو پڑے گی مرکر — گور ہے سونی سیج سے بہتر
بات سے نفرت کام سے وحشت — ٹوٹی آس اور بجھی طبیعت
آبادی جنگل کا نمونہ — دنیا سونی اور گھر سونا
دن ہے بھیانک اور رات ڈرانی — یوں گزری ساری یہ جوانی
بہنیں اور بہنیلیاں میری — ساتھ کی جو تھیں کھیلیاں میری
مل نہ سکیں جی کھول کے مجھ سے — خوش نہ ہوئیں ہنس بول کے مجھ سے
جب آئیں رو دھو کے گئیں وہ — جب گئیں بے کل ہو کے گئین وہ
کوئی نہیں دل کا بہلاوا — آ نہیں چکتا میرا بلاوا

آٹھ پہر کا ہے یہ جلاپا　　کاٹوں کی کس طرح رنڈاپا
تھک گئی دکھ سہتے سہتے　　تھم گئے آنسو بہتے بہتے
آگ کھلی دل کی نہ کسی پر　　گھل گئی جان اندر ہی اندر
دیکھ کے چپ جانا نہ کسی نے　　جان کو پھونکا دل کی لگی نے
دبی تھی بھوبھل میں چنگاری　　لی نہ کسی نے خبر ہماری
قوم میں وہ خوشیاں بیاہوں کی　　شہر میں وہ دھوئیں ساہوں کی
تہواروں کا آئے دن آنا　　اور سب کا تہوار منانا
وہ چیت اور پھاگن کی ہوائیں　　وہ ساون بھادوں کی گھٹائیں
وہ گرمی چاندنی راتیں　　وہ ارمان بھری برساتیں
کس سے کہوں کس طور سے کاٹیں　　خیر کٹیں جس طور سے کاٹیں
چاؤ کے اور خوشیوں کے سمے سب　　آتے ہیں خوش کل جان کو ہو جب
رنج میں ہیں سامان خوشی کے　　اور جلانے والے ہی کے
گھر برکھا اور پیا بدیسی　　آئیو برکھا کہیں نہ ایسی
دن یہ جوانی کے کٹے ایسے　　باغ میں پنچھی قید ہو جیسے
رت گئی ساری سر ٹکراتے　　اڑ نہ سکے پر ہوتے سارے
کسی نے ہو گی کچھ کل پائی　　مجھے تو شادی راس نہ آئی
آس بندھی لیکن نہ ملا کچھ　　پھول آیا اور پھل نہ لگا کچھ
رہ گیا دے کر چاند دکھائی　　چاند ہوا پر عید نہ آئی

پھل کے خاطر برچھی کھائی پھل نہ ملا اور جان گنوائی
ریت میں ذرے دیکھ چمکتے دوڑ پڑی میں جھیل سمجھ کے
چاروں کھونٹ نظر دوڑائی پر پانی کی بوند نہ پائی

1.1.5 مناجات بیوہ: تشریح

عزیز طلبا! حالی کی شناخت ان کی غزلیہ شاعری، رباعیات اور نثری خدمات سے تو ہے ہی لیکن ان سے بھی زیادہ اہم کارنامہ حالی نے طویل نظمیں لکھ کر انجام دیں۔ الطاف حسین حالی نے بہت سی اخلاقی، معاشرتی واصلاحی نظمیں لکھیں ہیں جن کی ایک لمبی فہرست ہے لیکن ان کی تین نظمیں مدجزر اسلام، چپ کی داد اور مناجات بیوہ اس زمرے میں شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں حالی عظمت نسواں کے حامی تھے اور سماج میں پھیلے فرسودہ اور برے رسم ورواج پر قدغن لگانا نہایت ضروری سمجھتے تھے چنانچہ اس ضمن میں مناجات بیوہ کے علاوہ چپ کی داد برکت اتفاق، بیٹیوں کی نسبت کلمتہ الحق اور جواں مردی کا کام وغیرہ ہے۔ مناجات بیوہ 1884ء میں لکھی ہوئی حالی کی معروف نظموں میں سے ایک ہے اس میں عورت کی زندگی اس کے شوہر کے انتقال کے بعد کتنی اذیت ناک ہوجاتی ہے اس کا اندازہ حالی کو بہت خوب تھا اوراس پر دوسری شادی کرنے پر پابندی یہ سب باتیں حالی کو شدید غم میں مبتلا کرتی تھیں چنانچہ مناجات بیوہ کے ذریعہ انہوں نے بیوہ کے احساس، جذبات، مظلومی، محرومی اور فرسودہ سماجی نظام کے ذریعہ عطا کردہ لعن طعن سبھی کی بہت بہترین عکاسی کی ہے۔ پوری نظم اداسی اور محرومی کی کیفیت میں ڈوبی ہوئی ہے حالی نے بیوہ کے درد، ذہنی انتشار اور نفسیاتی کیفیت کو نظم کے قالب میں ڈھالنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ نظم کے کل بارہ حصے ہیں، پہلا حصہ حمدیہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف، رحیمی

وکریمی بیان کیا ہے۔دوسرے حصے میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کس طرح رکھوالی کرتا ہے، بیماروں کو کس طرح شفا دیتا ہے اور تڑپتے ہوئے کو ماں کی ممتا کی طرح اپنے آغوش میں لے لیتا ہے۔وہ رحیم بھی ہے اور کریم بھی، مارتا بھی ہے اور پیار بھی کرتا ہے۔تیسرے حصہ میں دنیا کے ترتیب وترکیب رنج و آسائش، امیری غریبی اور مختلف طرح کے خدائی بھید کا ذکر ہے اللہ کس طرح سے اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے منزل پر پہنچاتا ہے، بلا کو ٹالتا ہے، عیش وعشرت میں رکھتا ہے اور دکھ درد بھی دیتا ہے کا بیان ہے ۔بندے کو تیرے حکم کے سامنے، تیری خدائی کے سامنے کوئی چارہ نہیں۔چوتھے حصہ میں بھی عورتوں کی پیدائش سے اس کے گھر والوں کی مشکلات اور ان مشکلات کا بہت ہی پر اثر انداز میں بیان ہے

ؔ اپنے پرائے کی دھتکاری   میکے اور سسرال پہ بھاری
دل پر میرے داغ ہے جتنے   منھ میں بول نہیں ہے اتنے

اور اس طرح نظم آگے بڑھتی ہے، مختلف پریشانیوں، دکھوں، مشکلات اور انسانی نفرت وشر کا بیان کرتے ہوئے حالی نے ایک بیوہ کی نفسیاتی کیفیت کو بہت ہی مؤثر ڈھنگ سے بیان کیا۔

ؔ دن یہ جوانی کے کٹے ایسے   باغ میں پنچھی قید ہو جیسے
رہ گیا دے کر چاند دکھائی   چاند ہوا پر عید نہ آئی

پھر پانچویں حصہ میں اللہ کی وحدانیت اور خوبیوں کا بیان کرتے ہوئے بیوہ کی طرف سے بیوہ کی بپتا بیان کرتے ہیں۔

ؔسب کو تیرے انعام تھے شامل   میں ہی نہ تھی انعام کے قابل
تھی نہ کمی کچھ تیرے گھر میں   نون کو ترسی میں سانبھر میں
چین سے جاگی اور نہ سوئی   میں نہ ہنسی جی بھر کے نہ روئی

سماج میں مختلف طرح کی رسم و رواج، گھریلوں الجھن، ذات پات، توہم پرستی اور دکھ میں اپنوں کا منھ موڑ لینا سبھی انسانی جذبات خاص طور سے بیوہ عورت کے ساتھ ہونے والے سلوک کو اجاگر کیا ہے۔

دکھ میں نہیں یہاں کوئی کسی کا | باپ نہ ماں ، بھائی نہ بھتیجا
سچ یہ کسی سائیں کی سدا تھی | سکھ سنپت کا ہر کوئی ساتھی

چھٹا بند بھی بیوہ کی التماس سے شروع ہوتا ہے اور مختلف کیفیات، انسانی جذبات معاشرتی اور گھریلو الجھنوں، کپڑے، سنگار، کھانا، پینا، آرام و آسائش جو عام گھروں میں عام سماج میں گزرتا ہے اور جو ایک بیوہ پر بیتتا ہے اس کا بیان کیا ہے۔ سسرال اور میکے دونوں میں بیوہ کی کیفیت کو بہت ہی پر اثر انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

گر سسرال میں جاتی ہوں میں | نحس قدم کہلاتی ہوں میں
میکے میں جس وقت ہوں آتی | رو رو کر ہوں سب کو رلاتی

آٹھویں حصے میں پھر اللہ سے گزارش کرتے ہوئے اسی سے آس لگاتے ہوئے۔

میں نہ رکھتی کام کسی سے | چاہتی ہوں انصاف تجھی سے

اور انسانی کیفیات کو، جذبات کو خاص طور سے نوجوان عورت کی نفسیاتی کیفیت کو بہت ہی انوکھے ڈھنگ سے بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح سے ایک بیوہ عورت مختلف وقت متعدد مختلف طرح کے احساس و کیفیات سے دوچار ہوتی ہے۔

آن سنبھالے جان تھی جاتی | جان بچائے آن تھی جاتی
طے کرنے تھے سات سمندر | حکم یہ تھا ہاں پاؤں نہ ہو تر
کو ئیلا چاروں کھونٹ تھا پھیلا | حکم یہ تھا پلّا نہ ہو میلا

پیاس تھی ،لو تھی اور تھا کھر سا　　اور دریا سے گزرنا پیاسا
دھوپ کی تھی پاپر چڑھ آئی　　آگ اور گندک کی تھی لڑائی

اور نویں، دسویں حصے میں بھی انہیں انسانی جذبات و کیفیات خوشی وغم، دکھ درد کا بیان کرتے ہوئے نظم اپنے آخری پڑاؤ پر بیوہ کی اللہ تعالیٰ سے فریاد پر ختم ہوتی ہے۔ یہ التماس کرتی ہے بیوہ کہ اب مجھے اس دنیا سے اٹھالے، اپنی طرف بلالے، اپنا بنالے تاکہ میں غموں دکھوں، پابندیوں اور آلائسوں سے پاک ہوجاؤں۔

اٹھ نہیں سکتے مجھ سے اب ایک دم　　یہ دنیا کے نہ شدمی غم
دل میں لگن بس اپنی لگا دے　　دل کے پھپھولے پھوڑ دے سارے

آخر میں یہ اظہار کرنا اللہ سے شکوہ کرنا اور پھر اس کی بارگاہ میں پناہ حاصل کر کے پوری زندگی اطاعت الٰہی میں گزارنے کی خواہش کی دعا دراصل حالی کے مزاج و کردار اور ان کے اصلاحی جذنے کا عکاس ہے۔

1.1.6 خلاصہ

عزیز طلبا! 1857 کی ناکام جنگ آزادی کے بعد سماجی، اصلاحی اور سیاسی تحریکوں نے زور پکڑا اور اس کا اثر ادب پر بھی دیکھنے کو ملا۔ خصوصی طور پر سماجی و اصلاحی تحریکوں نے نظم ونثر پر اپنا خصوصی اثر ڈالا۔ کئی اصناف ادب وجود میں آئے اور کئی صنف ادب میں خوش گوار تبدیلی رونما ہوئی۔ اردو کا شعری ادب اس سے اچھوتا نہیں رہا۔ نظم ونثر سے سماجی، اخلاقی اور مذہبی اصلاح کا کام لیا گیا۔ اردو ادب میں نثر ونظم میں ناول اور نظم نگاری سے زیادہ کام لیا گیا۔ نظم نگاری میں جدت پیدا ہوئی اور جدید نظم نگاری کا آغاز ہوا۔ مولانا الطاف حسین حالی اور ان کے ہم عصروں نے جدید اردو نظم کے ذریعہ اخلاقی اور

معاشرتی اصلاح کا کام لیا۔موضوعی نظمیں لکھی گئیں۔مولانا الطاف حسین حالی نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کئی ایسی معرکتہ الآرا طویل نظمیں لکھی جن کا سیدھا تعلق معاشرے کی اصلاح سے تھا۔ان ہی نظموں میں سے ایک نظم مناجات بیوہ بھی ہے۔ہندوستانی سماج میں صدیوں سے چلی آرہی بیوہ عورتوں کی دکھ، تکلیف،درد، گھر خاندان میں اس کی اذیت ناک پوزیشن، اپنوں کے ناروا سلوک،انسانی ہمدردی سے خالی رشتے داریاں ان سب کو بڑے ہی سلیقے سے مولانا نے نظم کے پیرائے میں ڈھالا ہے۔ یہ باور کرانے کی کوشش ہے کہ سماج اور ان کے افراد کو چاہئے کہ بیوہ کے متعلق جو نظریات وخیالات ہیں ان کو یکسر تبدیل کرنے کی ضرورت ہے کیوں کی وہ بھی گوشت و پوست کا انسان ہے اوراس سے حیوانوں جیسا برتاؤ انسانوں کو زیب نہیں دیتا۔اس نظم میں حالی نے بیوہ کی طرف سے اللہ کی تعریف اور حمدیہ اشعار بیان کئے ہیں پھر بیوہ کی شدت غم ، دکھ، درد، اپنوں کی بے اعتنائی،سماجی بندشیں،نفسیاتی کشمکش،تنہائی، ذلت وخواری،اپنوں کی دوری، معاشی مجبوری،نسوانی جذبات ان سب کو یکے بعد دیگرے بارہ حصوں میں بہت ہی پر درد لہجے میں بیان کیا ہے۔اس نظم کی شدت کو ان کے ہم عصروں نے بھی اور آنے والی نسلوں نے بھی بہت نزدیک سے محسوس کیا ہے۔آپ کے نصاب میں اس نظم کے شامل کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ سماجی برائی جیسی خامی کو بدلا جائے اور بیواؤں سے سماج میں جو سلوک کئے جاتے ہیں اسے روکا جائے اور انہیں انسانی، سماجی اور معاشی حقوق اسی طرح مہیا کرائے جائیں جیسے عام عورتوں کے حقوق میسر کرائے جاتے ہیں۔انہیں بھی عزت سے زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے۔

1.1.7 فرہنگ

فرسودہ	پرانا،خستہ حال

شہرہ آفاق	جہاں بھر میں مشہور
تشدد	سختی، زیادتی، جبر
امبر	آسمان، بادل
بپتا	مصیبت
پربت	پہاڑ
سیج	بستر، بچھونا
برچھی	چھوٹا بھالا، نیزہ
قدغن	روک، ٹوک
سکھ سنپت	خوش حالی کا زمانہ
نحس	منحوس
پھپھولا	چھالا، آبلہ

1.1.8 نمونہ امتحانی سوالات

1 عہد حالی میں سماجی اور اصلاحی تحریکوں پر مختصر نوٹ لکھیے۔

2 ہندوستان کے سماجی پس منظر میں مناجات بیوہ کا عمومی جائزہ پیش کیجیے

3 حالی کی طویل نظموں پر ایک مختصر نوٹ لکھیے

4 مناجات بیوہ کا مختصر تنقیدی جائزہ پیش کیجیے

1.1.9 مزید مطالعہ کے لئے

1 سید احتشام حسین، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، این سی پی یو ایل، نئی دہلی

2 کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میرا جی تک، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

3 ڈاکٹر شہزاد انجم، خواجہ الطاف حسین حالی (مونوگراف) اردو اکادمی، دہلی

4 صالحہ عابد حسین، یادگار حالی

5 الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر وشاعری

اقبال: نظم 'شمع' کی تشریح

اکائی کی ساخت

1.2.1	تمہید
1.2.2	اقبال کی حالات زندگی
1.2.3	اقبال کی نظم نگاری
1.2.4	نظم 'شمع' کی خصوصیات
1.2.5	نظم 'شمع' (متن)
1.2.6	نظم 'شمع' کی تشریح
1.2.7	خلاصہ
1.2.8	فرہنگ
1.2.9	نمونہ امتحانی سوالات
1.2.10	مزید مطالعہ کے لئے

1.2.1 تمہید

عزیز طلبا! آپ اس پہلی یونٹ میں تین معروف نظموں مناجات بیوہ، شمع اور علم کی تشریح کرنی ہے۔اس کے سبق نمبر ایک میں آپ مولانا الطاف حسین حالی کی معروف نظم مناجات بیوہ کا مطالعہ کر چکے ہیں۔سبق نمبر 2 میں علامہ اقبال کی معروف ومشہور نظم شمع کی تشریح کریں گے اور یونٹ 3 کے اسباق 4،5،6 میں اسی نظم کا تنقیدی مطالعہ بھی کریں گے نیز نظم شمع کے حوالے سے اقبال کے فن اور ان کی نظم نگاری کا بھی مطالعہ کریں گے۔آیئے اب ہم اردو اور فارسی کے معروف ومشہور شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال کی شاعری اور ان کے فلسفیانہ خیالات ونظریات کے ساتھ ساتھ نظم شمع کا مطالعہ کرتے ہیں۔

1.2.2 اقبال کی حالات زندگی

عزیز طلبا! ڈاکٹر سر محمد اقبال جنہیں شاعر مشرق بھی کہا جاتا ہے کا شمار اردو کے چار بڑے شعرا میں ہوتا ہے۔اقبال کے خاندان کا تعلق کشمیری برہمن سے تھا جو اپنی شرافت کی وجہ سے کافی مقبول تھا۔اقبال کے جد اعلی بابا صالح نے اسلام قبول کیا۔1857 کے غدر کے بعد علامہ اقبال کا خاندان سیالکوٹ میں مقیم ہو گیا تھا۔اقبال کے دادا کا نام شیخ رفیق تھا،ان کے دو صاحب زادے شیخ نور محمد اور شیخ غلام قادر تھے۔شیخ نور محمد کے دو لڑکوں میں سے ایک شیخ محمد اقبال تھے۔علامہ اقبال کی پیدائش 9 نومبر 1877 کو سیالکوٹ میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم سیالکوٹ کی مسجد میں ابو عبداللہ مولانا غلام حسن کے مکتب سے حاصل کی ۔بعد ازاں کوچاں میر حسام الدین میں مولانا میر حسن سے ابتدائی عربی، فارسی کی تعلیم حاصل کی۔کہا جاتا ہے کہ اقبال کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں میر حسن کا فیضان شامل ہے۔1883 میں اسکاٹ مشن اسکول سیالکوٹ میں داخل ہوئے۔1888 میں پرائمری، 1891 میں مڈل اور 1893 میں میٹرک کے امتحان

پاس کئے۔ میٹرک کے امتحان پاس کرتے ہی ان کی شادی اسی سال 3 مئی کو ہوگئی۔ علامہ اقبال کی شادی سول سرجن خان بہادر عطا محمد کی بیٹی کریم بی بی سے ہوئی۔ بعدازاں علامہ اقبال نے اسکاٹ مشن کالج میں داخلہ لیا اور 1895 میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ 1897 میں بی اے پاس کیا۔ علامہ اقبال کو اسی زمانے میں پروفیسر ٹامس آر نالڈ سے فلسفے کی تعلیم حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ 1899 میں ایم اے فلسفہ کا امتحان پاس کیا اور گورنمنٹ کالج میں انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر کئے گئے۔ 1904 تک اسی منصب پر فائز رہے اور 1908 میں میونخ یونیورسٹی جرمنی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ علامہ اقبال نے 1931 میں گول میز کانفرنس میں شرکت کی اور لندن، روم، وینس، اسکندریہ، قاہرہ اور فلسطین کا سفر کیا۔ 1932 میں تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے پھر لندن گئے اور پیرس، میڈرڈ وغیرہ کا سفر کیا۔ 1933 میں افغانستان کا بھی سفر کیا۔

اقبال نوعمری سے ہی شعر گوئی کا شوق تھا۔ انہوں نے داغ دہلوی سے اصلاح سخن لی تھی۔ علامہ اقبال کی شاعری کو تین دور میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا دور 1900 تک ختم ہو جاتا ہے۔ دوسرا دور 1905 اور تیسرا دور 1905 کے بعد۔ ان کی اردو شاعری کے چار مجموعہ کلام بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم اور ارمغان حجاز شائع ہو چکے ہیں۔ جبکہ اسرار خودی، رموز بے خودی، پیام مشرق، زبور عجم اور جاوید نامہ وغیرہ فارسی شاعری کے مجموعے ہیں۔ علامہ اقبال کا انتقال 21 اپریل 1938 کو لاہور میں ہوا اور وہیں شاہی مسجد کے مینار کے سائے تلے دفن کئے گئے۔

1.2.3 اقبال کی نظم نگاری

علامہ اقبال کو شعر کہنے کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ 'ہمالہ' علامہ اقبال کی پہلی نظم ہے جو رسالہ

مخزن لاہور کے پہلے شمارے میں 'کوہستان ہمالہ' کے نام سے شائع ہوئی اور ان کے پہلے مجموعہ کلام 'بانگ درا' میں ہمالہ کے نام سے شامل ہے۔ حالاں کہ انجمن کشمیری مسلمان اور انجمن حمایت اسلام میں نالہ یتیم، فلاح قوم، درد دل وغیرہ نظمیں اقبال نے پڑھی تھی۔ ہمالہ نظم کی اشاعت کے بعد علامہ اقبال کی نظم نگاری سے لوگ پوری طرح واقف ہوئے جس میں علامہ اقبال نے حب الوطنی اور ماضی کی بازیافت کے ساتھ ساتھ مناظر فطرت کی خوبی بھی بیان کی ہے۔ ابتدائی دور کی نظموں میں علامہ اقبال نے زیادہ تر نیچرل، بچوں سے متعلق اور مناظر فطرت سے متعلق نظمیں لکھی مثلاً ابر کوہسار، آفتاب صبح، گل رنگین، چاند، جگنو، شمع، ماہ نو، ایک آرزو، موج دریا اور کنار راوی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اقبال کی نظم میں 'ایک آرزو' شاعرانہ مصوری اور نیچرل شاعری کی عمدہ مثال ہے۔

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
جھک جھک کے گل کی ٹہنی پانی کو چھو رہی ہو
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو
ہو دل فریب ایسا کوہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کر دیکھتا ہو

علامہ اقبال کی حب الوطنی کی نظموں میں ہندوستانی بچوں کا قومی گیت، ترانہ ملی، نیا شوالہ، خطاب بہ جوانان اسلام، صدائے درد، تصویر درد، آفتاب اور ترانہ ہندی نظم نگاری کی عمدہ مثال پیش کرتی ہیں۔ ان نظموں میں علامہ اقبال نے اتحاد کا پیغام دیا ہے اور متحد رہنے کو ہی پوری قوم کے لئے تابناک مستقبل قرار دیا ہے۔ خاص طور سے قومی نظموں میں ترانہ ہندی میں

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا
غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی ، دل ہو جہاں ہمارا
پربت وہ سب سے اونچا، ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا
گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جس کے دم سے رشک جناں ہمارا

اقبال نے بچوں کے لئے بھی متعدد اقداری نظمیں لکھی ہیں جو پوری دنیا میں بالخصوص ہندو پاک کی درسی کتابوں میں شامل ہیں۔ ان نظموں ایک پہاڑ اور گلہری، گائے اور بکری، مکڑی اور مکھی، بچے کی دعا، ماں کا خواب، پرندے کی فریاد اور ہمدردی وغیرہ بطور خاص شامل ہیں۔ اقبال کی اخلاقی نظموں میں گل پژمردہ، زہد و رندی، طفل شیر خوار، گورستان شاہی اور شبنم اور ستارے بطور خاص ہیں۔ جبکہ ان کی تاریخی نظموں میں ہلال، صقلیہ، غلام قادر روہیلہ، حضور رسالت مآب، فاطمہ بنت عبداللہ، صدیق اکبر اور بلاد اسلامیہ وغیرہ خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

1.2.4 نظم 'شمع' کی خصوصیات

عزیز طلبا! نظم شمع کی تخلیق علامہ اقبال نے 1904 میں کی۔ اس وقت وہ وحدۃ الوجود کے فلسفے سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ نظم شمع پوری طرح وحدۃ الوجود کے فلسفے کی بنیاد پر لکھی گئی نظم ہے۔ یہ نظم علامہ اقبال کی مشکل ترین نظموں میں سے ایک ہے۔ حالاں کہ علامہ اقبال نے بعد کے مجموعہ کلام مثلاً بال

جبریل اور ضرب کلیم میں اس فلسفے کو کئی اور نظموں کے ذریعہ اور غزلوں کے اشعار کے ذریعہ پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ تاہم ان مجموعہ کلام سے بہت پہلے وحدۃ الوجود پر مبنی نظم شمع اپنے آپ میں انفرادیت کی حامل ہے۔ نظم میں اقبال نے کئی تلمیحات اور دیگر صنعتوں کو بہت خوبی سے پیش کیا ہے مثلاً اسیر فریبِ نگاہ، چشمِ غلط، بزمِ جہاں، دانہ اسپند، حرارتِ سوزِ دروں، گل فروشِ اشک، اشکِ شفق، شمع مزار وغیرہ۔ اس نظم میں خیالات کی بلندی کے ساتھ ساتھ وحدۃ الوجود کے فلسفے کو شمع کے پس منظر میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ نظم شمع کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال کے اندر تصوف کا مزاج ان کی ابتدائی شاعری سے ہی تھا جو آگے چل کر مزید پختہ ہوتا گیا اور یورپ کے سفر کے بعد پختہ تر ہو گیا۔ نظم شمع میں اقبال نے شمع سے اپنا موازنہ کیا ہے۔ مشکل پسندی اور انداز بیان غالب کے جیسا ہے۔ نظم میں الفاظ کی تراکیب اور بندشیں بھی ویسی ہی ہیں جس طرح کی فارسی تراکیب مرزا غالب نے استعمال کی ہے۔ وہی مضمون آفرینی اور وہی فلسفہ طرازی شمع میں دیکھنے کو ملتی ہے جو غالب کی بعض غزلوں میں موجود ہیں۔ اقبال نے اس نظم میں وحدۃ الوجود کی وہ تعبیریں پیش کی ہیں جو دیگر مغربی فلسفیوں بالخصوص ابن عربی کی تصانیف میں پائی جاتی ہیں۔ اس نظم میں جا بجا غالب کی غزلوں کے اشعار میں پیش کئے گئے وحدۃ الوجود کے فلسفے کا عکس دکھائی دیتا ہے مثلاً غالب نے کہا

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

اقبال شمع میں اس کی ترجمانی کرتے ہیں

صیاد آپ، حلقہ دامِ ستم بھی آپ!
بامِ حرم بھی، طائرِ بامِ حرم بھی آپ

گویا غالب کا فلسفہ وحدۃ الوجود کی پیش کش اور نظم شمع میں اقبال کی وحدۃ الوجود کی پیش کش تقریباً ایک جیسی معلوم ہوتی ہے۔حالاں کہ بال جبریل کی نظموں میں اقبال نے ابن عربی کے فلسفے سے الگ ہٹ کر مجدد الف ثانی کی تعبیرات کو اختیار کیا مثلاً حسن و عشق اور خالق و مخلوق۔ابن عربی خدا کے علاوہ کسی اور کا وجود تسلیم نہیں کرتے یہاں تک کہ کائنات کے وجود کو بھی موہوم مانتے ہیں جبکہ مجدد الف ثانی کائنات میں تمام مخلوقات کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔گویا نظم شمع اقبال کے زمانے تک وحدۃ الوجود کے فلسفے میں بیان کی گئی تعبیرات کی تشریح ہے۔

1.2.5 نظم 'شمع' (متن)

بزمِ جہاں میں میں بھی ہوں اے شمع! دردمند
فریاد در گرہ صفت دانہ سپند
دی عشق نے حرارتِ سوز دروں تجھے
اور گل فروشِ اشکِ شفق گوں کیا مجھے
ہو شمع بزمِ عیش کہ شمع مزار تو
ہر حال اشک غم سے رہی ہمکنار تو
یک بیں تری نظر صفت ِ عاشقان زار
میری نگاہ مایہ آشوب ِ امتیاز
کعبے میں، بتکدے میں ہے یکساں تری ضیا
میں امتیازِ دیرو حرم میں پھنسا ہوا
ہے شان آہ کی ترے دودِ سیاہ میں
پوشیدہ کوئی دل ہے تری جلوہ گاہ میں؟
جلتی ہے تو کہ برق تجلی سے دور ہے
بے درد تیرے سوز کو سمجھے کہ نور ہے
تو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں
بینا ہے اور سوزِ دروں پر نظر نہیں
میں جوشِ اضطراب سے سیماب وار بھی
آگاہِ اضطرابِ دلِ بے قرار بھی

تھا یہ بھی کوئی ناز کسی بے نیاز کا
احساس دے دیا مجھے اپنے گداز کا

یہ آگہی مری مجھے رکھتی ہے بے قرار
خوابیدہ اس شرر میں ہیں آتش کدے ہزار

یہ امتیازِ رفعتِ پسری اسی سے ہے!
گل میں مہک،شراب میں مستی اسی سے ہے!

بستان و بلبل و گل و بو ہے یہ آگہی
اصلِ کشاکش من و تو ہے یہ آگہی

صبح ازل جو حسن ہوا دبستانِ عشق
آواز کن ہوئی تپش آموزِ جانِ عشق

یہ حکم تھا گلشنِ کن کی بہار دیکھ
ایک آنکھ لے کے خوابِ پریشاں ہزار دیکھ

مجھ سے خبر نہ پوچھ حجابِ وجود کی
شامِ فراق، صبح تھی میری نمود کی

وہ دن گئے کہ قید سے میں آشنا نہ تھا
زیب ِ درخت ِ طور مرا آشیانہ تھا

قیدی ہوں اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں
غربت کے غم کدے کو وطن جانتا ہوں میں

یادِ وطن فسردگی بے سبب بنی
شوقِ نظر کبھی ، کبھی ذوقِ طلب بنی

اے شمع! انتہائے فریب ِ خیال دیکھ
مسجود ساکنانِ فلک کا مآل دیکھ

مضموں فراق کا ہوں ، ثریا نشاں ہوں میں
آہنگ طبعِ ناظمِ کون و مکاں ہوں میں

باندھا مجھے جو اس نے تو چاہی مری نمود
تحریر کردیا سرِ دیوان ہست و بود

گوہر کو مشتِ خاک میں رہنا پسند ہے
بندش اگرچہ سست ہے مضموں بلند ہے

چشم ِ غلط نگہ کا یہ سار اقصور ہے
عالم ظہور جلوہ ذوق شعور ہے

یہ سلسلہ زمان و مکاں کا کمند ہے طوقِ گلوئے حسن ِ تماشا پسند ہے
منزل کا اشتیاق ہے، گم کردہ راہ ہوں اے شمع! میں اسیر ِ فریبِ نگاہ ہوں
صیاد آپ، حلقہ دامِ ستم بھی آپ! بامِ حرم بھی، طائر ِ بامِ حرم بھی آپ
میں حسن ہوں کہ عشق سراپا گداز ہوں! کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیاز ہوں!

ہاں آشنائے لب ہوں نہ رازِ کہن کہیں
پھر چھڑ نہ جائے قصہ دار و رسن کہیں

1.2.6 نظم 'شمع' کی تشریح

عزیز طلبا! آپ نے نظم شمع کی خصوصیات میں پڑھا کہ یہ علامہ اقبال کی مشکل ترین نظموں میں سے ایک ہے۔ چنانچہ اس میں چند الفاظ اور مختلف تراکیب استعمال کی گئی ہیں۔ آپ کو اس کی شرح اور لغوی معنی تشریح پڑھنے سے قبل معلوم کر لینا چاہئے۔ نظم کی تشریح یوں ہے۔

اے شمع میں بھی تیری طرح غمگین و پریشان ہوں۔ تم محبت کی آگ میں جل رہی ہو اور میں شدت غم سے نالہ وفریاد کر رہا ہوں اور خون کے آنسوں بہا رہا ہوں۔ اے شمع تیری نظر میں تو دیر وحرم ایک ہی جیسے ہیں لیکن میں ابھی تک اس بلندی نگاہ کو حاصل نہیں کر سکا۔ تیرے دھوئیں میں آہ کا رنگ پوشیدہ ہے جس سے مجھے یہ گمان ہوتا ہے کہ تیرے سینے میں بھی عاشق کا دل چھپا ہوا ہے۔ گویا تو بھی میری طرح کسی پر عاشق ہو اور میری طرح ہی فراق میں جل رہی ہو۔ لیکن جو لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے وہ تیرے سوز کو، تیرے جلنے کو صرف روشنی سمجھتے ہیں۔ نظم میں یہاں تک تو شمع اور شاعر دونوں میں مشابہت ہے لیکن اس کے بعد اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ شمع کو اپنے عاشق یا محبوب حقیقی کے فراق کا شعور نہیں ہے لیکن ابن آدم یعنی انسان کو یہ شعور حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ انسان میں آگہی یعنی شعور ذاتی کی صفت بھی

پائی جاتی ہے۔آگے شاعر کہتا ہے اے شمع جل رہی ہے لیکن تجھے یہ پتہ نہیں کہ میں بھی جل رہا ہوں مگر مجھے اس کا شدت سے احساس ہے کہ میں جل رہا ہوں اور شدت اضطراب سے تڑپ بھی رہا ہوں اور مجھے اس تڑپ کا شعور بھی حاصل ہے اور یہ بات مجھے میرے خدا نے محسوس کرایا ہے۔ یہ میرا ذاتی شعور ہے جو میری بے قراری کا باعث ہے۔انسان میں اگر شعور ذاتی یا احساس ذات نہ ہوتو اسے نہ کوئی جستجو ہوگی اور نہ کوئی اضطراب، نہ کوئی سوز و گداز ہوگا نہ لذت فراق، نہ گریہ نیم شبی ہوگی اور نہ نالہ سحر گاہی، نہ کشمکش ہوگا اور نہ کوئی ہنگامہ۔بس انسانی زندگی بھی عام حیوانات اور چرندو پرند کی طرح گزرے گی۔ انسان کو اسی شعور سے بلندی و پستی کا امتیاز پیدا ہوا۔پھول میں خوشبو اور شراب میں مستی کا احساس پیدا ہوا۔کائنات میں ہر قسم کا امتیاز ذاتی اور امتیاز صفاتی کا شعور اسی سے ہے۔اس کے بعد اقبال پوری طرح وحدۃ الوجود کا فلسفہ بیان کرتے ہیں۔اس نظم کا آخری بند

صبح ازل جو حسن ہوا دلستانِ عشق　　آواز کن ہوئی تپش آموزِ جانِ عشق
یہ حکم تھا گلشنِ کن کی بہار دیکھ　　ایک آنکھ لے کے خوابِ پریشاں ہزار دیکھ
مجھ سے خبر نہ پوچھ حجابِ وجود کی　　شامِ فراق، صبح تھی میری نمود کی

یعنی اللہ کو جب یہ منظور ہوا کہ کوئی ہستی ایسی ہو جو میرے حسن و جمال پر شیدا ہو کہ اس نے کن کہہ کر اس کائنات کو پیدا کیا اور ابن آدم کو اس کا سردار بنایا ارا پنی محبت کی آگ کو اس کے دل میں پوشیدہ کر دیا۔اقبال نے مذکورہ شعر غالباً اس حدیث سے لیا ہے 'کنت کنزاً مخیاً' یعنی اللہ نے فرمایا کہ'میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوقات کو پیدا کیا' لیکن سوال یہ ہے کہ انسان میں روح کہاں سے آئی۔چنانچہ اس کا جواب یہ ہے کہ روح خدا سے جدا ہو کر اپنا کوئی مستقل وجود نہیں رکھتی۔گویا پوری کائنات کی ہر شے میں اسی خدا کی ذات وصفات کی جلوہ گری ہے اور یہ جلوہ گری

اور تجلی انسان میں بخوبی نظر آتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسانی روح اللہ کے آغوش میں تھی اس سے جدا ہو کر دنیا میں آئی اور انسانی جسم سے وابستہ ہوگئی۔ علامہ اقبال آگے بتاتے ہیں

اے شمع! انتہائے فریبِ خیال دیکھ — مسجود ساکنانِ فلک کا مآل دیکھ
مضموں فراق کا ہوں، ثریا نشاں ہوں میں — آہنگ طبع ناظمِ کون و مکاں ہوں میں
باندھا مجھے جو اس نے تو چاہی مری نمود — تحریر کر دیا سرِ دیوان ہست و بود

اقبال نے یہاں 'ہمہ اوست' کا راز بیان کیا ہے جس کی رو سے ہماری حالت اس انسان کی سی ہے جو خواب دیکھ رہا ہو۔ ظاہر ہے انسان خواب میں جو کچھ دیکھتا ہے اسے بالکل وہ صحیح و حقیقی سمجھتا ہے اور اس پر یقین بھی کرتا ہے۔ جیسے ہی خواب سے بیدار ہوتا ہے وہ سب کچھ خوابِ پریشاں ہو جاتا ہے۔ بس یہی حالت ہماری بھی ہے کہ ہم زندگی میں خواب دیکھ رہے ہیں اور جب موت آئے گی یعنی جب آنکھ کھل جائے گی تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ گویا یہ پوری کائنات حقیقتاً خواب سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ آخر میں اقبال کہتے ہیں کہ اے شمع میں اپنے منزل مقصود کا مشتاق ہوں اور اس دنیا میں میری حالت ایک راہ بھٹکے ہوئے مسافر جیسی ہے۔ اسی لئے میں فریب میں ہوں۔ یہاں علامہ اقبال نے پوری انسانی زندگی کا خلاصہ بیان کر دیا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص بلا شک وشبہ 'اسیرِ فریبِ نگاہ' ہے اور اس فریب نگاہ کی سب سے بڑی مشکل اور آفت زر، زمین اور زن کا حصول ہے۔ گویا انسان کی اصل پریشانی زن، زر اور زمیں ہے۔ جس دن وہ اس پریشانی سے چھٹکارا حاصل کر لے گا اپنی حیات کے مقصد کو پالے گا۔ در حقیقت انسان خود ہی صیاد ہے اور خود ہی صید بھی، خود ہی حلقہ دام ہے اور خود اس کا شکار، وہی بامِ حرم ہے اور وہی طائرِ بام بھی ہے جو بامِ حرم پر بیٹھا ہوا ہے۔ گویا اقبال کی نظر میں خود ہی عاشق ہوں خود ہی معشوق ہوں، خود ہی ناز ہوں اور خود ہی نیاز ہوں۔ آخر میں شاعر کہتا ہے کہ وقت کا تقاضا یہی ہے اور یہی مصلحت

ہے کہ ہم خاموش ہو جائیں کیوں کہ کہیں ہمارے ساتھ بھی وہی سانحہ نہ ہو جائے جو حسین اور منصور کے ساتھ ہوا۔

1.2.7 خلاصہ

عزیز طلبا! آپ نے سبق میں علامہ اقبال کی مختصر حالاتِ زندگی اور ان کی معروف و مشہور نظم 'شمع' کے متعلق مطالعہ کیا ہے۔ یہ نظم علامہ اقبال کی مشکل ترین نظموں میں سے ایک ہے۔ علامہ اقبال کی پیدائش 9 نومبر 1877 کو سیالکوٹ میں ہوئی۔ ان کی ابتدائی تعلیم اسکاچ مشن اسکول سیالکوٹ میں اور ثانوی تعلیم بھی سیالکوٹ میں ہوئی۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے پاس کیا اور اورینٹل کالج میں عربی کے ریڈر مقرر ہوئے۔ بعد ازاں انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے گورنمنٹ کالج میں کام کیا۔ 1905 میں مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے یوروپ کا سفر کیا اور 1907 میں میونخ یونیورسٹی جرمنی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد انہوں نے بیرسٹری کا بھی امتحان پاس کیا۔ 1923 میں انہیں سر کا خطاب دیا گیا۔ 1931 میں علامہ اقبال نے گول میز کانفرنس میں شرکت کی اور مختلف ممالک کا دورہ کیا۔ علامہ اقبال کو اسکول کی تعلیم سے ہی شعر گوئی کا شوق تھا۔ چنانچہ انہوں نے نوجوانی میں ہی چند ایسی نظمیں لکھی جو اس زمانے میں بہت مشہور ہوئیں۔ علامہ اقبال کی پہلی مطبوعہ نظم جو مخزن لاہور کے پہلے شمارے میں 'کوہستانِ ہمالہ' کے نام سے شائع ہوئی تھی یہ ان کے مجموعہ کلام بانگ درا میں 'ہمالہ' کے نام سے شامل ہے۔ شروع کی نظموں میں نالہ یتیم، درد دل، ہمالہ، گل رنگین، ابر کوہسار، آفتاب صبح، چاند، جگنو، شمع، ماہ نو، موج دریا اور آرزو وغیرہ شامل ہیں۔ اقبال کے چار اردو مجموعہ کلام بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم اور ارمغان حجاز شائع ہوئے ہیں۔ 'شمع' بانگ درا کی ایک مشہور نظم ہے جو وحدۃ الوجود کے فلسفے کی بنیاد پر لکھی گئی ہے۔ اس نظم میں خیالات کی بلندی، اور مشکل

تراکیب کی آمیزش ہے۔ ایسے بھی وحدۃ الوجود کا فلسفہ بہت سے فلسفیوں کی بحث کا موضوع رہا ہے۔ اس نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے عمر سے ہی اقبال کو تصوف سے دلچسپی تھی۔ نظم میں اسی طرح کی فارسی تراکیب استعمال کی گئی ہے جس طرح غالب نے اپنے اشعار میں استعمال کی ہے۔

علامہ اقبال نے اس نظم میں ابن عربی کی تصانیف سے رہنمائی حاصل کی ہے تاہم مجدد الف ثانی کے اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ خاص طور سے کائنات اور اس کی مخلوقات کے وجود کو تسلیم کرنے کے معاملے میں۔ نظم شمع میں شاعر نے اپنا موازنہ شمع سے کرایا ہے لیکن آگے چل کر شمع کے سوز اور نور سے اپنی صفات کو آگے بتایا ہے اور اس کی تفصیل بتاتے ہوئے آگے کہا ہے کہ شمع کو اپنے عاشق یا محبوب حقیقی سے فراق کا شعور نہیں لیکن انسان کو یہ شعور حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان میں شعور و آگہی کی صفات پائی جاتی ہے۔ اس صفات کی بنا پر شاعر شمع سے آگے نکل کر بات کرتا ہے اور اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ شدت اضطراب اور تڑپ بذات خود اس کے خدا نے عطا کیا ہے۔ قدرے طویل نظم کے اختتام پر اقبال اس فلسفے کی طرف قاری کے ذہن کو مبذول کراتے ہیں کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب لالچ و طمع، زن، زر اور زمین کے لئے ہے۔ انسان کی کامیابی اس میں ہے کہ وہ اس دام سے باہر آئے اور اس معبود حقیقی کی طرف رجوع ہو جائے کہ اس کی وہی منزل مقصود ہونا چاہئے۔ آخر میں شاعر شمع سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اب خاموش ہو جاؤ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے ساتھ بھی وہی سانحہ درپیش ہو جو منصور اور حسین کے ساتھ ہوا۔

1.2.8 فرہنگ

اشک شفق	خون کے آنسو
آشوب	پریشانی، فتنہ وفساد

سیماب	پارہ
کشاکش	تکرار، کھینچا تانی
مسجود	سجدہ کیا گیا
ثریا	بلند پایہ، عالی مرتبہ
مشت خاک	خاکی پتلا (انسان)
اسیر	قیدی، بندی
دام	جال، پھندا

1.2.9 نمونہ امتحانی سوالات

1 علامہ اقبال کے حالاتِ زندگی پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

2 نظم شمع کے حوالے سے علامہ اقبال کی نظم نگاری کا جائزہ لیجیے

3 نظم 'شمع' کی انفرادی خصوصیات بیان کیجیے۔

4 شمع میں کس طرح کے فلسفے کا سہارا لیا گیا ہے۔ اپنے لفظوں میں بیان کیجئے۔

1.2.10 مزید مطالعہ کے لئے

1 اسلوب احمد انصاری، نقش اقبال، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، 2012

2 محمد عبدالسلام خاں، افکار اقبال، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، 2011

3 محمد اقبال، کلیاتِ اقبال

4 کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میرا جی تک، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی۔2008

5 پروفیسر محمد یوسف خاں سلیم چشتی، تعلیمات اقبال، دفتر اقبال اکیڈمی ظفر منزل تاج پورہ، لاہور

سبق 3

تلوک چند محروم: نظم 'علم' کی تشریح

اکائی کی ساخت

1.3.1	تمہید
1.3.2	تعارف
1.3.3	تلوک چند محروم کے ابتدائی ایام
1.3.4	محروم کی شاعرانہ خصوصیات
1.3.5	علم (متن)
1.3.6	نظم 'علم' کی تشریح
1.3.7	خلاصہ
1.3.8	نمونہ امتحانی سوالات
1.3.9	فرہنگ
1.3.10	مزید مطالعہ کے لئے

1.3.1 تمہید

عزیز طلبا! نظم جدید کے اس پیپر میں آپ نے کئی معروف و مشہور نظم نگار شعرا کے متعلق مطالعہ کیا ہے اور ان کی تخلیقات سے معروف و مشہور نظموں کا تجزیہ بھی کیا ہے مثلاً مولانا الطاف حسین حالی، علامہ اقبال، فیض احمد فیض، اختر الایمان اور ن م راشد وغیرہ۔ جدید نظم نگاروں کے اس ضمن میں ایک اور اہم نام تلوک چند محروم کا بھی ہے۔ تلوک چند محروم کے متعلق اگلے دو تین اسباق میں ان کے حالات زندگی، نظم نگاری، شخصیت اور فن کے متعلق مطالعہ کریں گے۔ نیز خصوصی طور سے تلوک چند محروم کی ایک طویل اور معروف نظم 'علم' کا مختلف زاویہ نظر سے جائزہ لیں گے۔ تلوک چند محروم کی شاعری میں ہمیں انسانی خلوص کا، مظلوموں کی آزادی کا اور انسانی اخوت و ہمدردی کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی جدوجہد بھری زندگی ہمیں زندگی کی مختلف دشواریوں کا سامنا کرتے ہوئے آگے بڑھنے کی حوصلہ دیتی ہے۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت اور مستقل مزاجی کا پرعکس ان کی نظموں کے ساتھ ساتھ ان کی غزلوں اور رباعیوں سے بھی عیاں ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، علامہ اقبال کے متبعین شعرا میں اردو نظم کے حوالے سے تلوک چند محروم کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ محروم ایک عظیم انسان دوست شاعر، حقیقی فنکار اور جامع کمالات کے حامل انسان تھے۔ ان کے آٹھ مجموعہ کلام شائع ہوئے۔ عزیز طلبا! اس سبق میں اور آئندہ کئی اسباق میں آپ تلوک چند محروم کی شاعری بالخصوص ان کی نظم نگاری کی خصوصیات کا مطالعہ کریں گے۔

1.3.2 تعارف

عزیز طلبا! تلوک چند محروم کی پیدائش دریائے سندھ کے کنارے ایک چھوٹے سے گمنام گاؤں میں دسمبر 1885 میں ہوئی۔ محروم کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ ان کے سعادت مند فرزند پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے محروم کی سن ولادت 1887 بتایا ہے۔ 'مخزن' کے مدیر سر عبدالقادر اور 'زمانہ' کے

مدیر دیا نرائن نگم نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔محروم نے بچپن سے ہی شاعری شروع کی۔ان کا مزاج انسان دوست اور قلندرانہ تھا۔تلوک چند محروم نے نظم نگاری کے علاوہ غزلوں اور رباعیات میں بھی اپنی اچھی یادگار چھوڑی ہیں۔محروم کی پوری شاعری کو کئی حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے مثلاً بچوں سے متعلق نظمیں، منظر نگاری اور منظر کشی سے متعلق موضوعی نظمیں، وطن پرستی اور وطن دوستی سے متعلق نظمیں اور جدوجہد آزادی سے متعلق نظمیں و ذاتی غم اور شعور غم سے متعلق نظمیں۔تاہم ان کی غزلوں میں وہی واردات قلبی کا بیان ہے اور کائنات کی بے ثباتی کا ذکر جو عام شعرا کرتے آئے ہیں۔اردو نظم نگاری کی روایت میں تلوک چند محروم کو ایک اہم حیثیت حاصل ہے بالخصوص بچوں کے ادب سے متعلق۔عزیز طلبا! آگے آنے والے اسباق میں محروم کی نظموں کی ان خصوصیات کے علاوہ ان کی حزنیہ نظمیں، رثائی نظمیں اور سیاسی نظموں کے متعلق آپ مطالعہ کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ اردو غزل کے عصری تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے محروم کی صوفیانہ مضامین، فلسفیانہ مضامین، انسان دوستی کا جذبہ اور فلسفہ حیات سے متعلق غزلوں کے اشعار بھی پڑھیں گے۔اس کے ساتھ محروم کی مذہبی رباعیات، عارفانہ رباعیات، اخلاقی رباعیات اور فلسفیانہ اور سماجی افادیت سے متعلق رباعیات کا بھی مطالعہ کریں گے۔عزیز طلبا! بالخصوص اس سبق میں آپ محروم کی ایک معروف و مشہور اور طویل نظم 'علم' کا مطالعہ کریں گے اور اس کی تشریح و تجزیہ بھی کریں گے۔

1.3.3 تلوک چند محروم کے ابتدائی ایام

عزیز طلبا! تلوک چند محروم کا وطن دریائے سندھ کے کنارے عیسی خیل کی تحصیل میں گجراں والا نام کا ایک گاؤں میں تھا۔یہ گاؤں کسی زمانے میں دریا برد ہو گیا۔گجراں والا نام کے اسی گاؤں میں تلوک چند محروم کی پیدائش یکم جولائی 1887 میں ہوئی۔محروم کے والد بھگت رام دیال ایک خوشحال کاروباری

آدمی تھے۔ وہ ایک فقیر طبع انسان تھے۔ محروم کے چچا اردو اور فارسی سے اچھی واقفیت رکھتے تھے۔ گویا محروم کا گھرانہ تعلیم یافتہ تھا۔ تلوک چند محروم کی عمر پانچ چھ سال کی رہی ہوگی کہ ان کا خاندان عیسی خلیل میں آکر آباد ہوگیا۔ محروم کی باقاعدہ تعلیم چھ سات سال کی عمر میں شروع ہوئی۔ محروم نے پرائمری اسکول سے ہائی اسکول تک کے امتحانات اول درجے سے پاس کیا۔ پانچویں اور آٹھویں جماعت کے امتحانات میں انہیں وظیفہ بھی ملا۔ 1905 میں مڈل امتحان پاس کرنے کے بعد اپنے قصبے سے ستر میل دور بنو میں وکٹوریہ ڈائمنڈ جوبلی ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور یہیں سے 1907 میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ تلوک چند محروم نے میٹرک کے بعد لاہور کے سنٹرل ٹریننگ کالج میں ٹریننگ حاصل کی اور ڈیرہ اسماعیل خاں میں دوران ملازمت ایف اے اور بی اے کے امتحانات پاس کئے۔

محروم کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ انہوں نے ہائی اسکول کے ماہانہ جلسوں میں اپنی نظم سنانا شروع کیا۔ شاعری کی وجہ سے اسکول کے طلبا اور اساتذہ میں میں ان کا شمار ممتاز بچوں میں ہونے لگا۔ ابتدا میں 'مجموعہ قصص' نام کی ایک کتاب میں تین چار چھوٹی چھوٹی مثنویاں ملتی ہیں۔ محروم نے عام طور پر مناظر فطرت اور موسموں کے موضوع پر شروع میں نظمیں لکھیں مثلاً ان کی ایک نظم 'برسات' کا ایک شعر ہے جسے انہوں نے بچپن میں لکھی تھی۔

الٰہی تیری مہربانی ہوئی کہ ساری زمین پانی پانی ہوئی

تلوک چند محروم کی ابتدائی شاعری سے متعلق ان کے صاحب زادے پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے لکھا ہے:

''وہ ابھی اسکول کے تیسرے درجے میں ہی تھے کہ ایک منظوم کتاب مجموعہ قصص ان کے ہاتھ لگ گئی۔ ان میں چند قصے آسان نظم میں تھے۔ انہیں پڑھ

کر خود بخود اسی بحر میں مصرعے موزوں ہونے لگے۔ بعد کو درسی کتب کی نظمیں
پڑھ کر واقفیت بڑھنے لگی اور آٹھویں درجے تک پہنچتے پہنچتے ایسی نظمیں کہنے
لگے جو درجہ طلبا اور ان کے استادوں کے لئے حیرت اور دلچسپی کا باعث ہوتی
تھیں''۔

افکار محروم، صفحہ 137، بحوالہ ڈاکٹر زینت اللہ جاوید، تلوک چند محروم: شخصیت اور فن، صفحہ 56

محروم نے شاعری میں کسی سے اصلاح نہیں لی اور نہ ہی عروض کا باقاعدہ مطالعہ ہی کیا۔ کیوں کی ان کے خیال میں بغیر استاد کے عروض کا سکھنا یا حاصل کرنا مشکل کام تھا۔ چنانچہ محروم نے ہمیشہ کے لئے استادی اور فن عروض کے اصول سے دامن چھڑا لیا۔ بقول محروم کے

بے ساختہ زباں سے نکلتی ہے دل کی بات	محروم ہم کو عشق نے شاعر بنا دیا
مفعول، فاعلات، مفاعیل، فاعلات	کرتے رہیں گے مولوی صاحب تمام عمر

ہائی اسکول میں پہنچ کر محروم کا شعر گوئی سے مزید تعلق بڑھ گیا۔ دسویں جماعت تک پہنچتے پہنچتے ایسی نظمیں لکھیں جو 'زمانہ' کانپور اور 'مخزن' لاہور جیسے بلند پایہ رسالے میں شائع ہوئے۔ 1906 سے پہلے مثنوی مسدس اور اور غزل کی صورت میں جو شاعری محروم نے کی تھی زبان و بیان کے لحاظ سے انہیں خود انھوں نے قابل اعتنا نہ سمجھا اور اکثر کو تلف کر دیا۔ تاہم 1906 کے بعد کی شاعری میں وہ خوبیاں آنے لگی جنہیں شعری تخلیقات مجموعہ ہائے 'گنج معانی' اور 'نیرنگ معانی' میں شامل کیا۔ تاہم ابتدائی زمانے کی کچھ نظمیں جو 'مخزن' اور 'زمانہ' میں شائع ہو گئی تھیں محفوظ تھے جو محروم کے اس دور کی ادبی کاوشوں کی نشانی ہیں۔ محروم نے اپنا تخلص خود ہی 'محروم' پسند کیا تھا۔ چنانچہ محروم نے اپنے تخلص کے متعلق تفصیل

بتاتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے

’’بلاشبہ میری طبیعت شروع ہی سے غم پسند واقع ہوئی ہے۔اسکول کی کتابوں میں رقت آمیز مضامین پڑھ کر اکثر جماعت میں ہی آنسو نکل آتے تھے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ بیس پچیس لڑکوں کی کلاس میں جب میں نے پہلی بار ’فسانہ آزاد‘ کا ایک مضمون ’محمود کا پھانسی پانا اوراس کے چھوٹے بچے کا بلبلانا‘ پڑھا تو میں اکیلا ہی ایک ایسا طالب علم تھا جس کی آنکھیں نمناک ہوگئی تھیں‘‘۔

حالاں کہ تلوک چند محروم اپنے تخلص کو فال نیک نہیں سمجھتے تھے اور کئی بار دیا نرائن نگم اور دوسرے ہمنواؤں نے محروم کے بجائے پرواز تخلص تجویز کیا لیکن بالآخر تلوک چند محروم کا تخلص محروم ہی رہ گیا۔ بعد میں محروم کو اپنے تخلص پر بجا فخر بھی ہوا۔ چنانچہ انہوں نے فخریہ طور پر کہا

باعث فخر ہے محروم میرا نام مجھے　　　　باتیں ہیں درد کی تاثیر اسی نام سے شعر

محروم کی پہلی شادی 1910 میں ہوئی اور پہلی بیوی سے صرف ایک بچی جس کا نام وددیا تھا پیدا ہوئی۔ 1915 میں ہی ان کی پہلی اہلیہ کا انتقال ہوگیا۔ایک سال بعد محروم کی دوسری شادی ہوئی جس سے جگن ناتھ آزاد کے علاوہ تین بچیاں پیدا ہوئیں۔ وددیا کی ناگہانی خودکشی سے محروم کو بے حد صدمہ پہنچا اور پوری عمر اس صدمے سے باہر نہیں نکل سکے۔محروم کی زندگی کا بڑا حصہ محکمہ تعلیمات میں بسر ہوا۔ پہلے استاد ہوئے پھر مڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہوئے اور 1943 میں پینتیس سال کی ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد محروم گارڈن کالج راولپنڈی میں اردو اور فارسی کے لکچرار مقرر ہوئے ۔ یہاں تین سال کی اطمینان وسکون کے بعد 1947 میں تقسیم ہند کا ہنگامہ شروع ہوا اور بمشکل تمام لاہور سے امرتسر اور پھر جالندھر آئے۔ جالندھر سے بڑی مشکل سے دہلی پہنچے۔ یہاں لالہ دیش بندھو گپتا

نے تیج اخبار میں ان کی ملازمت کا انتظام کیا۔ بعدازاں پنجاب یونیورسٹی کے دہلی کیمپس میں لکچرار مقرر ہوئے اور یہیں سے وہ اپنی 72 سال کی ملازمت سے سبک دوشی حاصل کی۔ 1962 میں انہیں معدے کی کچھ پریشانی ہوئی۔ الوپیتھک اور ہومیو پیتھک کے ڈاکٹروں نے علاج کیا۔ ان کے معالج میں حکیم عبدالحمید، حکیم ذکی احمد، حکیم گنگا رام اور وید بھٹنا گر بھی شامل تھے تاہم مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ آخر کار ڈاکٹروں کے مشورے سے وِلنگٹن نرسنگ ہوم میں داخل ہوئے اور ایک مہینے سے کچھ زیادہ مسلسل علالت کے بعد 6 جنوری 1966 کو تلوک چند محروم کا انتقال ہوا۔ انتقال سے دو دن قبل مقامی ماہنامے کے مدیران جب عیادت کو آئے اور تازہ کلام کی فرمائش کی تو محروم صاحب نے ایک شعر لکھوا دیا

محروم آج عالم فانی سے چل بسا　　　　مانگو یہی دعا کہ خدا خیر کرے

1.3.4 محروم کی شاعرانہ خصوصیات

تلوک چند محروم کی پیدائش اس وقت ہوئی جب ہندوستان کا سیاسی اور ادبی منظر نامہ تبدیل ہو رہا تھا اور روایتی اور کلاسیکل شاعری کی جگہ جدید نظم نگاری لے رہی تھی۔ اردو شاعری میں موضوع اور ہیئت دونوں اعتبار سے تبدیلی رونما ہو رہی تھی۔ عزیز طلبا! آپ جانتے ہیں کہ موضوع اور آہنگ کے لحاظ سے اردو شاعری کو رومانی، سیاسی، اخلاقی، مذہبی، فلسفیانہ، مفکرانہ، طنزیہ و مزاحیہ اور منظری و بیانیہ وغیرہ خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جبکہ ہیئت اور ظاہری ساخت کے لحاظ سے اردو شاعری، غزل، مثلث، رباعی، مربع، مخمس، مسدس، مثمن، ترجیع بند، آزاد، مستزاد، گیتوں اور ماہیتوں کی شکل میں موجود ہے۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ دور میں نظم کی یہ مختلف شکلیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ انجمن پنجاب کے قیام اور مولانا محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی کی نظم جدید کی تحریک نے اسے اور تقویت بخشی۔ نظم نگاری کے زمرے میں نظیر اکبر آبادی کا نام سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ اس زمرے میں اکبر الہ آبادی، شبلی

نعمانی، وحیدالدین سلیم، اسماعیل میرٹھی، ظفر علی خاں، چکبست، علامہ اقبال، سرور جہان آبادی، شوق قدوائی، بے نظیر شاہ وارثی اور تلوک چند محروم وغیرہ شعرا بھی اس کی اہم کڑیاں ہیں۔

محروم جس زمانے میں پیدا ہوئے اسی وقت اردو نظم نگاری کا جدید دور شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ محروم نے ان شعرا سے اثر قبول کیا بالخصوص ان شعرا سے جن کی نظمیں 'مخزن' لاہور اور 'زمانہ' کانپور سے مستقل شائع ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان ہی رسالوں میں محروم کا شاعرانہ مزاج ابھر کر سامنے آیا اور ان کے پیش رو حالی وغیرہ کی نظموں کے ساتھ ساتھ محکمہ تعلیم کی درسی کتابوں میں محروم کی نظمیں بھی داخل نصاب ہوئیں۔

محروم کی شاعری پر اور بالخصوص ان کی نظموں پر اگر ہم نظر ڈالیں تو ان کی شاعری مختلف النوع موضوعات سے بھری پڑی ہیں۔ محروم نے جن موضوعات کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا وہ ان کے مزاج، افتادِ طبع اور رجحان سے زیادہ میل کھاتا ہے۔ ان کی نظموں میں جذبات کی فراوانی، خلوص وصداقت کی تاثیر اور قدرتی مناظر کی پیش کش بدرجہ اتم موجود ہے۔ محروم نے نظموں کو ایک معیار اور اسلوبیاتی خصوصیت سے ہم کنار کیا جو آگے چل کر ان کا مخصوص رنگ وآہنگ بن گیا ہم انہیں محروم کی ذہنی آواز کہہ سکتے ہیں۔ اردو شاعری کو محروم نے کچھ ایسی اہم نظمیں عطا کی ہیں جنہیں اردو ادب کی تاریخ نظر انداز نہیں کر سکتی۔ تلوک چند محروم کی شاعرانہ عظمت پر تبصرہ کرتے ہوئے فراق گورکھپوری نے لکھا ہے:

> ''ان کی نظموں میں ایک باکمال ماہر فن کا سا جادو ہے۔ فکر اور فن انہیں کبھی دھوکہ نہیں دیتے۔ وہ جوش جنوں میں بھٹکتے نہیں۔ ایک سلجھے ہوئے دنیاوی بشر کی سی سنجیدگی اور متانت ان کا حصہ ہے۔ صحت مندی ان کی شاعری کا وصف اعلی ہے۔ محروم صاحب نے اب تک کوئی ایک ہزار منظومات کہی ہیں ان میں

شاعر کی ذات بہ نفس نفیس موجود ہے''۔

آثار محروم، اردو ادب میں محروم کا حصہ، صفحہ 48، بحوالہ ڈاکٹر زینت اللہ جاوید، تلوک چند محروم شخصیت اور فن، صفحہ 113

محروم جدید شاعری میں خصوصاً نظم نگاری میں اپنا ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ اس زمرے میں بہت کم ایسے شعرا ہیں جن کا کلام سراسر صداقت اور احساس ذات پر مبنی ہو۔ محروم از راہ تکلف شعر نہیں کہتے بلکہ حالات کی سچائیاں اور صداقت ان کے اشعار میں خود بخود آ جاتے ہیں۔ اس کی مثال محروم نے اپنی جوان رفیقہ حیات کی وفات پر 'اشک حسرت' کے نام سے جو نظم لکھی ہے اس سے دی جا سکتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہو

یہ آج ہونے لگی ہے کدھر کی تیاری ہے بے طرح مترشح نظر سے بے زاری

کہاں ہے آج تمہاری طرز غم خواری کہ بے اثر میرے نالے ہیں بے اثر زاری

یہ ہاتھ جوڑ کے مجھ سے معافیاں کیسی چھڑی ہے آج رخصت کی داستاں کیسی

محروم کی شاعری کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے غم کو تمام دنیا کا غم اور دوسرے کے غم کو اپنا غم محسوس کرتے ہیں۔ ان کے سینے میں ایک ہمدرد دل ہے جس سے نہ وہ صرف عام انسانوں کے مصائب کو محسوس کرتے ہیں بلکہ ہر ایک جاندار کی مشکل و مصائب سے متاثر بھی ہوتے ہیں۔ اس کی مثال ان کی نظموں چڑیا کی زاری، بلبل کی فریاد، مچھلی کی بیتابی اور کولھو کا بیل سے دی جا سکتی ہے۔ محروم کی شاعری کا بیشتر حصہ درس عبرت سے معمور ہے۔ ان کی نظریں شان وشوکت کو خاک میں ملتے ہوئے دیکھتی ہیں اور ان کا دل آہ سرد بھرتا ہے، خود روتا ہے اور دوسروں کو بھی رلاتا ہے۔ کبھی ان کی نظریں جہاں گیر کے مقبرے کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتی ہیں تو کبھی ان کی نظر نور جہاں کی شکستہ قبر پر نوحہ

خوانی کرتی ہے۔'نور جہاں کا مزار' کا ایک بند ملاحظہ کیجئے

جن کو بھی یہاں شب کی سیاہی کا سماں ہے | کہتے ہیں یہ آرام گہہ نور جہاں ہے
مدت ہوئی وہ شمع تہہ خاک نہاں ہے | اٹھتا مگر اب تک سر مرقد سے دھواں ہے
جلووں سے عیاں جن کے ہوا نور کا عالم | تربت پہ ہے ان کی شب دیجور کا عالم

اس نظم میں ایک بند حقیقت نگاری کا اعلی نمونہ بھی ہے جو شاعر کے مصورانہ کمال اور جزئیات نگاری کا نمونہ کہا جاسکتا ہے۔

چوپائے گھبراتے ہیں گرمی سے جو اکثر | آرام کیا کرتے ہیں اس روضے میں آکر
اور شام کو بالائی سیہ خانوں سے ۔۔۔۔۔ | اڑ اڑ کر لگاتے ہیں درو بام پر چکر
معمور ہے یوں محفل جاناں نہ کسی کی | آباد رہے گور گریباں نہ کسی کی

غرض کہ محروم کی شاعری کا حقیقی رنگ ان کی تقریباً تمام نگارشات میں موجود ہیں۔ یہ رنگ ان کے جذباتی غم کی آنچ میں ڈھل کر پختہ ہوئی ہے۔ محروم کے افکار میں بلاغت، گہرائی، آفاقیت ان نا قابل علاج درد وغم سے آئی ہے جسے انہوں نے گردش لیل ونہار سے اپنی روح پر کھائے ہیں۔

1.3.5 علم متن (اقتباس)

رباعی

بیکار ہے یاں شیوا بیانی اپنی | بیسود ہے اے طبع روانی اپنی
محروم ہے خاموش قلم ہے ساکت | خود علم سناتا ہے کہانی اپنی

بزم جہاں میں ساغر آب بقا ہوں میں
آزارِ مرگ کیا ہے کہ خاک شفا ہوں میں

میرے ہی دم سے ہے گلِ ہستی میں رنگ و بو
ابرِ بہار ہوں میں ، نسیمِ صبا ہوں میں

رونق طلسم خانہ امکاں کی مجھ سے ہے
ہوں وہ طلسم ہوش کہ حیرت فزا ہوں میں

وہ میری کہنگی ہے، فدا جس پہ تازگی
دورِ قدیم سے ہوں ، مگر نت نیا ہوں میں

سب شوخیاں ہیں عالمِ ایجاد میں میری
میرے ہیں سب کرشمے، جدھر دیکھتا ہوں میں

سب جانتے ہیں نورِ جبیں ازل مجھے
رنگِ ظہورِ خالقِ ارض وسماں ہوں میں

عارف کے واسطے ہوں میں خورشیدِ معرفت
برہم زنِ طلسمِ شبِ ماسوا ہوں میں

گمراہ میری راہ پہ ہوتا نہیں کوئی
پر تو دہِ چراغِ طریقِ صفا ہوں میں

مشکل نہیں ہے راہِ حقیقت کے مرحلے
منزل نہیں ہے دور اگر رہنما ہوں میں

دیتا ہوں بے نشاں کا نشاں کچھ نہ کچھ ضرور
طالب زمانہ جس کا ہے اس کا پتا ہوں میں

ہر چند وہ رسائی دانش سے دور ہے
ہے یہ بھی جاننا ، کہ نہیں جانتا ہوں میں

میراثِ انبیا مرا مشہور نام ہے
سیدھا سا اک وسیلہ قرب خدا ہوں میں

دیتا ہے گویا سارے زمانے کی روشنی
رتبے میں آفتاب سے لیکن سوا ہوں میں

اس آفتاب میں تو ہے ظاہر کی روشنی
در اصل آفتابِ حقیقت نما ہوں میں

ظلمت فزائے دل مہ و خورشید ہوں ابھی
چشمِ جہاں سے آج نہاں گر ذرا ہوں میں

میرا وطن نہ پوچھئے مجھ سے کہ صبح و شام
غربت میں مثل بادیہ گردِ صبا ہوں میں

اس سر زمیں پہ کرتا ہوں چندے قیام بھی
جوہر کی اپنے قدر جہاں دیکھتا ہوں میں

نفرت غرور و کبر سے ہے، کاہلی سے ہے
ان کا جہاں عمل ہو، وہاں سے اٹھا ہوں میں

اس مملکت میں میں نے گزاری ہیں مدتیں　　سچ پوچھیئے تو ہند میں پیدا ہوا ہوں میں
جنت نشاں یہی ہے پرانا وطن مرا　　پرواں چڑھا اسی میں، اسی میں بڑھا ہوں میں
پالا اسی نے دامنِ شفقت میں ہے مجھے　　سائے میں اس کی مہر کے صدیوں رہا ہوں میں
یونان و مصر میں بھی پھرا مدتوں، مگر　　جس ملک میں گیا ہوں یہیں سے گیا ہوں میں
گنگا کے یہ کنارے ، ہمالہ کی چوٹیاں　　تھے میری سیر گاہ ، انہیں جانتا ہوں میں
یورپ میں آج کل ہیں مرے قدر داں مگر　　واں صرف صَرفِ مادہ بے بقا ہوں میں
بھارت ورش میں جب تھے مرے دن عروج کے　　اس وقت کیا تھا، آہ! مگر آج کیا ہوں میں
جس رنگ میں ہوں خیر، وہی رنگ خوب ہے　　ظاہر ہوں جس ادا میں ، بہت دلربا ہوں میں
کچھ ذوقِ دید ہے تو جوانان زندہ دل　　دیکھو مجھے کہ شاید رنگیں ادا ہوں میں
اسے مزے نصیب کہاں ہیں حواس کو　　مجھ میں وہ رس ہے لاکھ مزوں کا مزا ہوں میں
رکھتا ہوں اپنے طالبِ صادق کو شاد کام　　مائل کوئی مرا ہے تو اس پر فدا ہوں میں
رہتا ہوں مثل مردمک چشم آنکھ میں　　مٹتا نہیں ہوں دل سے، وہ نفسِ وفا ہوں میں
ہر ملک، ہر دیار میں عالم کی قدر ہے　　سارا زمانہ دوست ہے، گر آشنا ہوں میں
بوڑھوں میں رکھتا ہوں میں جوانوں کی آن بان　　وہ ہاتھ ناتواں نہیں، جس میں عصا ہوں میں
مفلس نہیں رہا کہیں طالب کوئی مرا　　میں کوہِ زر ہوں ، کانِ گہر، کیمیاں ہوں میں
اقبال جس کو کہتے ہیں پروردہ ہے مرا　　کیا سایہ ہما ہے، ہما کا ہما ہوں میں
یورپ کو دیکھئے کہ ہے دولت سے مالا مال　　وہ غوطہ زن ہے مجھ میں کہ بحرِ سخا ہوں میں
محتاج ہر ہنر ہے مرا، اور ہر ایک فن　　میں ابتدا کمال کی ہوں، انتہا ہوں میں

خاک، آب و باد، وآتشِ سرکش بدیں جلال
سب میرے زیرِ حکم ہیں فرمانروا ہوں میں

رستے بنائے میں نے پہاڑوں کو چیر کر
ہمدم ذرا جو انجینئر کا ہوا ہوں میں

مثلِ زمیں بنے ہیں سمندر پہ شاہراہ
بیڑے کو خوف کیا ہے، اگر ناخدا ہوں میں

ادنی سا ہے کرشمہ، تعجب ہے اس میں کیا
لے کر اگر بشر کو ہوامیں اڑا ہوں میں

لونڈی ہے میری برق، بخارات ہیں غلام
دونو سے تار، ریل کو چلوا رہا ہوں میں

ظاہر نظر فریب ہے ، باطن ہے دلپذیر
ہر رنگ اور روپ میں جلوہ نما ہوں میں

موجود ہر الاپ میں ہوں ، ہر خیال میں
ہوں شاعری کہیں، تو کہیں فلسفا ہوں میں

میں ہوں کہیں نقوشِ ریاضی میں جلوہ گر
منطق کے سلسلوں میں کہیں بولتا ہوں میں

پیدا کروں میں شیکسپیئر اور والمیک
ہے لطف گر معاونِ طبع رسا ہوں میں

اظہار امر واقعی محروم کر دیا
ورنہ نہ خود فروش، نہ کچھ خودنما ہوں میں

1.3.6 نظم 'علم' کی تشریح

عزیز طلبا! آپ نے متن کے طور پر نظم 'علم' کا سرسری مطالعہ کرلیا ہوگا۔ تلوک چند محروم کی نظموں کا ایک وصف ان کی بیانیہ نظمیں بھی ہیں۔ تلوک چند محروم کی بیانیہ نظموں میں زورِ بیان کا جو عالم نظر آتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ محروم کسی بھی موضوع پر اپنی بیانہ نظموں کے صوتی خصوصیت کو برقرار رکھتے ہیں۔ صفت آہنگ کو اجاگر کرنے کے لئے وہ ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جن سے نظم کی شان دوبالا ہوجاتی ہے۔ نظم کے دوسرے اجزا مثلاً آغاز، انجام، دلچسپی، برمحل گریز، تمثیل، تخیل کی پختگی، اعجاز اختصار کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ عزیز طلبا! علم بھی ان کی بیانیہ نظم ہے۔ علم کی جانب سے واحد متکلم یعنی میں ہوں کے انداز میں کی گئی ہے جس میں قاری کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم بذاتِ خود کوئی گوشت و پوشت کا

انسان ہے اور وہ ہم سے ہم کلام ہے۔ نظم علم ایک رباعی سے شروع ہوتی ہے جس کا چوتھا مصرع اشارہ کرتا ہے کہ علم اپنی کہانی سنا رہا ہے۔ 'خود علم سناتا ہے کہانی اپنی' اور پھر اصل نظم شروع ہوتی ہے نظم کا پہلا شعر ہے

بزم جہاں میں ساغر آب بقا ہوں میں
آزارِ مرگ کیا ہے کہ خاک شفا ہوں میں

یعنی اس کائنات میں علم کی وہی حیثیت ہے جو حیثیت آبِ حیات کی ہے اور آبِ حیات بھی کم مقدار میں نہیں بلکہ وافر مقدار میں۔ یعنی علم انسان کی ہر مرض کی دوا ہے اور شفا ہے۔ علم اس ہستی رنگ و بو میں ابرِ بہار اور نسیم صبح کی حیثیت ہے۔ علم سے ہی دنیائے امکان میں رونق و روشنی ہے۔ ہر چیز قدیم و پرانی ہو جاتی ہے لیکن علم پر ہمیشہ تازگی رہتی ہے۔ ہر ذی شعور آغاز کائنات سے ہی علم کو اپنی پیشانی کا نور سمجھتا ہے اور علم سے ہی کائنات میں رنگ و بو ہے۔ علم ہی خورشید معرفت ہے اور اگر یہ نہ ہوتو کائنات کا ہر انسان تیرگی میں زندگی بسر کرے اور علم ہوتو کامیابی کی منزل دور نہیں۔ گویا جو علم کو رہنما بناتے ہیں ان پر منزلوں کی حقیقت کھلتی چلی جاتی ہے۔ علم ہی انبیا کی میراث ہے اور اسی سے قربِ خدا ممکن ہے۔ گویا جس طرح سے علم کی بدولت انبیا خدا کے قریب ہوئے انسان بھی علم کی بدولت اور اس کو وسیلہ بنا کر قرب خدا حاصل کر سکتا ہے۔ لوگ اس کو روشنی گردانتے ہیں لیکن یہ صرف عام روشنی نہیں بلکہ آفتاب کی روشنی سے بھی سوا ہے۔ آفتاب کی روشنی تو ظاہری روشنی ہے لیکن علم کی روشنی ظاہری بھی ہے اور باطنی بھی۔ علم کی روشنی سے دنیا کی ساری ظلمتیں دور ہو جاتی ہیں۔ اس سے انسانی خامیاں اور نفرت و غرور، کبر و کاہلی سے نجات ملتی ہے اور انسان کا جوہر کھل کر اس کے سامنے آتا ہے۔ تلوک چند محروم نے اس نظم میں اپنے مادر وطن کا بھی اشارتاً ذکر کیا کہ میں اس ملک ہند میں پیدا ہوا ہوں جو جنت نشاں ہے اور یہاں سے علم کی

روشنی دنیا کے دوسرے خطوں میں پھیلی ہے۔صدیوں سے اس ملک نے مختلف طرح کے علوم کو دنیا کے متمدن خطوں میں پھیلایا ہے۔ یہ وہ ملک ہے جہاں گنگا کے کنارے ہمالیہ کی چوٹیاں سیر گاہ ہیں۔کبھی وقت تھا کہ علم کی روشنی سے بھارت ورش تمام دنیا کو منور کرتا تھا اور اس معاملے میں دلربا تھا۔ میں اس ملک کی تمام خوبیوں پر فدا ہوں۔ میں ایسی نقش وفا ہوں جو انسانوں کی آنکھ میں رہتا ہوں اور دل سے مٹتا نہیں ہوں اور ملک کو ہر دیار میں علم رکھنے والے یعنی عالم کی قدر و قیمت ہے۔سارا زمانہ اسی کا دوست ہے جس کے پاس علم ہے۔میں کمزور و ناتواں کا عصا ہوں۔کوئی میرا طلب گار مفلس نہیں ہوسکتا۔میں کوہِ زر ہوں، کانِ گہر ہوں اور ترقی کی کیمیا ہوں۔ میں ہی معروف و مشہور پرندے ہما کا سایہ ہوں کہ جس انسان پر اس کا سایہ پڑ جائے وہ کبھی غریب نہیں ہوتا۔ یورپ کے ممالک میری وجہ سے دولت و ثروت سے مالا مال ہیں۔ میں ہی کمال اور جان کی انتہا ہوں۔مجھ سے ہی جلال و جمال ہے اور جس میں میں ہوں وہی فرماں روا ہے، وہی انجینئر ہے، وہی جہاز راں ہے، وہی رہنما ہے۔علم ہی کی وجہ سے سمندر پر بھی شاہراہ بنے ہیں اور علم ہی کی وجہ سے ناخدا اپنے بیڑے کو بے خوف وخطر پار کرتا ہے۔علم ہی کی وجہ سے بشر ہواؤں کی سیر کرتا ہے۔بجلی، برق، بخارات یعنی ساری طاقت جس سے تار، ریل، سبھی طرح کے کل کارخانے چلتے ہیں سب میرے لونڈی اور غلام ہیں۔سب میں میری ہی جلوہ نمائی ہے۔شاعر نے شعر میں مَیں ہوں، اس کے خیال میں مَیں ہوں، فلسفے کے فکر میں مَیں ہوں اور ریاضی داں کے اقلیدس میں مَیں ہوں اور عالم کے منطق کا سلسلہ مَیں ہی ہوں۔غرض کہ میں نے ہی شکسپیئر اور والمیکی جیسی شخصیتیں پیدا کی ہیں اور ہر علوم کے عالموں کے اندر میں ہی معاون طبع رساں ہوں۔آخر کے مقطع کے شعر میں محروم صاحب اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ علم نے ہی مجھے مشہور کردیا ورنہ میں حقیقت میں کچھ بھی نہیں تھا۔غرض کہ تلوک چند محروم نے اپنی اس قدرے طویل نظم میں علم کی ان ساری خوبیوں کا ذکر

کیا ہے جس سے ابتدائے آفرینش سے دور حاضر تک کی انسانی ترقیاں ہوئی ہیں۔

1.3.7 خلاصہ

عزیز طلبا! اس سبق میں آپ نے نظم کے معروف و مشہور شاعر تلوک چند محروم کے متعلق مطالعہ کیا ہے۔ تلوک چند محروم دریائے سندھ کے کنارے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک منکسر المزاج کاروباری آدمی تھے۔ بعد میں محروم کا خاندان عیسی خلیل میں آکر آباد ہو گیا۔ محروم شروع سے پڑھنے لکھنے میں بہت ذہین تھے اور پرائمری سے میٹرک تک کے امتحانات اول درجے میں پاس کیا۔ محکمہ تعلیم میں بحیثیت استاد ملازمت حاصل کی۔ محروم اسکول کے زمانے سے ہی شعر کہنے لگے تھے۔ 1910 میں ان کی پہلی شادی ہوئی اور پھر دوسری شادی 1916 میں۔ 1943 میں پینتیس سال کی ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔ 1947 میں تقسیم ہند کے بعد دہلی میں آکر مقیم ہوئے۔ تلوک چند محروم کا انتقال 6 جنوری 1966 کو ہوا۔ اردو شاعری میں بالخصوص نظم نگاری میں تلوک چند محروم کا مقام بہت بلند ہے۔ جس زمانے میں اردو نظم نگاری میں جدید دور کا آغاز ہوا محروم نے اس کا بہت اثر قبول کیا۔ انہوں نے متعدد موضوعات پر نظمیں لکھیں۔ ان کی نظموں میں جذبات کی فراوانی، خلوص وصداقت کی تاثیر اور قدرتی مناظر کی پیش کش بدرجہ اتم موجود ہے۔ محروم کی شاعری کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے دوسرے کے غم کو اپنا غم جانا اور عام انسانوں کے مصائب کو نزدیک سے محسوس کیا۔ محروم کو حقیقت نگاری اور منظر کشی پر دسترس حاصل ہے۔ زیر مطالعہ نظم 'علم' ان کی بیانیہ نظموں میں سے ایک نظم ہے جس میں محروم نے علم کی تمام خوبیاں اور برکتیں بیان کی ہیں۔ انسان کی ساری ترقی، اچھائی اور اختراع وایجاد سب علم کے ہی مرہون منت ہیں۔ علم کو تلوک چند محروم نے آب حیات کی حیثیت سے اس نظم میں بیان کیا ہے۔ علم کی ہی خوبی ہے جس سے انسان خالق کائنات تک پہنچ سکتا ہے۔ علم ہی کی خوبی ہے جو انسان

کی رہنمائی میں کام آتی ہے۔ اگر علم پاس ہوتو انسان توانا ہے اور علم نہ ہوتو وہ نادار۔ علم سے ہی یوروپ کے ممالک دولت وثروت سے مالا مال ہیں اور علم ہی ہے جس کی وجہ سے ہندوستان قدیم زمانے سے ہی پوری دنیا میں عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور علم کی جلوہ نمائی شاعر کے شعر میں بھی ہے، فلسفی کے فکر میں بھی ہے، ریاضی داں کے اقلیدس میں ہے اور مفکر کے منطق میں۔ علم ہی کی بدولت انسان پانی پر سفر کرتا ہے اور ہوا میں اڑتا ہے اور آخر میں تلوک چند محروم نے علم کی قدر و قیمت بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ علم کی وجہ سے ہی محروم بھی معروف ومشہور ہیں۔

1.3.8 نمونہ امتحانی سوالات

1 تلوک چند محروم کی حالات زندگی پر ایک مختصر نوٹ لکھیے

2. تلوک چند محروم کی شاعرانہ عظمت پر اظہار خیال کیجیے

3 نظم علم کا خلاصہ اپنی زبان میں بیان کیجیے

1.3.9 فرہنگ

مرقد	قبر، روضہ
معمور	آباد
ساکت	چپ چاپ
طلسم	جادو، سحر
عصا	لاٹھی (سہارا)
برق	بجلی

بخارات	بھاپ، حرارت
وافر	کثرت
الاپ	آواز کا اتار چڑھاؤ
آب بقا	آب حیات، امرت جل
متمدن	تہذیب یافتہ
اقلیدس	ریاضی و ہندسے کا علم

1.3.10 مزید مطالعہ کے لئے

1 تلوک چند محروم، گنج معانی، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی

2 ڈاکٹر محمد یوسف انصاری، تلوک چند محروم حیات اور شاعری، شمسی فائن آرٹس، مومن پورہ، ناگپور

3 ڈاکٹر زینت اللہ جاوید، تلوک چند محروم: شخصیت اور فن، محروم میموریل لٹریری سوسائٹی، نئی دہلی

4 جگن ناتھ آزاد، تلوک چند محروم، ادارہ فروغ اردو، لکھنؤ

UNIT-II

جوش: نظم 'فتنہ خانقاہ'

اکائی کی ساخت

2.1.1 تمہید

2.1.2 تعارف

2.1.3 جوش ملیح آبادی کی حالات زندگی

2.1.4 جوش کی شاعرانہ انفرادیت

2.1.5 نظم 'فتنہ خانقاہ' (متن)

2.1.6 فتنہ خانقاہ کی تشریح

2.1.7 خلاصہ

2.1.8 فرہنگ

2.1.9 نمونہ امتحانی سوالات

2.1.10 مزید مطالعہ کے لئے

2.1.1 تمہید

عزیز طلبا! اس سے قبل کی یونٹ کے تین اسباق میں آپ نے مولانا حالی کی نظم مناجاتِ بیوہ، علامہ اقبال کی نظم شمع اور تلوک چند محروم کی نظم علم کی تشریح کی ہے۔ اس یونٹ کے اس پہلے سبق میں نظم فتنہ خانقاہ کی تشریح پڑھیں گے جو معروف ومشہور شاعر جوش ملیح آبادی کی لکھی ہوئی ہے۔ اس یونٹ میں آپ فیض احمد فیض کی نظم تنہائی، موضوع سخن اور مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ کا مطالعہ بھی کریں گے جبکہ اختر الایمان کی معروف نظم ایک لڑکا اورن م راشد کی تین نظمیں شباب گریزاں، سباویراں اور ایران میں اجنبی کا مطالعہ بھی شامل ہے۔ عزیز طلبا! اردو شاعری میں کچھ ایسے شعرا ہیں جو نظم نگاری میں اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں مثلاً نظیر اکبر آبادی، مولانا الطاف حسین حالی، علامہ اقبال، فیض احمد فیض، ن م راشد، تلوک چند محروم، اختر شیرانی اور مخدوم محی الدین وغیرہ۔ جوش ملیح آبادی کا شمار بھی ان ہی معروف نظم گوشعرا میں ہوتا ہے۔ آیئے اس سبق میں جوش ملیح آبادی کی معروف نظم فتنہ خانقاہ کے مطالعے کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری کی انفرادیت اور ان کی حالات زندگی کا بھی مطالعہ کریں۔

2.1.2 تعارف

جوش ملیح آبادی کا پورا نام شبیر حسن خان تھا جوش ان کا تخلص۔ جوش بیک وقت شاعر فطرت بھی ہیں، شاعر رومان اور شاعر انقلاب بھی۔ جوش نے اردو شاعری کو کئی معروف نظمیں دی ہیں۔ ان کی متعدد نظمیں اور مسلسل غزلیں اردو میں اعلی ترین رومانی شاعری کی مثال پیش کرتی ہیں۔ جوش نے رومانی نظموں کے علاوہ برطانوی حکومت کے جبر واستبداد کے خلاف بے حد مؤثر انقلابی آواز بلند کی۔ جوش کا ایک شعر تو بہت زمانے تک ہر خاص وعام کی زبان پر تھا۔

کام ہے میرا تغیر، نام ہے میرا شباب میرا نعرہ انقلاب وانقلاب وانقلاب

جنگ آزادی میں جوش کی وطنی اور انقلابی شاعری نے واقعی انقلاب برپا کر دیا۔عوام نے ان کو شاعر انقلاب کے خطاب سے نوازا۔کئی تجزیہ نگاروں نے شاعری میں الفاظ کے نشست و برخاست اور زبان و بیان کے لحاظ سے میر انیس کے بعد جوش کو اہم شاعر گردانا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جوش کے پاس الفاظ کا ایک بے بہا خزانہ تھا جسے انہوں نے برمحل فطرت نگاری، رومانی اور انقلابی شاعری میں استعمال کیا۔عزیز طلبا! جوش ملیح آبادی نظموں اور غزلوں کے علاوہ نثر میں بھی کئی بہتر نمونے چھوڑے ہیں جس میں ان کی خودنوشت یادوں کی بارات بہت اہمیت کی حامل ہے۔جوش نے دارالترجمہ حیدرآباد میں خدمات انجام دیں۔اپنا رسالہ 'کلیم' جاری کیا۔ بھارت سرکار کی محکمہ اطلاعات ونشریات کے معروف و مشہور رسالہ 'آجکل' کی ادارت بھی کی اور پھر آخر کار 1955 میں ترک وطن کر کے پاکستان ہجرت کر گئے جہاں ان کو پوری زندگی وطن عزیز کی یاد ستاتی رہی۔عزیز طلبا! اس منفرد شاعر کی حالات زندگی کے علاوہ اس سبق میں ان کی ایک معروف نظم 'فتنہ خانقاہ' کا تجزیہ وتشریح پیش کیا جائے گا۔

2.1.3 جوش ملیح آبادی کی حالات زندگی

جوش ملیح آبادی کا اصل نام شبیر حسن خان تھا اور جوش ان کا تخلص۔ 5 دسمبر 1898 کو ملیح آباد اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ حالاں کہ جوش کی تاریخ ولادت میں تضاد ہے کئی لوگوں نے ان کی سن پیدائش 1896 بھی لکھی ہے لیکن جوش ملیح آبادی کے بیان کے مطابق 1898 ہی درست ہے۔ جوش کے اجداد یار بیگ خاں درخیبر کے سرداروں میں سے ایک تھے۔ان کے دو صاحب زادے محمد دار خاں اور محمد بلند خاں تھے۔ان میں سے محمد بلند خاں اپنے دو صاحب زادوں محمد عوز خاں اور فقیر محمد خاں کے ساتھ تقریباً 1819 میں ہندوستان میں آکر اتر پردیش کے قائم گنج میں آباد ہو گئے۔یہی فقیر محمد جوش ملیح آبادی کے پردادا تھے۔فقیر محمد خاں تعلیم سے فارغ ہو کر کچھ عرصے کے لئے نواب میر خاں والی ٹونک

کے پاس چلے گئے جہاں نواب ٹونک نے فقیر محمد خاں کو فوج میں رسالہ دار مقرر کیا۔ جوش ملیح آبادی کے دادا کا نام محمد احمد خاں بہادر تھا۔ انہیں وراثت میں بے انتہا دولت حاصل ہوئی تھی۔ انہوں نے ملیح آباد میں بہت سے مکانات بنوائے۔ محمد احمد خاں ایک اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک فیاض شخصیت کے مالک تھے۔ جوش کے والد کا نام نواب بشیر احمد خاں تھا جو بشیر تخلص کرتے تھے بے انتہا خوبصورت انسان تھے اور فارسی زبان و تاریخ اسلام پر غیر معمولی قدرت حاصل تھا۔ کلام سعدی، حافظ اور فردوسی ان کی نوک زبان پر تھے۔ اردو شاعری میں وہ میر تقی میر اور میر انیس کے مداح تھے۔

جوش کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی اور مولوی نیاز علی خاں نے فارسی، مولانا طاہر نے اردو، مولانا قدرت اللہ بیگ نے عربی اور ماسٹر گومتی پرشاد نے انگریزی پڑھائی۔ گھر کی ابتدائی کے بعد ان کا داخلہ سیتا پور کے فرنچ ایچ اسکول میں کرایا گیا۔ ڈیڑھ سال کی تعلیم کے بعد ان کے والد نے جوش کو سیتا پور سے واپس بلا کر لکھنؤ کے حسین آباد کے اسکول میں داخل کرایا۔ یہاں انہوں نے چھٹی اور ساتویں کلاس کے امتحان ایک ساتھ دیئے اور آٹھویں کلاس میں داخل ہوئے۔ 1912 میں جوش کو علی گڑھ AMO کالج میں بھیجا گیا۔ شرارتوں کی وجہ سے علی گڑھ کالج سے نکالے گئے اور پھر جوبلی ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔ بعدازاں انہوں نے چرچ مشن اسکول اور ریڈ کرسچن کالجیٹ اسکول میں تعلیم حاصل کی۔ جوش نے مرزا ہادی رسوا سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی اور آگرہ کے پیٹرس کالج میں زیر تعلیم رہے۔ جوش نے اپنی تعلیم کے متعلق آگرہ میں سینئر کیمبرج اسکول اور شانتی نکیتن کا بھی ذکر کیا ہے۔ شانتی نکیتن میں قیام کے دوران رابندر ناتھ ٹیگور سے وابستگی رہی۔ اس کا ذکر انہوں نے اپنی خود نوشت یادوں کی بارات میں کیا ہے۔ 1916 میں والد کے انتقال کے بعد ان کے ذمہ جائیداد کی دیکھ بھال بھی آ گئی۔ جوش نے انگریزی ادب کے مطالعے کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کے معروف شعرا سعدی، حافظ، فردوسی، خیام،

عرفی اور خاقانی وغیرہ کے کلام کا بھی خصوصیت سے مطالعہ کیا۔

1918 میں جوش کو ہندوستان کی سیاست میں دلچسپی پیدا ہونے لگی اور کانگریس کے ذریعہ جدوجہد جنگ آزادی کی تحریک سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ احمد آباد کے کانگریس کے سالانہ اجلاس میں شامل ہوئے۔ وہاں ان کی ملاقات مولانا ابولکلام آزاد سے ہوئی۔ وہاں جوش کا تعارف آزاد نے مہاتما گاندھی سے کرایا۔ اس اجلاس کے دوران جوش کی ملاقات پنڈت جواہر لال نہرو، وجے لکشمی پنڈت، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور مولانا آزاد سبحانی سے ہوئی۔ اس کے علاوہ جوش کی ملاقات اسی کانفرنس کے دوران مولانا حسرت موہانی اور دوسرے اہم رہنماؤں سے بھی ہوئی۔ کچھ عرصے بعد جوش کی ملاقات رابندناتھ ٹیگور سے ہوئی اور انہوں نے جوش کو شانتی نکیتن آکر حافظ کے کلام کو سمجھنے میں مدد کی گزارش کی۔ چنانچہ جوش اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے شانتی نکیتن پہنچ گئے۔ وہاں ان دونوں نے ایک دوسرے کی شاعری کو سمجھنے کی کوشش کی۔ جوش کا خیال تھا کہ ٹیگور نہایت شریف النفس، دلچسپ، مہذب اور حسن پرست شخصیت کے مالک تھے۔ انہیں نمود ونمائش پسند نہیں تھی۔ 1924 میں جوش حیدرآباد گئے۔ یہاں وہ پروفیسر وحیدالدین سلیم، علامہ اقبال، اکبرالہ آبادی، عبدالماجد دریابادی اور سید سلیمان ندوی جیسی شخصیتوں نے جوش کا تعارف کرایا اور مہاراجہ کشن پرشاد سے ان کی سفارش کی۔ جوش نے وہاں دارالترجمہ میں انگریزی ادب کے مترجم کے طور پر مقرر ہوئے۔ نواب میر عثمان علی خاں جوش کے کلام کے بہت مداح تھے۔ جوش حیدرآباد کے بعد دھول پور ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔ سروجنی نائیڈو جوش کی بہت بڑی مداح تھیں۔ چنانچہ سروجنی نائیڈو کی حوصلہ افزائی پر جوش نے دہلی سے کلیم نام کا رسالہ جاری کیا۔ جوش ممبئی کے سفر کے دوران شالیمار پکچر کے مالک زیڈ احمد سے ہوئی۔ انہوں نے اپنی فلموں میں ملازمت کی پیش کش کی بعدازاں جوش کی طبیعت وہاں بھی نہیں لگی اور ملازمت ترک کردی۔

1948 میں ماہنامہ ' آجکل' کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور کچھ دنوں کے لئے آل انڈیا ریڈیو کے ایڈوائزر بھی مقرر کئے گئے۔ چنانچہ یہاں جوش کو قدرے سکون میسر ہوا لیکن ان کی قسمت میں نشیب و فراز لکھا تھا۔ جوش 1955 میں ایک مشاعرے میں پاکستان گئے۔ وہاں ان کے ایک پرانے دوست سید ابوطالب نقوی کراچی کے چیف کمشنر تھے ان کے اصرار پر اور سبز باغ دکھانے پر جوش ترک وطن پر راضی ہو گئے۔تقریباً سبھی ادبا،شعرا اور مؤرخین کا خیال ہے کہ جوش کی زندگی کی یہ سب سے بڑی غلطی تھی جس کی قیمت انہیں زندگی کے آخری ایام تک چکانی پڑی۔ پاکستان میں قیام کے دوران مخالفتوں کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ وجہ یہ تھی کہ یہاں کے شاعر و ادیب یہ سمجھنے لگے تھے کہ جوش کے سامنے ان کا چراغ نہیں جلے گا۔ جوش نے ترک وطن اور اپنی دربدری کا بہت اچھا نقشہ اپنی خودنوشت سوانح 'یادوں کی بارات' میں کھینچا ہے۔ جوش کے مطابق جہاں گیر روڈ کا سنیما پلاٹ اور باغ لگانے کی زمیں ملی خود میں نے واپس کر دی۔ ایک سوسائٹی کا سنیما پلاٹ نیلام میں میرے نام چھوٹا قیمت ادا نہ کر سکا اس لئے نکل گیا۔ کاشت کاری کے لئے ہاشمی صاحب ڈپٹی کمشنر کراچی نے پچاس ایکڑ زمین دی۔ الطاف گوہر نے اسے ضبط کر لیا۔ سائکل رکشاؤں کے پرمٹ ملے نرخ گر گیا پرمٹ ہوا میں اڑ گئے۔ کولڈ اسٹورج کی اجازت ملی روپیہ لگانے والوں کو ورغلا دیا گیا۔ اسی طرح کے بیسوں واقعات و واردات جوش نے یادوں کی بارات میں گنوائے ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ جس جگہ ہم نے گھر بنایا سڑک میں آ گیا۔ غرض کہ ایسا پر جوش شاعر زندگی کے آخری ایام اسلام آباد میں اپنے گھر میں تنہا پڑا رہا۔ وہ شخص جو محفلوں کی جان تھا جس کے دم سے ہندوستان بھر کے محفلوں میں رونق تھی 22 فروری 1982 کو کسم پرسی کی حالت میں اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

2.1.4 جوش کی شاعرانہ انفرادیت

اسکول کے زمانے سے ہی جوش نے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جوش فطری طور پر شاعر تھے۔ تاہم جوش کے والد محترم ان کی شاعری کے اتنے خلاف تھے کہ اگر کبھی شعر کہتے ہوئے جوش پکڑے جاتے تو انہیں سخت سزا دی جاتی۔ کم سے کم سزا یہ ہوتی تھی کہ ان کا جیب خرچ بند کر دیا جاتا تھا یا والد کے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھانے سے روک دیا جاتا تھا۔ ان پابندیوں کا جوش پر برا اثر پڑا۔ ایک دفعہ جوش بے ہوش ہو گئے تو پابندیاں ہٹالی گئیں تاہم جوش کی شاعری کا جوش ٹھنڈا نہیں ہوا۔ جوش نے اپنی شاعری کی ابتدا سے متعلق اپنے مجموعہ کلام کے دیباچے میں لکھا ہے 'میں نے نو برس کے عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا یہ بات میں نے خلاف واقعہ لکھی ہے۔ کیوں کہ حقیقت یہ ہے کہ میں شعر نہیں کہتا تھا بلکہ شعر خود کو مجھ سے کہلواتا تھا'۔ جوش نے اپنی شاعری کی ابتدا غزل سے کی لیکن بہت جلد ان کی توجہ نظم کی طرف مبذول ہو گئی۔ انہوں نے غزل، نظم، مرثیہ، سلام، گیت، رباعیاں اور قطعات بھی کہے۔ جوش اتنے لاابالی تھے کہ وراثت کی جائیداد کی دیکھ بھال اچھی طرح نہیں کر سکے اور ان کے بڑے بھائی نے دستاویزات پر ان کے دستخط کرا لئے جس کی وجہ سے انہیں اپنی بہت بڑی جائیداد سے محروم ہونا پڑا۔ جوش کی شخصیت میں برطانوی حکومت سے نفرت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ چنانچہ والد کے انتقال کے بعد اتر پردیش کے گورنر آرکوٹ بٹلر نے جوش کو بلا کر ڈپٹی کلکٹر یا اسپیشل کورٹ آف وارڈ کی ملازمت کی پیش کش کی جسے انہوں نے ٹھکرا دیا۔ جوش طبعی طور پر حسن و عشق کے شاعر تھے۔ ان کی غزلوں، ان کی نظموں اور رباعیات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ حسن و محبت کے موضوعات پر جوش نے جو نظمیں لکھی ہیں اردو شاعری میں وہ نظمیں جوش کو ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔ جوش بیک وقت شاعر شباب و انقلاب کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ انہوں نے حسن و عشق کی واردات کے ساتھ ساتھ سرمایہ داروں، مذہب کے

ٹھیکہ داروں کے خلاف بھی آواز اٹھائی۔ کسانوں اور غریبوں کی حمایت میں نظمیں لکھیں۔ بحیثیت مجموعی ان کی شہرت و مقبولیت کا دارومدار ان کی عشقیہ شاعری کے ساتھ ساتھ انقلابی شاعری پر بھی ہے۔ جوش کو زور بیان پر اس قدر قدرت حاصل ہے کہ شاید ہی کوئی نظم کا شاعر ان کا ہم پلہ ہو۔ اپنی نظموں میں منظر نگاری کے ساتھ ساتھ احساسات و جذبات، مشاہدات و تجربات، زندگی کے پیچ وخم اور سماجی مسائل کو بہت ہی پرکشش انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کی انقلابی نظموں میں کسان، ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں کے نام، گرمی اور دیہاتی بازار، پیغمبر فطرت، گلبدنی اور فتنہ خانقاہ خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے متعدد شعری مجموعے شائع ہوئے۔ روح ادب، شاعر کی راتیں، نقش ونگار، شعلہ وشبنم، فکرونشاط، جنون و حکمت، حرف وحکایات، آیات ونغمات، عرش وفرش، رامش ورنگ، سنبل وسلاسل، سیف وسبو، سرود وسروش، سموم وصبا، قطرہ وقلزم، طلوع فکر، موجد ومفکر، الہام وافکار اور نجوم و جواہر خاص ہیں۔ جبکہ ان کی خودنوشت سوانح یادوں کی بارات سوانح نگاری میں اور نثری ادب میں ایک بے بہا سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

عزیز طلبا! جوش ملیح آبادی کی شاعرانہ انفرادیت سے متعلق یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جوش بیک وقت حسن وعشق کی واردات قلبی کو بیان کرتے ہوئے ایسا نہیں لگتا کہ جدوجہد آزادی میں انفرادی اہمیت کا حامل ہوگا۔ لیکن جب جدوجہد آزادی اور انقلابی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ جوش نے کبھی حسن وعشق کی باریکیوں کو دیکھا اور پرکھا ہی نہیں ہوگا اور جب جوش کی منظر نگاری اور فطری شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ جوش نیچرل شاعری میں ہی انفرادیت رکھتے ہیں۔ آیئے اب ہم جوش کی وطنی اور انفرادی شاعری سے متعلق بات کرتے ہیں۔ جوش کی ایک نظم 'ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں سے' کے عنوان سے نظم لکھی تھی اس کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ نظم لاکھوں کی تعداد میں چھاپ کر تقسیم کی گئی۔ ان کی انقلابی نظمیں جنگ آزادی کے درمیان ضبط ہونے والے ادبی

ذخیروں میں شامل ہونے والا اہم سرمایہ ہے جو نیشنل آرکائیو میں موجود ہے جسے برطانوی حکومت نے ضبط کیا تھا۔نظم کے دوتین اشعار مثال کے لئے پیش ہیں

کس زباں سے کہہ رہے ہو آج تم سودا گرو — دہر میں انسانیت کے نام کو اونچا کرو
جس کو سب کہتے ہیں ہٹلر بھیڑیا ہے بھیڑیا — بھیڑیے کو ماردو گولی پئے امن و بقا
وہ بھگت سنگھ اب بھی جس کے غم میں دل ناشاد ہے — اس کی گردن میں جو ڈالا تھا وہ پھندا یاد ہے

عزیز طلبا! آپ نے جوش کی وہ مشہور نظم تو سنی ہوگی جس میں انقلاب کا نعرہ دیا گیا تھا اور اس کو پڑھ کر ہندوستانیوں کا خون جوش مارنے لگا تھا اور ہندوستان کا ہر نوجوان انقلاب وانقلاب وانقلاب کی راہ پر گامزن ہوگیا تھا۔اس کے تین شعر مثال کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔

کام ہے میرا تغیر، نام ہے میرا شباب — میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب
کوئی قوت راہ سے مجھ کو ہٹا سکتی نہیں — کوئی ضربت میری گردن کو جھکا سکتی نہیں
پھر اٹھوں گا ابر کے مانند بل کھاتا ہوا — گھومتا، پھرتا، گرجتا، گونجتا، گاتا ہوا

جیسا کہ بتایا گیا جوش نے حب الوطنی سے لبریز انقلابی نظمیں لکھی ہیں۔اس موضوع سے متعلق نظموں میں بیدار ہو بیدار ہو، غدار سے خطاب، شکست زنداں کا خواب، بھوکا ہندوستان، حیف! اے ہندوستاں، زنداں کا گیت، دردمشترک، ترانہ آزادی ہند، دعوت انقلاب، اٹھ اے ندیم اور کسان خصوصی طور پر شامل ہیں۔جوش بحیثیت شاعر فطرت بھی مشہور ہیں۔انہیں مناظر فطرت سے زبردست لگاؤ تھا اور اللہ کی قدرت اور فطرت کی اپنی نظموں کے ذریعہ بھرپور اظہار کیا ہے۔خاص طور سے صبح کا منظر، تاروں بھری رات کا دلکش نظارہ اور قدرتی حرکات وسکنات کو جوش نے بہت دلچسپ، سادہ اور دلنشیں انداز میں بیان کیا ہے۔چند اشعار ملاحظہ کیجئے جو صبح کے مناظر کو اچھوتے انداز میں پیش کرتے ہیں۔

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوت حق کے لئے　　اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

تاروں نے جھلملا کے جو چھیڑا ستار صبح　　گانے لگی چمن میں نسیم بہار صبح

غنچوں میں چشم ناز سے ٹپکا خمار صبح　　ابھرا افق سے جام زمرد نگار صبح

شاعر کی روح عشق کی ہم راز ہوگئی　　دنیا تمام جلوہ گہہ ناز ہوگئی

غرض کہ جوش نے اپنی نظموں میں فطرت کی جلوہ گری کے ساتھ ساتھ منظر نگاری کا بھی بہت ہی عمدہ مثالیں پیش کی ہیں۔جوش کی منظر نگاری کا ثبوت گرمی اور دیہاتی بازار، غریب الوطن کا پیغام سے دیا جاسکتا ہے جبکہ جوش کے بطور شاعر حسن وعشق کے لئے انتظار کے دن، یہ کون اٹھا شرماتا، اٹھتی جوانی، پیغام بہار، امین شہاب، اپنی ملکہ سخن سے، شراب آغوش، پرتو اجسام، جنگل میں منگل، ترسی ہوئی آنکھیں وغیرہ سے دی جاسکتی ہے۔جوش کی ایک رومانی نظم گنگا کے گھاٹ پر بھی ہے جو حسن کی زندہ جاوید عکاسی کرتی ہے۔جوش کی شاعرانہ انفرادیت پر تبصرہ کرتے ہوئے آل احمد سرور نے لکھا ہے ''جوش کے حسن کاری میں کلام نہیں۔ان کی تشبیہات جاندار، دلکش اور معنی خیز ہوتی ہیں۔ان کا تخیل لالہ کار ہے مگر دور رس نہیں۔انسانیت سے اس قدر گہری محبت اور اس کے روشن مستقبل پر یقین محکم نے ان کے کلام میں بڑی آب وتاب پیدا کردی ہے''۔

2.1.5 نظم 'فتنہ خانقاہ' (متن)

اک دن جو بہر فاتحہ اک بنت مہر و ماہ　　پہنچی نظر جھکائے ہوئے سوئے خانقاہ

ہاد نے اٹھائی جھجکتے ہوئے نگاہ　　ہونٹوں پہ دب کے ٹوٹ گئی ضرب لاالہ

برپا ضمیر زہد میں کہرام ہوگیا

ایماں والوں میں لرزہ براندم ہوگیا

یوں آئی ہر نگاہ سے آواز الاماں　　جیسے کوئی پہاڑ پہ آندھی میں دے اذاں
دھڑ کے وہ دل کے روح سے اٹھنے لگا دھواں　　ہلنے لگیں شیوخ کے سینوں پہ داڑھیاں

پرتو فگن جو جلوۂ جانانہ ہوگیا
ہرمرغ خلد ، حسن کا پروانہ ہو گیا

اس آفتِ زمانہ کی سرشاریاں، نہ پوچھ　　نکھرے ہوئے شباب کی بیداریاں نہ پوچھ
رخ پر ہوائے شام کی گل باریاں ،نہ پوچھ　　کاکل کی ہر قدم پہ فسوں کاریاں ، نہ پوچھ

عالم تھا وہ خرام میں اس گل عذار کا
گویا نزول، رحمتِ پروردگار کا

گردن کے لوچ میں ،خمِ چوگاں لئے ہوئے　　چوگاں کے خم میں گوئے دل وجان لئے ہوئے
رخ پر لٹوں کا ابرِ پریشاں لئے ہوئے　　کافر گھٹا کی چھاؤں میں قرآں لئے ہوئے

آہستہ چل رہی تھی عقیدت کی راہ سے
یا لو نکل رہی تھی دلِ خانقاہ سے

آنکھوں میں آگ ، عشوہ آہن گداز کی　　لہریں، ہر ایک سانس میں ، سیلابِ ناز کی
پلٹیں ہوا کے دوش پہ ، زلفِ دراز کی　　آئینے میں دمک، رخِ آئینہ ساز کی

آغوش مہروماہ کی گویا پلی ہوئی
سانچے میں آدمی کے ، گلابی ڈھلی ہوئی

ساون کا ابر، کاکل شبگوں کے دام میں　　موجیں شراب سرخ کی آنکھوں کے جام میں
رنگ طلوعِ صبح ، رخ لالہ فام میں　　چلتا ہوا شباب کا جادو خرام میں

انساں تو کیا ، یہ بات پری کو ملی نہیں
ایسی تو چال کبکِ دری کو ملی نہیں

ڈوبی ہوئی تھی جنبشِ مژگاں شباب میں یا دل دھڑک رہا تھا محبت کا خواب میں
چہرے پہ عرق تھا ، کہ نمی تھی گلاب میں یا اوس موتیئے پہ شبِ ماہتاب میں
آنکھوں میں کہہ رہی تھی یہ موجیں خمار کی
یوں بھیگتی ہیں چاندنی راتیں بہار کی

ہات اس نے فاتحہ کو اٹھائے جو ناز سے آنچل ڈھلک کے رہ گیا زلفِ دراز سے
جادو ٹپک پڑا نگہِ دل نواز سے دل ہل گئے جمال کی شانِ نیاز سے
پڑھتے ہی فاتحہ جو وہ اک سمت پھر گئی
اک پیر کے تو ہات سے تسبیح گر گئی

فارغ ہوئی دعا سے جو وہ مشعلِ حرم کانپا لبوں پہ سازِ عقیدت کا زیروبم
ہونے لگی روانہ بہ اندازِ موجِ یم انگڑائی آچلی تو بہکنے لگے قدم
انگڑائی فرطِ شرم سے یوں ٹوٹنے لگی
گویا صنم کدے میں کرن پھوٹنے لگی

ہر چہرہ چیخ اٹھا کہ تیرے ساتھ جائیں گے اے حسن تیری راہ میں دھونی رمائیں گے
اب اس جگہ سے اپنا مصلے اٹھائیں گے قربان گاہ کفر پہ ایماں چڑھائیں گے
کھاتے رہے فریب بہت خانقاہ میں
اب سجدہ ریز ہوں گے تری بارگاہ میں

سورج کی طرح زہد کا ڈھلنے لگا غرور　　　پہلوئے عاجزی میں مچلنے لگا غرور
رہ رہ کے کروٹیں سی بدلنے لگا غرور　　　رخ کی جوان لو سے پگھلنے لگا غرور

ایمان کی شان عشق کے سانچے میں ڈھل گئی
زنجیر زہد سرخ ہوئی اور گل گئی

پل بھر میں زلف لیلی تمکیں پڑ گئی　　　دم بھر میں پارسائی کی بستی اجڑ گئی
جس نے نظر اٹھائی نظر رخ پہ گڑ گئی　　　گویا ہر اک نگاہ میں زنجیر پڑ گئی

طوفان آب ورنگ میں زہاد کھو گئے
سارے کبوتران حرم ذبح ہو گئے

زاہد حدودِ عشق خدا سے نکل گئے　　　انسان کا جمال جو دیکھا پھسل گئے
ٹھنڈے تھے لاکھ حسن کی گرمی سے جل گئے　　　کرنیں پڑیں تو برف کے تودے پگھل گئے

القصہ دین، کفر کا دیوانہ ہوگیا
کعبہ ذرا سی دیر میں بت خانہ ہوگیا

2.1.6 فتنہ خانقاہ کی تشریح

عزیز طلبا! آپ جان چکے ہیں کہ جوش ملیح آبادی کی شاعری کے مختلف پہلو ہیں۔انہوں نے حب الوطنی اور جدوجہد جنگ آزادی میں انقلابی نظمیں لکھیں۔ان کی نظم گوئی میں فطری عناصر کی عکاسی اور منظر نگاری کے بہترین نمونے بھی ملتے ہیں اور انہوں نے حسن وعشق کے احساسات وجذبات اور خیالات کو بہت ہی باریکی سے مختلف موضوعات کے تحت نظم کے سانچے میں ڈھالا۔کچھ نظمیں ایسی لکھی ہیں جو الفاظ کی پیکر تراشی کی وجہ سے لافانی بن گئی ہیں مثلاً شکست زنداں کا خواب، بدلی کا چاند، رات و

ریل، کسان وغیرہ نظموں میں جوش کا تجربہ، مشاہدہ، جذبہ اور حسن سے فطری لگاؤ کے ساتھ ساتھ منظر نگاری کی بہترین مثالیں بھی ملتی ہے۔ 'گنگا کے گھاٹ پر' بھی ایک رومانی نظم ہے۔ اسی طرح کی ایک نظم فتنہ خانقاہ ہے۔ فتنہ خانقاہ اصل میں ایک طرف ایک حسین وجمیل دوشیزہ کی مختلف زاویہ نظر سے حسن کاری کی تصویر پیش کرتی ہے تو دوسری طرف خانقاہوں میں بیٹھے بناوٹی زہدوتقوی کا اظہار کرنے والے زاہدوں کے عیاشی ظاہر کرتی ہے۔ اس طرح سے وہ کسی دوشیزہ کو دیکھنے کے بعد اپنے حرکات وسکنات پر اظہار کرتے ہیں کہ ان کے جذبات کس طرح سے بھڑکتے ہیں۔ نظم بہت ہی ڈرامائی اور مکالماتی انداز سے شروع ہوتی ہے۔ ایک دوشیزہ خانقاہ میں فاتحہ کی غرض سے حاضری دیتی ہے اور خانقاہ میں نقلی زاہدوں کے دل پر اور ان ہوش وحواس پر کیا گزرتا ہے اس کا بہترین نقشہ کھینچا ہے۔ نظم اس طرح شروع ہوتی ہے

اک دن جو بہر فاتحہ اک بنت مہر و ماہ   پہنچی نظر جھکائے ہوئے سوئے خانقاہ
زہاد نے اٹھائی جھجکتے ہوئے نگاہ   ہونٹوں پہ دب کے ٹوٹ گئی ضرب لاالہ
برپا ضمیر زہد میں کہرام ہوگیا
ایماں والوں میں لرزہ براندم ہوگیا

اس نظم میں جوش نے دوشیزہ کے خانقاہ میں پہنچنے کا نقشہ کھینچا ہے کہ وہ کس طرح سے نظریں جھکائے خانقاہ پہنچتی ہے لیکن اسے دیکھ کر خانقاہ میں بیٹھے زاہدوں کے دل پر کیا گزرتا ہے۔ ان کے ضمیر اور ایمان دونوں متزلزل ہونے لگتے ہیں۔ آگے بیان کرتے ہیں کہ زاہدوں کے نگاہ سے آواز الاماں کی آنے لگی اور ان کے اندر کی آواز ایسی تھی جیسے کوئی پہاڑ پر آندھی میں اذان دے رہا ہو۔ یہاں جوش نے جو استعارہ بیان کیا ہے وہ لاجواب ہے 'جیسے کوئی پہاڑ پہ آندھی میں دے اذاں' اس مصرعے کا کوئی

جواب نہیں اوراس کے بعد کے مصرعوں میں نقلی زاہدوں کے اور مجاوروں کے دل پر کیا گزری ان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں اوران کے سینوں پر لمبی داڑھیاں ہلنے لگیں۔ ہر شخص اس پری زاد پر پروانہ وار فدا ہونے کو تیار ہوگیا۔ اگلے بند میں جوش نے حسن کی اوراس کے دل آویزیوں کی اوران دل آویزیوں کے نقش و نگار سے ہونے والے نفسیاتی و جذباتی پیرایہ بیان میں نقشہ جو کھینچا ہے وہ واقعی لاجواب ہے۔ اگلے بند میں جوش نے اس حسینہ کی مختلف اعضا اور ادا، اس کی چال، اس کے زلفوں اور حسن کاری کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے کہ گردن کی لوچ، ابرو کے خم ایسی تھیں کہ ہر شخص قربان ہونے کو تیار تھا یہاں بھی جوش نے بہت ہی لاجواب استعارہ پیش کیا ہے

رخ پر لٹوں کا ابرِ پریشاں لئے ہوئے　　　کافر گھٹا کی چھاؤں میں قرآں لئے ہوئے

الفاظ کی نشست و برخاست اور موزوں استعارے کے استعمال نے ایک لافانی منظر پیش کیا ہے۔ دوشیزہ کے چلنے کی تصویر کشی کرتے ہوئے بند کے آخری دو مصرعے بہت ہی لاجواب ہیں۔

آہستہ چل رہی تھی عقیدت کی راہ سے　　　یا لو نکل رہی تھی دلِ خانقاہ سے

اگلے بند میں شاعر نے اسی انداز سے اس حسینہ کے چلنے، آگے بڑھنے اور اپنی زلفوں کو دوش پر بکھیرنے کی تصویر پیش کی ہے۔ زلفوں اور کاکلوں کو ساون کی گھٹاؤں سے تشبیہ دیا ہے، آنکھوں کی گلابی رنگت کو شرابِ سرخ سے اور چہرے کو طلوع صبح کی رنگت سے مثال دی ہے۔ اگلا بند شباب کے بیان کا بہت ہی عمدہ مثال پیش کرتا ہے

ڈوبی ہوئی تھی جنبشِ مژگاں شباب میں　　　یا دل دھڑک رہا تھا محبت کا خواب میں
چہرے پہ عرق تھا، کہ نمی تھی گلاب میں　　　یا اوس موتئے پہ شبِ ماہتاب میں
آنکھوں میں کہہ رہی تھی یہ موجیں خمار کی　　　یوں بھیگتی ہیں چاندنی راتیں بہار کی

ان بے مثال تشبیہات واستعارے کی حسن کاری کے بعد شاعر نے آگے کا نقشہ کھینچا ہے اور فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھانے، دعا کرنے اور انسانی خصلت کہ جب بھی کوئی دوشیزہ ہاتھ اٹھاتی ہے تو اس کا آنچل سر سے ڈھلک جاتا ہے جس کی نادرونایاب پیش کش کیا ہے کہ کس طرح سے ان نازنین نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو اس کا آنچل ڈھلک کر کاندھوں پر آ گیا اور اس کی دراز زلفیں خانقاہی مخلوق کو مبہوت کرنے لگی۔ اس بند کا آخری شعر

پڑھتے ہی فاتحہ جو وہ اک سمت پھر گئی　　　　اک پیر کے توہات سے تسبیح گر گئی

یہاں بھی انسانی جذبات واحساسات کی بہت باریک بینی سے عکاسی کی گئی ہے۔ اگلے بند میں دعا سے فارغ ہو کر جو وہ دوشیزہ واپس ہوئی تو اس کا نقشہ کھینچا ہے کہ واپس ہوتے ہوئے اسے ہلکی سی انگڑائی، قدم ڈگمگائے اور اس سے اس کے چہرے پر جو شرم وحیا کے آثار دکھے اسے شاعر نے صنم کدے میں روشنی کی کرن پھوٹنے سے تشبیہ دی ہے

انگڑائی فرطِ شرم سے یوں ٹوٹنے لگی　　　　گویا صنم کدے میں کرن پھوٹنے لگی

آگے کے چاروں بندوں میں اس نازنین کے آنے، چلنے، فاتحہ پڑھنے، لوٹ جانے اور مختلف انسانی افعال کے بعد خانقاہ کے مصنوعی زہدوتقوی میں مصروف افراد کے ذہن و دل پر جو جذبات و احساسات مرتب ہوئے اس کا بہت بہترین نقشہ شاعر نے کھینچا ہے۔

ہر چہرہ چیخ اٹھا کہ تیرے ساتھ جائیں گے　　　　اے حسن تیری راہ میں دھونی رمائیں گے
اب اس جگہ سے اپنا مصلے اٹھائیں گے　　　　قربان گاہ کفر پہ ایماں چڑھائیں گے

کھاتے رہے فریب بہت خانقاہ میں
اب سجدہ ریز ہوں گے تری بارگاہ میں

اس بند میں انسانی خصلت جذبات وخیالات بالخصوص خانقاہوں میں نقلی زاہدوں کے کردار کی عکاسی کی گئی ہے کہ ان کا ایمان کس طرح سے متزلزل ہو جاتا ہے۔ اگلے بند میں بھی ان ہی خصلتوں کا، ان ہی احساسات وجذبات کا اور جو تقوی کا غرور ہوتا ہے ان غرور کے ٹوٹنے کا شاعر نے نقشہ کھینچا ہے۔ موزوں الفاظ کی بندش سے شعر زیادہ مؤثر ہو گیا مثلاً ایک بند کے دو مصرعے لاجواب ہیں

ایمان کی شان عشق کے سانچے میں ڈھل گئی   زنجیر زہد سرخ ہوئی اور گل گئی

شاعر نے جو ایمانی شان ہے اس کے ٹوٹنے، بکھرنے کا بہت بہترین نقشہ کھینچا ہے کہ وہ کس طرح مزاجِ عشق میں ایمان کی شان ڈھل گئی اور کس طرح سے ایک زاہد کا تقوی عشق کی گرمی سے لوہے کی زنجیر کی طرح سرخ ہو کر پگھل گئی۔ اگلے بند میں بھی اسی حسن کی جادوگری سے پارساؤں کے ذہن و دل پر کیا اثر ہوا اور کس طرح سے اس کی پارسائی کا بھرم ٹوٹ گیا شاعر نے بیان کیا ہے۔ نظم کا آخری بند پوری نظم کی منظر کشی، حسن کے احساسات و جذبات، انسانی کردار، خانقاہی زہد وتقوی اور نقلی پارسائی سب کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔ شاعر یہاں زاہد کو

زاہد حدوودِ عشق خدا سے نکل گئے   انسان کا جمال جو دیکھا پھسل گئے
ٹھنڈے تھے لاکھ حسن کی گرمی سے جل گئے   کرنیں پڑیں تو برف کے تودے پگھل گئے

القصہ دین، کفر کا دیوانہ ہوگیا
کعبہ ذرا سی دیر میں بت خوانہ ہوگیا

اس آخری بند میں زاہدوں کی اللہ تعالی سے عارضی عشق کو انسان کے حسن و جمال پر قربان ہوتے اور ایمان کی ٹھنڈک کو حسن کی گرمی سے اسی طرح پگھلنے کی تشبیہ دی ہے جس طرح سورج کی کرنوں کی گرمی سے برف کے تودے پگھل جاتے ہیں۔ آخر میں شاعر نے مختصراً کہہ دیا کہ دین کفر کا

دیوانہ ہوگیا۔ دیگر نظموں کی طرح اس نظم میں بھی جوش ملیح آبادی نے نادر و نایاب تشبیہات و استعارات اور رومانی فضا قائم کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ نظم میں بہترین تشبیہات و استعارات کے استعمال نے مکالماتی اور ڈرامائی منظر پیش کیا ہے۔ نظم کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جوش حسن کی اداکاریوں اور رنگینیوں کو ایک ایسے مصور کی طرح پیش کرتے ہیں جو مناظر سے زیادہ اپنی فنی مہارت دکھانے میں زیادہ مہارت رکھتا ہو۔ کل ملا کر فتنہ خانقاہ اردو نظم نگاری میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔

2.1.7 خلاصہ

عزیز طلبا! آپ نے اس سبق میں مشہور و معروف ہند و پاک کے انقلابی شاعر جوش ملیح آبادی کے متعلق معلومات حاصل کی۔ جوش ملیح آبادی کا پورا نام شبیر حسن خاں تھا۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں ایک انقلابی شاعر کی حیثیت سے انہوں نے ایک مقام پیدا کیا۔ جوش نے انقلابی شاعری کے علاوہ رومانی اور فطری شاعری بھی کی۔ جوش ملیح آبادی 5 دسمبر 1898 میں ملیح آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام بشیر حسن خاں تھا۔ جوش جنگ آزادی میں شامل رہنماؤں مولانا ابوالکلام آزاد، جواہر لال نہرو، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی وغیرہ کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے۔ جوش نے آزادی کے بعد مشہور و معروف رسالہ 'آجکل' کی ادارت کی اور آل انڈیا ریڈیو کے ایڈوائزر کے طور پر بھی خدمات انجام دیئے۔ جوش کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے بیک وقت حب الوطنی سے سرشار نظمیں لکھیں اور فطری منظر نگاری اور رومانی نظمیں بھی۔ جوش کے مجموعہ کلام میں نقش و نگار، شعلہ و شبنم، فکر و نشاط، آیات و نغمات، سنبل و سلاسل، سیف و سبو وغیرہ خاص ہیں جبکہ ان کی خودنوشت سوانح حیات یادوں کی بارات اردو نثر میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔

عزیز طلبا! اس سبق میں آپ نے جوش ملیح آبادی کی ایک رومانی نظم جو مکالماتی اور ڈرامائی

انداز میں لکھی ہوئی ہے فتنہ خانقاہ پڑھی۔فتنہ خانقاہ ایک طرف رومانیت سے بھرپور ہے۔بہترین الفاظ، تشبیہات واستعارات اورمنظر نگاری کا نمونہ ہے تو دوسری طرف خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے نقلی زاہدوں اور کٹھ ملاؤں کی عادات وسکنات اور فطرت پر ضرب کاری ہے۔نظم پڑھنے والا ان دونوں زاویوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔یہ نظم بے مثال تشبیہات واستعارات کی حسن کاری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

2.1.8 فرہنگ

لرزہ براندام	وہ جس پر کپکپی طاری ہو۔
فگن	(افگن کا مخفف) پھینکنے والا، ڈالنے والا
فسوں	جادو، منتر، فریب، دھوکا
عشوہ	ناز، معشوقانہ ادا، نخرہ
لالہ فام	لال۔سرخ رنگ کا
مژگاں	پلکیں
صنم کدہ	بت خانہ
خلد	جنت، بہشت
خرام	نازوادا کی چال
کاکل	زلف، گیسو، لٹ
سرشار	مست، نشے میں چور
شب گوں	کالا، سیاہ

2.1.9 نمونہ امتحانی سوالات

1 جوش ملیح آبادی کے حالات زندگی سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجئے

2 جوش کی وطنی اور رومانی شاعری پر ایک مختصر نوٹ لکھیے

3 جوش کی نظم فتنہ خانقاہ کی تشریح اپنی زبان میں لکھئے

2.1.10 مزید مطالعہ کے لئے

1 ڈاکٹر عقیل احمد، جوش کی شاعری کا تنقیدی جائزہ

2 جوش ملیح آبادی، یادوں کی بارات

3 جوش ملیح آبادی، شعلہ و شبنم

فیض احمد فیض: نظم

'تنہائی، موضوع سخن، مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ' کی تشریح

اکائی کی ساخت

2.2.1 تمہید

2.2.2 فیض احمد فیض: ایک تعارف

2.2.3 فیض احمد فیض کی نظم نگاری

2.2.4 نظم 'تنہائی' کی تشریح

2.2.5 نظم 'موضوع سخن' کی تشریح

2.2.6 نظم 'مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ' کی تشریح

2.2.7 خلاصہ

2.2.8 فرہنگ

2.2.9 نمونہ امتحانی سوالات

2.2.10 مزید مطالعہ کے لئے

2.2.1 تمہید

فیض احمد فیض نظم جدید کے مقبول ترین شعرا میں اہم مقام رکھتے ہیں انہوں نے انفرادی و اجتماعی مسائل کے ساتھ ساتھ انقلابی آہنگ اور جمالیاتی شعور کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔فیض نظم اور غزل دونوں اصناف میں منفرد آہنگ کے شاعر ہیں۔انہوں نے بڑی چابکدستی سے عشقیہ واردات اور معاشرتی مسائل کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کر دیا۔اسی لئے فیض کو اردو شاعری کے ایک نئے مکتبِ فکر کا شاعر کہا جاتا ہے جس کا ثبوت ان کے آٹھوں مجموعہ کلام سے فراہم کیا جا سکتا ہے۔اس سبق میں آپ فیض کی تین نظموں تنہائی، موضوع سخن اور مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ کا تشریحی مطالعہ کریں گے۔

2.2.2 فیض احمد فیض: ایک تعارف

جدید شاعری کی معتبر آواز کے شاعر فیض احمد فیض کی پیدائش سیالکوٹ میں ہوئی۔تاریخ پیدائش 7 جنوری اور 13 فروری لکھی ہے تاہم سن میں کوئی تفاوت نہیں۔سن پیدائش 1911 ہی ہے۔اصل نام فیض احمد خان تھا۔ان کے والد کا نام سلطان محمد خان تھا۔فیض احمد فیض کی ابتدائی تعلیم چار سال کی عمر میں شروع ہوئی۔قرآن شریف کے تین پارے حفظ کیے۔مولوی ابراہیم سیالکوٹی سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ 1921 میں سیالکوٹ کے اسکاچ مشن اسکول میں داخل ہوئے۔1927 میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ 1929 میں مرے کالج سیالکوٹ سے انٹرمیڈیٹ اور 1931 میں بی اے آنرس اور 1933 میں انگریزی میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔فیض نے سبھی درجات میں فرسٹ ڈویژن حاصل کیے۔جن اساتذہ سے فیض نے علم وادب کا فیض حاصل کیا ان میں شمس العلما سید میر حسن، پروفیسر یوسف سلیم چشتی، احمد شاہ پطرس بخاری، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، مولوی محمد شفیع، ڈاکٹر تاثیر، مولانا عبدالماجد

سالک، مولانا چراغ حسن حسرت اور ہری چند اختر بطور خاص شامل ہیں۔ 1940 میں ہیلی کالج میں انگریزی کے استاد مقرر ہوئے۔ 1942 میں انہیں فوج میں کیپٹن بنایا گیا۔ بہترین کارکردگی کی وجہ سے برطانوی حکومت نے ایم بی اے کا خطاب دیا۔ فیض کی شادی ایک انگریز خاتون مس ایلیس جارج سے ہوئی جو ایم اے او کالج کے پرنسپل ڈاکٹر محمد دین تاثیر کی بیوی کی چھوٹی بہن تھیں۔ فیض کے نکاح کا انتظام شیخ عبداللہ نے کشمیر کے مہاراجہ کے محل میں کیا۔ بارات میں صرف دو آدمی فیض کے بڑے بھائی طفیل احمد خاں اور فیض کے دوست نعیم شامل ہوئے۔ نکاح کے بعد شیخ عبداللہ اور بیگم عبداللہ نے دعوتِ ولیمہ کی اور بعد دعوت کے مشاعرہ ہوا جس میں جوش ملیح آبادی اور مجاز نے شرکت کی۔ فیض کے والدین نے لاہور واپسی پر ایلیس کا نام کلثوم رکھا۔ فیض کی دو بیٹیاں سلیم اور منیرہ 1942 اور 1945 میں پیدا ہوئیں۔

1936 میں ترقی پسند مصنفین کے پنجاب شاخ کے بانی رکن و سکریٹری بنائے گئے۔ 1938 سے 1942 تک ادب لطیف کی ادارت کی۔ فروری 1947 سے 1951 تک امروز کے اڈیٹر رہے اور پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کے نائب صدر بھی۔ 1951 میں انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کے رکن منتخب ہوئے عالمی امن کونسل کے رکن کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ 9 مارچ 1951 کو راولپنڈی سازش کیس میں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ 1955 میں رہائی ہوئی اور 1957 میں پہلے مارشل لا کے دوران دوبارہ قید کیا گیا۔ فیض احمد فیض پاکستان آرٹ کونسل لاہور کے سکریٹری، ہارون کالج کراچی کے پرنسپل، آرٹ کونسل کے نائب صدر، وزارتِ تعلیم میں امور ثقافت کے مشیر کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیئے۔ فیض کو ان کی ادبی و سماجی کاموں کے لئے کئی اعزازات و انعامات سے نوازا گیا جس میں لینن انعام اور ایفرو ایشیائی لوٹس انعام شامل ہے۔ فیض نے شام، عراق، لبنان، مصر، الجزائر، امریکہ، کینیڈا اور برطانیہ کی متعدد یونیورسٹیوں میں خطبے دیئے اور علمی مشاہدہ کیا۔

فیض پر اپنے عظیم ملک کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھ کر اور ہزاروں خاندانوں کو لٹتے بکھرتے دیکھ کر بہت ہی گہرا اثر ہوا۔ وطن عزیز کی تقسیم اور آپسی دشمنی نے انہیں مزید رنجیدہ خاطر کیا۔ ایک انسان دوست کی حیثیت سے کئی بار جیل گئے۔ فیض کے ادبی دوستوں میں جن کا اکثر و بیشتر قید و بند کے دوران انہوں نے ذکر کیا مولانا حسرت موہانی، رشید جہاں، صاحب زادہ محمود الظفر، اسرار الحق مجاز، مخدوم محی الدین، علی سردار جعفری، پنڈت ہری چند اختر، اوپندر ناتھ اشک، ملک راج آنند، کرشن چند، ڈاکٹر اشرف، سجاد ظہیر، جوش ملیح آبادی اور فراق گورکھپوری بطور خاص شامل تھے۔ فیض کی مقبولیت کا اس قدر چرچا تھا کہ ان کی زندگی میں ہی ان پر انٹرنیشنل سمینار منعقد ہوا جس میں بذات خود فیض شریک تھے۔ 1981 میں ہندوستان کے مختلف شہروں میں بھی جشن فیض منایا گیا۔ 19 نومبر 1984 کو فیض پر دمے کا شدید دورہ پڑا۔ ہاسپٹل میں داخل کرائے گئے لیکن 20 نومبر بروز منگل ایک بج کر پندرہ منٹ پر اشتراکیت کا حامی اور انسانیت کا ہمدرد، ترقی پسندوں کا راہرو اور جدید شاعری کا بہترین شاعر اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

2.2.3 فیض احمد فیض کی نظم نگاری

عزیز طلبا! یوں تو فیض کی ساری نظمیں ان کی کلیات 'نسخہ ہائے وفا' میں شامل ہیں لیکن ان کے مضامین و شعری مجموعے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ فیض نے میٹرک کے بعد ہی ادبی کارنامے انجام دینے شروع کر دیئے اور یکے بعد دیگرے ان کے آٹھ شعری مجموعے شائع ہوئے جو ان کی نظم نگاری کی قدر و قیمت بیان کرتے ہیں۔ ان کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ 'میزان' 1962 میں شائع ہوا جبکہ ان کے خطوط کا مجموعہ 'صلیبیں میرے دریچے میں' 1971 میں شائع ہوا۔ 'متاع لوح و قلم' 1973 میں، 'ہماری قومی وراثت' 1976 میں، 'مہ و سال آشنائی' 1980 میں اور 'سفر نامہ کیوبا' 1974 میں شائع

ہوئی۔ چوں کہ فیض اشترا کی ادب سے متاثر تھے اس لئے سوشلزم کی طرف مائل ہوئے۔ فیض جنوبی ایشیا سمیت پوری دنیا سے انسانی تکلیف کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ ان کا ذہن توپوں اور بندوقوں کے استعمال سے ایک دوسرے پر دھونس جمانے اور قبضہ کرنے کے بجائے انسانیت کے فروغ میں خرچ کرنا چاہا۔ فیض سائنسی و تکنیکی ایجادات کو، نئی تہذیب و ثقافت، انسانی فلاح و بہبود، بھائی چارہ اور امن و آشتی کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے۔

غالب اور اقبال کی طرح فیض فلسفیانہ شاعری نہیں کرتے اور نہ ہی انہوں نے ان اسرار، فلسفیانہ واردات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ فیض کے یہاں صنائع و بدائع کی نیرنگیوں کا گورکھ دھندا بھی نہیں اور نہ لکھنوی شعرا کی طرح چمہ چاٹی کا بیان۔ فیض اپنے ہم عصروں کی طرح کسی خاص نظریاتی گروہ کی پیروی بھی نہیں کرتے۔ ان کی مقبولیت کا راز کلام میں جاذبیت، زندگی کی رمز شناشی، انسانی تجربات و مشاہدات کی معنویت کا ادراک اور عصری حسیت ہے۔ ان کی نظموں میں اکثر و بیشتر جبر و استبداد اور عدم مساوات کے خلاف بلند آواز ہے۔ خواہ وہ ان کی نظمیں ہوں یا غزل۔ وہ ہر حال میں ظلم و استبداد کے خلاف آواز بلند کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں خواہ اس کے لئے ان کو کوئی بھی قیمت چکانی پڑے۔

متاع لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے　　　　کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے

فیض غریبوں، کمزوروں، مصیبت زدہ لوگو کی خدمت کرنا اور ان پر ہو رہے ظلم و ستم کے خلاف پوری طاقت سے آواز اٹھانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ فیض کی شاعری انسانی جذبات اور معاشرتی سروکار کے پس منظر میں آفاقی احساس کی شاعری ہے۔ وہ غم زدہ لوگوں کے کرب والم کو اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہتے ہیں۔ بقول فیض کے

عاجزی سیکھی غریبوں کی حمایت سیکھی　　　یاس وحرماں کے دکھ درد کے معنی سیکھے

زیردستوں کے مصائب کو سمجھنا سیکھا　　　سرد آہوں کے رخ زرد کے معنی سیکھے

فیض کی شاعری تقریباً آدھی صدی پر محیط ہے۔ ان کے آٹھ مجموعہ کلام ان کے شعور کے رو اور مشاہدہ ومجاہدہ کی گواہی دیتے ہیں۔ فیض اپنی زندگی میں ہی اپنی شخصیت اور شاعری دونوں لحاظ سے بہت مقبول تھے۔ ان کی مقبولیت کا گراف ان کے انتقال کے بعد مزید اونچا ہوتا چلا گیا۔

2.2.4　نظم 'تنہائی' کی تشریح

(متن)

پھر کوئی آیا دل زار! نہیں، کوئی نہیں
راہ رو ہوگا، کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات، بکھرنے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
سو گئی راستہ تک تک کے ہر اک راہ گزر
اجنبی خاک نے دھندلا دیے قدموں کے سراغ
گل کرو شمعیں! بڑھا دو مئے و مینا و ایاغ!
اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لو!
اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا

فیض کے دوستوں میں یہ مشہور تھا کہ انہوں نے محبت کی تھی اور وہ ناکام ہوئے۔ اس ناکامی نے

ان پر گہرا اثر ڈالا۔ لہذا ان کی نظموں میں رومان اور انقلابی رجحانات کے ساتھ ساتھ انتظار اور تنہائی کی آمیزش ہے۔ فیض کی نظموں اور غزلوں سے کبھی کبھی ان کا محبوب باہر جھانکنے لگتا ہے۔ فیض کا محبوب خیالی اور تصوراتی نہیں بلکہ جیتا جاگتا گوشت و پوشت کا محبوب ہے جسے انہوں نے بہت چاہا تھا۔ ان کے انتظار کی شدت نے اور تنہائی کی شدت نے ان کی نظموں میں مرکزی حیثیت حاصل کرلیا ہے۔

فیض کی نظم تنہائی اور آرتھر سائمن کی نظم 'بروکن ٹرسٹیڈ' یا ہارنی کی نظم 'دی بروکن اپوائنمنٹ' کی یاد تازہ کرتی ہے۔ یہ نظم فنی اور معنوی دونوں اعتبار سے فیض کی شاہکار نظموں میں شمار ہوتی ہے۔ اس میں داخلیت کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے کہ شاعر کا سارا وجود سمٹ کر انتظار کے نقطے پر مرکوز ہو گیا ہے۔ چنانچہ وہ ہلکی سی آہٹ پر بھی چونک اٹھتا ہے۔ کسی بھی طرح کی آواز پر محبوب کے قدموں کی آہٹ کا دھوکہ ہوتا ہے۔ ٹھیک ویسا ہی جیسے کسی پیاسے کو سراب کی۔ امید و بیم کی کیفیت بھی ہے اور یقین بھی۔ لیکن آخر میں شاعر کی امیدیں بجھتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

کون آئے گا یہاں کوئی بھی نہ آیا ہوگا　　　میرا دروازہ ہواؤں نے ہلایا ہوگا

نظم کا پہلا مصرعہ بے نیازی اور ہم کلامی کی کیفیت سے سرشار ہے اور دوسرے مصرعے میں یہ خیال آتا ہے کہ کوئی راہی ہوگا ہمارے گھر کے سامنے سے گزر رہا ہوگا۔ کہیں اور چلا جائے گا اور انتظار کی شدت مایوسی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جیسے جیسے رات ڈھلتی ہے مایوسی کی شدت بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کی صبح کی نشانیاں نظر آنے لگتی ہیں اور تاروں پر جھرمٹ لڑکھڑانے لگتا ہے۔ ایوانوں میں رکھے چراغ چراغِ سحری ہو جاتے ہیں۔ اب شاعر کو یقین ہو چلا کہ یہاں کوئی آنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ وہ عیش و عشرت کے سارے سامان ہٹا دیتا ہے، شمعوں کو گل کر دیتا ہے اور کواڑوں کو بند کر دینا ہی بہتر سمجھتا ہے۔ یہاں کواڑوں سے مراد شاعر نے اپنی آنکھ کی پتلیوں سے لیا ہے۔ الفاظ کی تکرار 'کوئی نہیں، کوئی نہیں' مایوسی کی

انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ پوری نظم میں کسی بھڑکتے ہوئے شمع کے بجھنے کی عکاسی ہوتی ہے۔اس مختصر سی نظم میں سبھی حواس باری باری بیدار بھی ہوتے ہیں اور مرجھا بھی جاتے ہیں۔ یہ نظم ان کی شاعری میں ہلکی ہلکی سی کسک اور پر لطف تڑپ اور محبوب کی چاہت کی شدت کی ترجمانی کرتی ہے۔اس نظم میں نغموں کی ترکیب اور استعارے فیض کی شاعری میں نئی حسیت کے گواہ بن گئے۔اسے فیض کا شعری اجتہاد کہا جاتا ہے۔حالاں کہ فیض نے یہ نظم انگریزی ترجموں سے متأثر ہوکر لکھا ہے لیکن انگریزی شعرا کے طرز فکر کو قبول نہیں کیا۔نظم کی ترسیلی پیش کش تاروں کا غبار، خوابیدہ چراغ، اجنبی خواب، بے خواب کواڑ وغیرہ ایسے اچھوتے استعارے ہیں جو ترسیل وابلاغ کی دلکش تصویریں پیش کرتے ہیں۔اس کے لحاظ سے نظم 'تنہائی' دلچسپ انفرادیت رکھتی ہے۔فیض نے اس نظم میں مروجہ انداز سے ہٹ کر قافیے کا استعمال کیا ہے۔کہیں قافیہ کی پابندی ہے، کچھ مصرعے ہم قافیہ ہیں تو کوئی مصرعہ غیر مقفی ہے۔تنہائی ذاتی وانسانی تجربہ کے ساتھ اپنے وسیع تر معنی میں آفاقی کیفیت پیش کرتا ہے اور ذہن وروح کو اپنے حزنیہ کیفیت سے شدید طور پر متأثر کرتا ہے۔نظم تنہائی کو فیض کی چند بہترین نظموں میں شمار کرنا چاہیے۔

2.2.5 نظم 'موضوع' سخن کی تشریح

(متن)

گل ہوئی جاتی ہے افسردہ سلگتی ہوئی شام
دھل کے نکلے گی ابھی چشمہ مہتاب سے رات
اور مشتاق نگاہوں کی سنی جائے گی
اور ان ہاتھوں سے مس ہوں گے یہ ترسے ہوئے بات
ان کا آنچل ہے کہ رخسار کہ پیراہن ہے
کچھ تو ہے جس سے ہوئی جاتی ہے چلمن رنگیں
جانے اس زلف کی موہوم گھنی چھاؤں میں
ٹمٹماتا ہے وہ آویزہ ابھی تک کہ نہیں

آج پھر حسن دل آرا کی وہی دھج ہوگی
وہی خوابیدہ سی آنکھیں وہی کاجل کی لکیر

رنگ رخسار پہ ہلکا سا وہ غازے کا غبار
صندلی ہاتھ پہ دھندلی سی حنا کی تحریر

اپنے افکار کی اشعار کی دنیا ہے یہی
جان مضمون ہے یہی شاہد معنی ہے یہی

آج تک سرخ سیہ صدیوں کے سائے کے تلے
آدم و حوا کی اولاد پہ کیا گزری ہے ؟

موت اور زیست کی روزانہ صف آرائی میں
ہم پہ کیا گزرے گی اجداد پہ کیا گزری ہے؟

ان دمکتے ہوئے شہروں کی فراواں مخلوق
کیوں فقط مرنے کی حسرت میں جیا کرتی ہے

یہ حسیں کھیت پھٹا پڑتا ہے جوبن جن کا!
کس لئے ان میں فقط بھوک اگا کرتی ہے

یہ ہر ک سمت پراسرار کڑی دیواریں
جل بجھے جن میں ہزاروں کی جوانی کے چراغ

یہ ہر اک گام پہ ان خوابوں کی مقتل گاہیں
جن کے پرتو سے چراغاں ہیں ہزاروں کے دماغ

یہ بھی ہیں ایسے کئی اور بھی مضموں ہوں گے
لیکن اس شوخ کے آہستہ سے کھلتے ہوئے ہونٹ

ہائے اس جسم کے کمبخت دل آویز خطوط
آپ ہی کہیے کہیں ایسے بھی افسوں ہوں گے

اپنا موضوع سخن ان کے سوا اور نہیں
طبع شاعر کا وطن ان کے سوا اور نہیں

موضوع سخن فیض کی دیگر نظموں کی طرح ہی حسن و عشق اور زمانے کی ستم ظریفی، مجبوری و لاچاری کا مرقع پیش کرتی ہے۔نظم کی ابتدا ہی حالات کی افسردگی سے ہوتی ہے۔نقش فریادی کی یہ نظم کچھ اسی طرح کی ہے جس طرح کی 'مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ' ہے۔

گل ہوئی جاتی ہے افسردہ سلگتی ہوئی شام
ڈھل کے نکلے گی ابھی چشمہ مہتاب سے رات

اور مشتاق نگاہوں کی سنی جائے گی
اور ان ہاتھوں سے مس ہوں گے یہ ترسے ہوئے بات

اس سے پہلے بند میں معشوق کی دیدار کی تمنا اور خواہش و آرزو میں ایک سچے عاشق کی وصال کی بے تابی کا اچھوتا منظر ہے۔ محبوب کے آنے سے اس کے آنچل و رخسار و پیراہن کی خوشبو کے ساتھ ساتھ چلمن بھی رنگین ہوگئی ہے اور محبوب کا حسن، دل آویزی، کاجل بھرے آنکھوں کی خوبصورتی، رخسار کی سرخی اور صندلی ہاتھ پر حنا کی تحریر شاعر کو ان سب کا انتظار ہے اور وہ ان ہی کو اپنے اشعار کی اور مضمون کی کامیابی سمجھتا ہے جس طرح سے 'مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ' دوحصوں میں منقسم نظم ہے اور شاعر کو محبوب کا حصول ہی سب کچھ نظر آتا ہے اسی طرح موضوع سخن کا پہلا حصہ اپنے محبوب کی پر کشش اور دل آویز مختلف اعضا، خوبصورتی اور غازہ بھرے رخسار، صندلی ہاتھ اور خوابیدہ و کجراری آنکھیں اپنی طرف کھینچتی ہیں اور وہ اسی کو اصل دنیا سمجھتا ہے لیکن جلد ہی دنیا کی ان حقیقتوں کا پتہ چلتا ہے جسے سوچ کر وہ تڑپ اٹھتا ہے کہ آدم وحوا کی اولاد پر کیا گزری۔

آج تک سرخ سیہ صدیوں کے سائے کے تلے
آدم و حوا کی اولاد پہ کیا گزری ہے ؟

اور پھر

ان دمکتے ہوئے شہروں کی فراواں مخلوق
کیوں فقط مرنے کی حسرت میں جیا کرتی ہے
یہ حسیں کھیت پھٹا پڑتا ہے جوبن جن کا!
کس لئے ان میں فقط بھوک اگا کرتی ہے

حسن وعشق کی دنیا سے جیسے ہی شاعر اپنی نظریں گھما کر حقیقت کی دنیا کی طرف دیکھتا ہے تو مردوزن کی بھوک وافلاس، حسرت ویاس اور زندگی کی وہ ساری حقیقتیں نظر آتی ہیں جن سے ہزاروں جوانی کے چراغ بجھ جاتے اور یہ دنیا ہر قدم پر ان حسین جوانوں کی خوابوں کی قتل گاہ نظر آتی ہے۔ یہ سب سوچتے ہوئے شاعر گھبرا اٹھتا ہے اور پھر نظم کے اول حصے کی طرح وہ اپنے محبوب کے آغوش میں اور اس کی خوبصورتی اور دل آویز شوخی میں کھو جانا چاہتا ہے۔ چنانچہ نظم اس موڑ پر ختم ہوتی ہے کہ فیصلہ نہیں ہوتا کہ شاعر کے جذبات ان دل آویزیوں کی طرف، اپنے محبوب کی مسکراہٹ کی طرف، اس کے جسم کی ترش خراش کی طرف، دل آویز خطوط کی طرف جاتے ہیں یا اس دنیا کی اصل حقیقت کی طرف جہاں دکھ ہے، بھوک ہے اور موت وزیست کی لڑائی ہے۔

اپنا موضوع سخن ان کے سوا اور نہیں
طبع شاعر کا وطن ان کے سوا اور نہیں

2.2.6 نظم 'مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ' کی تشریح

(متن)

مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ
میں نے سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے تو غمِ دہر کا جھگڑا کیا ہے
تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

تو جو مل جائے تو تقدیر نگوں ہو جائے
یوں نہ تھا میں نے فقط چاہا تھا یوں ہو جائے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
ان گنت صدیوں کے تاریک بہیمانہ طلسم
ریشم و اطلس و کمخواب میں بنوائے ہوئے
جا بجا بکتے ہوئے کوچہ و بازار میں جسم
خاک میں لتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے
جسم نکلے ہوئے امراض کے تنوروں سے
پیپ بہتی ہوئی گلتے ہوئے ناسوروں سے
لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجیے
اب بھی دلکش ہے تیرا حسن مگر کیا کیجیے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ

عزیز طلبا! اس سے پہلے دو نظموں کا تجزیہ پڑھ چکے ہیں۔ ان ہی نظموں کی طرح یہ نظم بھی فیض کے مجموعہ کلام نقش فریادی سے ماخوذ ہے۔ یہ نظم فیض کی مقبول ترین نظموں میں سے ایک ہے اور اس سے زیادہ سنی اور سنائی جاتی ہے۔ ان کی شاعری میں 'مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ' ایک اہم

موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اردو شاعری میں یہ نظم ایک اہم رجحان کا نقیب ہے۔فیض اپنی پوری شاعری میں عشق اور انقلاب کے دوراہے پر کھڑے نظر آتے ہیں۔ یہ اس کی عمدہ مثال ہے۔ یہاں فیض رومانی فضا سے نکل کر حقیقی زندگی کی طرف رجوع کرتے نظر آتے ہیں۔فیض کے یہاں دو قسم کی تبدیلی اس نظم کے ذریعہ نظر آتی ہے۔ پہلی تبدیلی یہ کہ رومان اور خالص جمالیاتی اقدار کے علاوہ اور بھی زندگی کی قدریں ہیں۔ دوسری یہ کہ ان قدروں سے مفر ممکن نہیں۔ چنانچہ حقیقت پسندی کے نقطہ نظر سے موجود صورت ایک خیالی تصور کی مثالیت ختم ہو جاتی ہے۔نظم تین بندوں پر مشتمل ہے۔ یہ سادہ بیانیہ کی پابند نظم ہے اور جس مصرعے 'مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ' سے شروع ہوتی ہے اسی مصرعے پر ختم بھی ہوتی ہے۔ان تین بندوں کے پہلے بند میں شاعر اپنے محبوب کو سب کچھ سمجھتا ہے اور اس کا اعتراف بھی کرتا ہے کہ اسی کی وجود سے حیات درخشاں ہے۔محبوب کا غم بھی اہم ہے جس نے ساری دنیا کے غم بھلا دیئے تھے۔اسی کی صورت سے سارے عالم میں بہار تھی اور اسی کی آنکھوں کو ساری دنیا کی سب سے قیمتی شے سمجھتا رہا اور اس خام خیالی میں محو رہا کہ 'اس کی آنکھوں کے سوا اس دنیا میں رکھا کیا ہے'۔ دوسرے بند میں اسی تسلسل کو دوہرایا جاتا ہے اور شاعر کا خیال ہے کہ محبوب کا حصول ہی قسمت کا سب سے بڑا عطیہ تھا۔لیکن ایسا تو ہوا نہیں۔جس بات کو شاعر کی شدید خواہش تھی کی ایسا ہو جاتا ویسا ہو جاتا۔ اس کے بعد کے دو مصرعوں میں شاعر گریز کرتا ہے

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا　　　راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

یہ دونوں مصرعے نظم کا انتہائی اہم موڑ ہیں۔اس کے بعد نظم اپنی داخلیت سے نکل کر خارجیت میں داخل ہو جاتی ہے اور شاعر کو زندگی کے حقائق محبوب کی نظر سے ہٹ کر بھی نظر آنے لگتی ہے۔اس کو احساس ہوتا ہے کہ محبت کے غم کے علاوہ دنیا میں اور بھی بہت سے غم ہیں۔اگلے بند میں نظم کی فضا یکسر

تبدیل ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ حقائق کی گر ہیں کھلنے لگتی ہیں۔ شاعر کے خیالات کی تبدیلی اور اس کا احساس صدیوں سے انسان پر ظلم وستم کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اس کو وہ ایک تاریک بہیمانہ طلسم کہتا ہے جس میں انسان گرفتار ہے۔ انسانی جسم کو قیمتی لباس، آرام و آسائش سے ظاہری حسن میں لپٹ کر کوچہ و بازار میں جا بجا بیچا جا رہا ہے۔ جسم فروشی کی مجبوری جو صدیوں سے جاری ہے کی طرف فیض کا واضح اشارہ ہے کہ اس کی وجہ بھوک و بیماری ہے جس کے پاس نہ روٹی ہے اور نہ دوا ہے اس کی مجبوری ہے۔ اس نظم کے دوسرے حصے انتہائی جاں کاہ تصویر پیش کرتے ہیں۔

جسم نکلے ہوئے امراض کے تنوروں سے
پیپ بہتی ہوئی گلتے ہوئے ناسوروں سے

ظاہر ہے کہ ایک رومان پرست اور غازہ و رخسار اور محبوب کی تعریف و توصیف کرنے والے شاعر کے قلم سے حسن و تبسم کی جگہ خون اور پیپ کا تصور اس دنیا کے لئے اور شاعر کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ نظم کے خاتمے پر صرف ایک مصرعے میں ہی نظم کے دونوں حصوں کے رومان اور حقیقت کے توازن کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ

اب بھی دلکش ہے تیرا حسن مگر کیا کیجیے

یہاں ایک گونہ حقیقت پسندی تو ملتی ہے جس سے فیض کے دونوں رنگِ شاعری کے تار ایک دوسرے سے مل کر ایک نئے شعور اور ایک نئی شاعری، نئے محبت کے نئے تصور کی فضا کی تعمیر کرتے ہیں۔ نظم اس بات پر ختم ہو جاتی ہے کہ عشق و محبت، حسن کی دلکشی اور اس کی راحتیں ضرور حوصلہ افزا ہیں اور اس کا خیال بہت اچھا ہے لیکن:

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا　　راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

2.2.7 خلاصہ

عزیز طلبا! اس سبق میں جدید نظم کے مقبول ترین شعرا میں سے ایک اہم شاعر فیض کے بارے میں جانکاری حاصل کی اور ان کے تین نظموں کی تشریح بھی۔ فیض ایک اہم اور منفرد لب و لہجے کے شاعر ہیں۔ ان کے آٹھ مجموعہ کلام شائع ہوئے اور ان کی کلیات کا نام 'نسخہ ہائے وفا' ہے۔ فیض کی پیدائش سیالکوٹ میں ہوئی۔ ان کو والد کا نام سلطان محمد خان تھا۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم لے علاوہ انہوں نے انگریزی اور عربی میں ڈگریاں حاصل کی اور لاہور کے ہیلی کالج میں انگریزی کے استاد مقرر ہوئے۔ فیض 1936 میں ترقی پسند مصنفین کے پنجاب شاخ کے سکریٹری بنائے گئے۔ انہوں نے ادبِ لطیف اور امروز کی ادارت بھی کی۔ پاکستانی فوج میں بھی ایک اہم عہد پر فائز رہے۔ پاکستان گورنمنٹ کے آرٹ کونسل کے نائب صدر اور وزارت تعلیم میں امور ثقافت کے مشیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ انہیں بہت سے اعزازات کے علاوہ لینن انعام اور ایفروایشیائی انعام سے نوازا گیا۔ فیض نے متعدد ملکوں کا دورہ بھی کیا۔ اشتراکیت کے حامی رہے لیکن کبھی کسی تنظیم اور مکتبِ فکر کی علم برداری نہیں کی۔ 20 نومبر 1984 کو فیض کا انتقال ہوا۔

عزیز طلبا! اس سبق میں آپ نے جن تین نظموں کا تجزیہ کیا ہے وہ سبھی ان کے مجموعہ کلام نقش فریادی سے لی گئی ہیں۔ پہلی نظم بہت مختصر نظم 'تنہائی' ہے جو فنی اور معنوی اعتبار سے فیض کی اہم نظموں میں شمار ہوتی ہے۔ اس نظم میں ہم کلامی، انتظار کی شدت اور مایوسی کی ملی جلی کیفیت پائی جاتی ہے۔ دوسری نظم 'موضوع سخن' ہے۔ یہ نظم بھی فیض کی دیگر نظموں کی طرح رومانی فضا میں شروع ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ حقیقی زندگی کے مسائل کی طرف قاری کے خیال کو موڑ دیتی ہے۔ صدیوں سے آدم وحوا کی اولاد پر گزر رہی تکلیف اور مصائب کو سوچ کر شاعر تڑپ اٹھتا ہے لیکن اس گھبراہٹ سے نظم کے آخری بند میں

پھر وہ حسن وعشق کی دنیا میں پناہ ڈھونڈتا ہے۔ تیسری نظم 'مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ' یہ نظم غنائی اعتبار سے بہت ہی اہم نظم ہے اور اس کے تین بندوں میں پہلے بند میں رومانوی فضا اور محبوب کی تعریف اور اس کی آنکھوں میں کھو جانے پر شاعر اکتفا کرتا ہے اور اپنے محبوب کے وصال کی تمنا کرتا ہے لیکن جلد ہی اس کا سامنا زندگی کے دیگر حقائق، دکھ و تکلیف اور آلام سے ہوتا ہے جو صدیوں سے غربت وافلاس کے مارے انسان پر ہو رہا ہے۔ آخر میں ان دونوں شعور کا موازنہ کرتے ہوئے نظم ختم ہوتی ہے۔ امید ہے کہ ان تینوں نظموں کے تجزیے و تشریح کے بعد فیض احمد فیض کی شاعری کو سمجھنے میں آپ کو خواطر خواہ مدد ملے گی۔

2.2.8 فرہنگ

تفاوت	فاصلہ، دوری، فرق
لوح	لکھنے کی تختی، سرورق
مقفل	بند، تالا لگا ہوا
خوابیدہ	سویا ہوا
ایوان	محل، مکان
موہوم	وہم میں ڈالنا
غازہ	خوشبودار پوڈر
درخشاں	چمکدار
بہیمانہ	حیوانوں جیسا سلوک
طلسم	جادو، سحر

اطلس	ایک قسم کا ریشمی کپڑا

2.2.9 نمونہ امتحانی سوالات

1 فیض احمد فیض کے حالات زندگی پر ایک مختصر نوٹ لکھئے

2 نظم 'تنہائی' کا تجزیہ پیش کیجئے

3 نظم 'موضوعِ سخن' کا تنقیدی جائزہ پیش کیجئے

4 نظم 'مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ' کی تشریح کیجئے

2.2.10 مزید مطالعہ کے لئے

1 فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا

2 کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میرا جی تک

3 زبیر رضوی، نئی نظم تجزیہ اور انتخاب

4 سیدہ جعفر، تاریخ ادب اردو (جلد چہارم)

اختر الایمان - نظم 'ایک لڑکا' : کی تشریح

اکائی کی ساخت

2.3.1 تمہید

2.3.2 تعارف

2.3.3 اختر الایمان: حالات زندگی

2.3.4 اختر الایمان کی نظم نگاری

2.3.5 متن (ایک لڑکا)

2.3.6 تشریح: ایک لڑکا

2.3.7 خلاصہ

2.3.8 فرہنگ

2.3.9 نمونہ امتحانی سوالات

2.3.10 مزید مطالعہ کے لئے

2.3.1 تمہید

اردو ادب کی تاریخ میں کئی اتار چڑھاؤ آئے۔ یہ اتار چڑھاؤ شعری اصناف اور نثری اصناف دونوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اردو شاعری کے کئی ادوار، مکتب فکر، تحریکات اور دبستانوں میں جن شعرا نے شعری وفکری رویے کے اعتبار سے اپنی راہ خود بنانے میں کامیابی حاصل کی ان میں ایک معروف نام اختر الایمان کا ہے۔ انہوں نے اردو کے جدید شعری ادب میں اپنی منفرد پہچان اور لب و لہجہ عمر بھر بنائے رکھا۔ اختر الایمان کی حیثیت نظم نگاری میں مسلم ہے۔ ان کی زندگی میں بہت سے اتار چڑھاؤ آئے لیکن انہوں نے اپنی فنکارانہ صلاحیت کو حالات کے بھینٹ نہیں چڑھایا بلکہ حالات سے بہت کچھ سیکھا اور اسے شاعری کے قالب میں ڈھالا۔ عزیز طلبا! اس سبق میں آپ اختر الایمان کی شخصیت ،حالات زندگی، نظم نگاری میں انفرادیت کے ساتھ ساتھ ان کی معروف ومشہور نظم 'ایک لڑکا' کا تنقیدی مطالعہ کریں گے۔

2.3.2 تعارف

اختر الایمان ایک منفرد لہجے کے شاعر ہیں۔ ان کا تعلیمی سلسلہ باضابطہ نہیں رہا۔ کبھی دہلی میں قیام کیا، کبھی علی گڑھ چلے گئے، کبھی میرٹھ میں اخبار ورسائل کی ادارت کی، ریڈیو اسٹیشن میں ملازمت کی لیکن کہیں ان کا جی نہیں لگا۔ اختر الایمان نے فلمی دنیا کے لئے بہت سے کارنامے انجام دیئے اور اس سلسلے میں انہوں نے تقریباً سو (100) فلموں کے منظر نامے اور مکالمے لکھے۔ شاعری میں ان کے ہم عصروں میں جوش، مخدوم، جعفری ،ساحر ،کیفی ،مجاز ،فیض، احمد ندیم قاسمی، جاں نثار اختر، ن م راشد، میراجی اور معین احسن جذبی بطور خاص تھے۔ اختر الایمان کی زیادہ تر شاعری علامتی اظہار کا پرتو ہے لیکن انہوں نے شاعری کے عصری تقاضوں کو اور معاشی ومعاشرتی سروکار کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا

۔سیاسی تبدیلی اور سائنسی ترقیات کی وجہ سے ان کی ذہنی وفکری میلانات میں تبدیلی بھی ہوئی لیکن اختر الایمان کی شاعری میں ان کی ماضی کی یادوں کا بہت بڑا دخل ہے۔ان کی متعدد نظمیں ان ہی یادوں کا عکس معلوم ہوتی ہیں ۔جن میں وہ ماضی کی بازیافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔اختر الایمان کے شعری مجموعے 'یادیں' میں شامل نظمیں مذکورہ دعوے کی دلیل ہیں۔'ایک لڑکا' بھی ماضی کی بازیافت کے لئے لکھی گئی نظم ہے جس سے اختر الایمان کے ماضی، حال اور مستقبل کی عکاسی ہوتی ہے۔اس سبق میں ہم اسی نظم کا تنقیدی جائزہ لیں گے۔امید ہے اس سبق کے مطالعے کے بعد آپ طلبا اختر الایمان کے زندگی کے حالات سے واقف ہوں گے،ان کی نظم نگاری کی انفرادیت کو جان سکیں گے اور موضوع سبق نظم 'ایک لڑکا' کی فنی خوبیوں سے واقف ہوسکیں گے۔

2.3.2 اختر الایمان: حالات زندگی

اردو شاعری کے منفرد لب و لہجے کے شاعر اختر الایمان کا جنم ضلع بجنور (اتر پردیش)،موضع راؤکھیڑی میں 12 نومبر 1915 کو ہوا۔اختر الایمان کا اصل نام حافظ فتح محمد ہے۔ابتدائی تعلیم یتیم خانے اور مدرسے میں ہوئی بعد میں سرکاری مڈل اسکول میں داخل کئے گئے۔بچپنا نہایت عسرت میں گزرا بعد میں مدرسہ مؤیدالاسلام میں داخل ہوئے پھر فتح پوری مسلم ہائی اسکول دہلی میں تعلیم حاصل کی اور اینگلو عربک کالج میں بھی تعلیم حاصل کی ۔اسی زمانے میں ان کے کچھ افسانے رسالوں میں شائع ہوئے ۔اختر الایمان طلبا تنظیم کے جوائنٹ سکریٹری بھی منتخب ہوئے ۔ساغر نظامی کی ایما پر میرٹھ آئے۔1941 میں ایشیا کی ادارت کی۔میرٹھ یونیورسٹی میں ایم اے فارسی میں داخلہ لیا لیکن تکمیل نہیں ہوئی کچھ دنوں سپلائی محکمے میں ملازم ہوئے پھر دہلی ریڈیو اسٹیشن میں ملازمت کی اسے بھی خیر باد کہا۔بعد ازاں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایم اے اردو میں داخلہ لیا۔پہلے سال امتیازی نمبرات سے کامیابی

حاصل کی لیکن تنگ دستی نے علی گڑھ چھوڑنے پر مجبور کیا۔قیام علی گڑھ کے دوران پروفیسر رشید احمد صدیقی اور شاہد احمد دہلوی نے ان کی مالی مدد کی۔جولائی 1944 میں اختر الایمان حیدر آباد میں ایک کانفرنس میں شرکت کی غرض سے آئے اور بعد ازاں پونے میں شالیمار اسٹوڈیو کے ڈبلیو۔زیڈ۔احمد نے انہیں اپنے ساتھ کام کرنے پر راضی کرلیا۔اس وقت ادبی حلقوں میں اختر الایمان خاصے معروف ہو چکے تھے اور ان کا شعری مجموعہ 'گرداب' بھی شائع ہو چکا تھا۔ڈبلیو۔زیڈ۔احمد کی ایما پر انہوں نے فلمی دنیا میں قدم رکھا اور متعدد فلموں کے لئے کہانیاں اور مکالمے لکھے۔

3 مئی 1947 کو ان کا عقد سلطانہ منصور سے ہوا جو بعد میں سلطانہ ایمان کے نام سے معروف ہوئیں۔ 1947 میں ملک کی تقسیم اور فسادات نے ان کی زندگی کو ایک بار پھر مشکل میں ڈالا۔1942 سے 1947 تک وہ ترقی پسند تحریک کے عروج کے دنوں میں فعال کردار ادا کیا۔سجاد ظہیر،خواجہ احمد عباس ،میراجی ،مدھوسودن اس زمانے میں ان کے دوست رہے۔اس سلسلے میں 1949 میں اشتراکیت پسندوں کے جلسوں کے اہتمام کے جرم میں اختر الایمان ایک مہینے تک ممبئی کے آرتھر روڈ جیل میں قید رہے۔اختر الایمان ادبی اور فلمی مصروفیات کی غرض سے مختلف شہروں اور ملکوں کا سفر کیا۔متعدد فلموں کے شوٹنگ کی وجہ سے بیرون ممالک میں مختلف شہروں کا دورہ بھی کیا۔1976 میں ایفروایشیائی کانفرنس میں سجاد ظہیر اور ملک راج آنند کے ہمراہ بیرون ممالک کا دورہ کیا۔اختر الایمان نے فلموں اور ادب کے سلسلے میں کینیا، تنزانیہ، یوگانڈا، جرمنی، جنیوا، روم، نیویارک، لاس انجلس، سان فرانسسکو، شکاگو، فرنٹ فورٹ، قاہرہ، دوبئی، کراچی، کنیڈا، مانٹریال اور ٹورنٹو کا سفر بھی کیا۔اختر الایمان نے ممبئی کے تقریباً پچاس سالہ قیام کے دوران لگ بھگ سو فلموں کے مقالے اور مکالمے لکھے۔جن فلموں نے ان کو شہرت بخشی ان میں نغمہ، رفتار، زندگی اور طوفان، مغل اعظم، قانون، وقت، داغ، آدمی، مجرم،

شبنم،ضمیر، آدمی اور انسان اور اپرادھ قابل ذکر ہیں۔اختر الایمان کے ادبی فن پاروں میں ان کے خود نوشت 'اس آباد خرابے میں' کے علاوہ ان کے شعری مجموعے گرداب، سب رنگ، تاریک سیارہ، آبِ جو، یادیں، بنت لمحات، نیا آہنگ، سروسامان اور زمستانِ سرد مہری شامل ہیں۔اختر الایمان کو متعدد قومی و بین الاقوامی اعزازات سے بھی نوازا گیا، یادیں کے لئے 1960 میں ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ، بنت لمحات کے لئے اتر پردیش میرا کیڈمی ایوارڈ اور نیا آہنگ کے لئے مہاراشٹر اردو اکیڈمی ایوارڈ سے نوازا گیا جبکہ سروسامان کے لئے مدھیہ پردیش حکومت اور غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی اور اردو اکیڈمی نئی دہلی نے بھی ایوارڈ سے نوازا۔اختر الایمان کو کل ہند بہادر شاہ ایوارڈ بھی دیا گیا۔جنوری 1986 میں اختر الایمان کو اچانک دل میں درد کی شکایت ہوئی۔تین مہینے تک ممبئی کے مختلف اسپتالوں میں علاج کرایا۔ڈاکٹروں کے مشورے پر انہیں بوسٹن لے جایا گیا جہاں پانچ بائی پاس سرجری ہوئی۔صحت یاب ہونے پر اختر الایمان نے اپنی مصروفیات بہت کم کردی۔فلمی دنیا کو بھی تقریبا چھوڑ دیا۔اسٹوڈیو اور مشاعروں میں شرکت بہت کم کردی۔ باوجود احتیاطی تدابیر کے ان کی صحت بگڑتی چلی گئی۔ 9 مارچ 1996 کو اختر الایمان نے دنیائے فانی کو الوداع کہا۔ممبئی کے باندرا قبرستان میں تدفین ہوئی۔ان کی ناگہانی موت پر قومی و بین الاقوامی ادبی حلقوں میں بہت دنوں تک سوگ منایا جاتا رہا۔

2.3.4 اختر الایمان کی نظم نگاری

بیسویں صدی میں جن ادبی تحریکوں نے بالعموم عالمی ادب کو اور بالخصوص اردو ادب کو سب سے زیادہ متأثر کیا وہ ترقی پسند تحریک تھی۔ترقی پسند تحریک کے شعرا نے عوامی جذبات اور مسائل کو بھر عکاسی اپنی شاعری میں کی ہے۔جن شعرا نے ترقی پسند تحریک اور جدید اردو نظم نگاری کو معیار بخشا ان میں فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، جوش ملیح آبادی، مخدوم محی الدین، علی سردار جعفری، ساحر لدھیانوی، کیفی اعظمی،

اسرار الحق مجاز، جاں نثار اختر، ن م راشد، میرا جی، معین احسن جذبی اور اختر الایمان کے نام خصوصی طور سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اختر الایمان ایسے شاعر ہیں جنھوں نے ترقی پسند نظریے کے ساتھ ساتھ حلقہ ارباب ذوق کو بھی متاثر کیا۔ فیض کی طرح انہوں نے اپنی پہچان الگ بنائی اور کبھی کسی تحریک کے کھونٹے سے بندھے نہیں رہے۔ اختر الایمان نے اشتراکیت کے سطحی پروپیگنڈے سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہوئے اس نظریے کی تائید کی۔ ان ہی اوصاف کی وجہ سے اختر الایمان کو اردو شاعری کی تیسری آواز کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنا الگ تشخص قائم کر کے شاعری کی دوسری آوازوں پر کم دھیان دیتے ہوئے اردو نظم نگاری کو ایک نئے کردار و اسلوب سے آشنا کیا۔ نجی زندگی میں متعدد اتار چڑھاؤ کی وجہ سے ان کا احساس و شعور بہت پختہ ہو گیا تھا جس نے شاعری میں ان کو الگ پہچان بنانے میں مدد کیا۔ اختر الایمان کی شخصیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے ان کی شریک حیات سلطانہ ایمان نے کلیات اختر الایمان کے پیش لفظ میں لکھا ہے:

''یہ واقعہ جب وجود میں آیا میں انھیں نہیں جانتی تھی البتہ جب میں ان سے ملی اور شادی ہوئی تو وہ باشعور انسان تھے۔ شعور کی شدّت انھیں مسلسل بے چین رکھتی تھی اور اسی بے چینی کے عالم میں وہ نظم لکھتے تھے نظم کہہ چکنے کے بعد بے چینی قدرے خوشی میں تبدیل ہو جاتی تھی' مگر بہت قلیل عرصہ کے لئے یعنی جب تک دوسری نظم نہ ہو اور یہ سلسلہ یونہی جاری رہا۔ میرے خیال میں شعور اور شدت احساس ہی اختر الایمان کی شاعری ہے''۔

اختر الایمان کی شاعری میں شعور کی پختگی کے ساتھ ساتھ ماضی کی یادوں کا بڑا دخل ہے۔ وہ اپنی بہت سی نظموں میں ماضی کی بازیافت کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ ان کی یادیں خود کلامی کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اور اشاریت کے سہارے دائروں پر دائرہ بناتی چلی جاتی ہیں۔ اختر الایمان کی

بہت سی نظمیں مذکورہ حقائق کی عکاسی کرتی ہیں مثلاً کل کی بات، ریت کے محل، مسجد اور ایک لڑکا جس کا آپ ابھی مطالعہ کر رہے ہیں۔ ان سبھی نظموں میں یادوں کی شدد، ماضی کی بازیافت اور اس کی نا آسودگیوں کی طرف بھرا اشارہ ملتا ہے۔ بلاشبہ اختر الایمان نے اپنی شخصی تجربات کو نظموں میں آفاقیت کا جامہ پہنا دیا ہے۔ اس کی واضح مثال ان کی نظم 'نئے صبح' سے دی جا سکتی ہے۔

کالے ساگر کی موجوں میں ڈوب گئیں دھندلی آشائیں
جلنے دو یہ دئے پرانے خود ٹھنڈے ہو جائیں گے۔
میری زبان کی لو پر جاگ رہی ہے ایک کہانی
ٹوٹے پھوٹے جام پڑے ہیں سونی سونی ہے کچھ محفل
دھوپ سی ڈھل کر بہہ گئی ہے ساقی کی مجبور جوانی
کیا جانے' کب سورج نکلے' بستی جاگے غم مٹ جائیں!

(نئ صبح' گرداب صفحہ۔۴۳)

اختر الایمان کی متعدد نظموں میں انسانی نا آسودگی، بے چارگی، تنگ دستی اور بے کسی کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔ قومی سطح پر آزادی سے قبل بہت سے شعرا و ادبا کی طرح ان کو بھی یہ امید تھی کہ آزادی کے بعد حالات کچھ سدھریں گے، ملک کی معاشی حالت بہتر ہوگی، عوام میں مسرت و شادمانی آئے گی لیکن آزادی کے بعد ہم حقیقی آزادی سے کوسوں دور رہے بلکہ اب بھی دور ہیں۔ اس کا شدت سے احساس اختر الایمان کو تھا۔ مذکورہ حقائق کی عکاسی ان کی نظم 'پرانی فصیل' سے ہوتی ہے۔

یہاں سر گوشیاں کرتی ہے ویرانی سے ویرانی
فسردہ شمع امیدو تمنا تو نہیں دیتی

یہاں کی تیرہ بختی پر کوئی رونے نہیں آتا
یہاں جو چیز ہے ساکت کوئی کروٹ نہیں لیتی

عالمی پیمانے پر دوسری جنگ عظیم نے جتنی شدت سے شعرا و ادبا کو متاثر کیا اختر الایمان اس سے اچھوتے نہیں رہے۔ نچلے طبقے کے ناگفتہ بہ حالات، انسان سوز کارناموں سے پیدا ہونے والی تلخیوں، بھوک، بے چارگی، یتیمی، بیماری اور قوموں سے قوموں کی دشمنی اختر الایمان نے بہت نزدیک سے اور شدت سے محسوس کیا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے پوری دنیا کو 'ایک تاریک سیارہ' سے تشبیہ دی ہے۔ ان کی نظم تاریک سیارہ میں ان سبھی اداسیوں، افسردگی اور مایوسی کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس نظم کے پیرائے میں اختر الایمان اظہار ذات سے اظہار کائنات کا اشاریہ بن جاتے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد پر تشدد واقعات، شہروں، گاؤں اور خاندانوں کا لٹنا اور برباد ہونا، عبادت گاہوں کی بے حرمتی، خواتین و بچوں کے مسائل جسے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور دل سے محسوس کیا تھا۔ ان کیفیات کو، احساسات و جذبات کو اختر الایمان نے اپنی نظم 'کل کی بات' میں بہت ہی پر سوز و پر اثر انداز سے طنزیہ پیرایے میں پیش کیا ہے۔

یک بیک شور ہوا ملک نیا ملک بنا
اور اک آن میں محفل ہوئی درہم برہم
آنکھ جو کھولی تو دیکھا کہ زمین لال ہے سب
تقویت ذہن نے دی' ٹھیر و نہیں خون نہیں
پان کی پیک ہے یہ امّاں نے تھوکی ہوگی!

''کل کی بات'' بنت لمحات 23/مارچ 1962ء

اختر الایمان کے یہاں جذبات کی شدت اور چیلنجوں سے سبق سیکھنے کا ہنر بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کی شخصیت وشاعری پر چند جملوں میں شمس الرحمان فاروقی نے اہم بات کہی ہے 'شہرت پسندی کی اس دور میں کسی سچے شاعر کا صرف شاعری کے بل بوتے گرم کار رہنا او آخر کار اپنی عظمت منوالینا بجائے خود ایک کارنامہ ہے اور ہماری تہذیب میں شاعری کے مستقبل کی امانت بھی'۔

2.3.5 متن (ایک لڑکا)

دیار شرق کی آبادیوں کے اونچے ٹیلوں پر
کبھی آموں کے باغوں میں' کبھی کھیتوں کی مینڈوں پر
کبھی جھیلوں کے پانی میں' کبھی بستی کی گلیوں میں
کبھی کچھ نیم عریاں کم سِنوں کی رنگ رلیوں میں
سحر دم' جھٹپٹے کے وقت' راتوں کے اندھیرے میں
کبھی میلوں میں' ناٹک ٹولیوں میں' ان کے ڈیرے میں
تعاقب میں کبھی گم' تتلیوں کے' سونی راہوں میں
کبھی ننّھے پرندوں کی نہفتہ خواب گاہوں میں
برہنہ پاؤں' جلتی ریت' یخ بستہ ہواؤں میں
گریزاں بستیوں سے' مدرسوں سے' خانقاہوں میں
کبھی ہم سِن حسینوں میں بہت خوش کام و دِل رفتہ
کبھی پیچاں بگولہ ساں' کبھی جیوں چشمِ خوں بستہ
ہوا میں تیر تا' خوابوں میں بادل کی طرح اڑتا

پرندوں کی طرح شاخوں میں چھپ کر جھولتا ' مُڑتا
مجھے اک لڑکا ، آوارہ منش ، آزاد سیلانی
مجھے اک لڑکا ' جیسے تُند چشموں کا ' رواں پانی
نظر آتا ہے ' یوں لگتا ہے ' جیسے یہ بلائے جاں
مرا ہمزاد ہے ' ہر گام پر ' ہر موڑ پر جولاں
اسے ہمراہ پاتا ہوں ' یہ سائے کی طرح میرا
تعاقب کر رہا ہے ' جیسے میں مفرور ملزم ہوں
یہ مجھ سے پوچھتا ہے اخترالایمان تم ہی ہو ؟

خدائے عزّ وجل کی نعمتوں کا معترف ہوں میں
مجھے اقرار ہے اس نے زمیں کو ایسے پھیلایا
کہ جیسے بستر کم خواب ہو ' دیبا و مخمل ہو
مجھے اقرار ہے یہ خیمۂ افلاک کا سایہ
اسی کی بخششیں ہیں ' اس نے سورج چاند تاروں کو
فضاؤں میں سنوارا ' اک حد فاصل مقرّر کی
چٹانیں چیر کر دریا نکالے خاکِ اسفل سے
مری تخلیق کی مجھ کو جہاں کی پاسبانی دی
سمندر موتیوں مونگوں سے ' کانیں لعل و گوہر سے

ہوائیں مست کُن خوشبوؤں سے معمور کردی ہیں
وہ حاکم قادرِ مطلق ہے ' یکتا اور دانا ہے
اندھیرے کو اجالے سے جدا کرتا ہے ' خود کو میں
اگر پہچانتا ہوں اس کی رحمت اور سخاوت ہے !
اسی نے خسروی دی ہے ' لئیموں کو مجھے نکبت
اسی نے یادہ گویوں کو کیا مرا خازن بنایا ہے
تونگر ہرزہ کاروں کو کیا دریوزہ گر مجھ کو
مگر جب جب کسی کے سامنے دامن پسارا ہے
یہ لڑکا پوچھتا ہے اختر الایمان تم ہی ہو؟

معیشت دوسروں کے ہاتھ میں ہے میرے قبضہ میں
جزاک ذہنِ رسا کچھ بھی نہیں ' پھر بھی مگر مجھ کو
خروشِ عمر کے اتمام تک اک بار اُٹھا نا ہے
عناصر منتشر ہو جانے ' نبضیں ڈوب جانے تک
نوائے صبح ہو یا نالۂ شب کچھ بھی گانا ہے
ظفر مندوں کے آگے رزق کی تحصیل کی خاطر
کبھی اپنا ہی نغمہ اُن کا کہہ کر مسکرانا ہے
وہ خامہ سوزی شب بیداریوں کا جو نتیجہ ہو

اسے اک کھوٹے سکّے کی طرح سب کو دکھانا ہے
کبھی جب سوچتا ہوں اپنے بارے میں تو کہتا ہوں
کہ تو اک آبلہ ہے جس کو آخر پھوٹ جا نا ہے
غرض گرداں ہوں بادِ صبح گاہی کی طرح ' لیکن
سحر کی آرزو میں شب کا دامن تھا متا ہوں جب
یہ لڑکا پوچھتا ہے اختر الایمان تم ہی ہو ؟

یہ لڑکا پوچھتا ہے جب تو میں جھلاّ کے کہتا ہوں
وہ آشفتہ مزاج ' اندوہ پرور ' اضطراب آسا
جسے تم پوچھتے رہتے ہو کب کا مر چکا ظالم
اسے خود اپنے ہاتھوں سے کفن دے کر فریبوں کا
اس کی آرزوؤں کی لحد میں پھینک آیا ہوں ؟
میں اس لڑکے سے کہتا ہوں وہ شعلہ مر چکا جس نے
کبھی چاہا تھا اک خاشاکِ عالم پھونک ڈالے گا
یہ لڑکا مسکراتا ہے ' یہ آہستہ سے کہتا ہے
یہ کذب و افترا ہے ' دیکھو میں زندہ ہوں !

2.3.6 تشریح: ایک لڑکا

عزیز طلبا! پچھلے صفحات میں آپ نے اختر الایمان کی نظم نگاری سے متعلق عمومی جانکاری حاصل

کی ہے اور موضوع سبق ان کی معروف ومشہور نظم 'ایک لڑکا' کی قرأت بھی کی۔ آیئے اب ہم اس نظم کے اسلوب اور مقاصد کا تنقیدی جائزہ لیں۔ فنی اعتبار سے 'ایک لڑکا' اختر الایمان کی بہترین نظموں میں سے ایک ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ نظم پندرہ بیس سال میں اختر الایمان نے مکمل کی تھی۔ ظاہر ہے اتنی مدت میں نظم کو متعدد بار تراش خراش کیا گیا ہو اور فنی اعتبار سے بہتر کرنے کی کوشش کی گئی ہو اس نظم کو ساختیاتی طنز اور ڈرامائی طنز دونوں کی آمیزش کہہ سکتے ہیں۔ اس میں علاماتی طرز اظہار بھی اور تہہ داری کے اسلوب بھی کارفرما نظر آتے ہیں۔ اس نظم میں بچپن کی یادوں کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ دیہی پس منظر اور منظر نگاری کی بھر پور عکاسی ہے۔ جن چیزوں سے گاؤں کے بچے لطف اندوز ہوتے ہیں اختر الایمان کے 'اس لڑکے' کو یکے بعد دیگرے ساری یادیں کسی فلم کی ریل کی طرح سامنے آتے ہیں۔ کھیتوں کی منڈریں، جھیلوں کا پانی، بستی کی گلیاں، میلوں ٹھیلوں، ناٹک اور ہمجولیاں، صبح وشام کے پر لطف نظارے، اندھیری راتوں کا منظر، تپتی دوپہری، تتلیوں کا پکڑنا، تپتی ہوئی ریت پر چلنا اور پرندوں کی طرح شاخوں پر جھولنا، اس لڑکے کو یاد آتے ہیں جو اختر الایمان کا ہمزاد ہے یا یوں کہئے کہ خود اختر الایمان ہے۔ اختر الایمان نے بہت سی مختصر نظموں کو منصوبہ بند طریقے سے نہیں بلکہ چلتے پھرتے کہہ ڈالی۔ اس کے برعکس انہوں نے طویل نظموں کو منصوبہ بند طریقے سے لکھی۔ نظم ایک لڑکا کو موضوع کی طرح محسوس نہیں کیا بلکہ تصویری شکل میں منظر بہ منظر دیکھی ہے۔ بچپن کے واقعات اس نظم کا محرک ہیں۔ بیل گاڑی پر گاؤں چھوڑنا کل کے ساتھ یاد رہا۔ اس گاؤں کو چھوڑنا جہاں بڑے باغ تھے۔ باغوں میں کھلیان تھے کوئلیں کوکتی تھیں، پپیہے بولتے تھے، وہاں جوہڑ تھے، جوہڑ میں نیلوفر کے پھول کھلتے تھے، ہرنوں کی کلیلیں جو انہیں پسند تھی مگر 'معصوم لڑکا' اس گاڑی کو روک نہیں پایا جو اسے ان من پسند چیزوں سے، مناظر سے، اپنوں سے دور لے گئی۔ وہاں وہ آزاد تھا۔ فطری طور پر فطرت کے ساتھ قریب

تھا۔ وہاں معصومیت تھی، سچائی تھی جس میں کوئی بناوٹ اور کدورت نہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس لڑکے کی اوران مناظر کی تصوریں میرے ذہن سے محو ہوگئیں۔ دنیا کی کشمکش میں کھو گیا۔ شاعر ہوگیا۔

نظم میں لڑکا کون ہے مجھے معلوم تھا مگر یہ مجھ سے بار بار اس قسم کی باز پرس کیوں کر رہا ہے۔ مجھ سے میرے اعمال کا حساب کیوں مانگ رہا ہے۔ اب ذہن کا شعوری کھیل شروع ہوا۔ معاشرے کے اخلاقی قدروں میں تضاد ،معیشت کے لئے جدوجہد، قدم قدم پر جھوٹ اور برائیوں کے ساتھ تعاون، مذہب کی اندرونی و بیرونی شکلیں۔ چنانچہ میں اپنے اعمال کا حساب اپنے ذہن کو دینے لگا اور محتسب کون تھا، حساب لینے والا کون تھا وہ لڑکا۔ یہ وہ لڑکا تھا جسے میں برسوں سے جانتا تھا۔ یہ وہ لڑکا تھا جو معصوم تھا اور جس کو اختر الایمان کی شخصیت کی وجہ سے دوحصوں میں تقسیم ہونا پڑا۔ اختر الایمان نے نظم کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے کئی اشاروں اور کنایوں سے کام لیا۔ ان کی یادیں، ان کی زندگی پوری انسانیت کا علامیہ بن گئی۔ لڑکے کو آوارہ منش، آزاد سیلانی اور تند چشموں کا روا پانی سے تشبیہ دے کر اختر الایمان نے نئی نسلوں کی نئی قوتوں کو اہمیت دی ہے۔ اختر الایمان نے نظم کی فطرت نگاری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا پوری طرح اعتراف کیا ہے۔ اس کی وحدانیت کے گن گائے ہیں۔ اختر الایمان نے نظم کو ایک خاص موڑ دے کر بہت خوبی سے دنیا کی بگڑتی صورت حال، افراط تفریط، فریب کاری اور مکاری سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ نظم کے اس لڑکے کے سہارے اپنی ذات کے حصار سے نکل کر پورے عالم انسانیت کا حصہ بن جاتے ہیں۔ جب یہ لڑکا بار بار پوچھتا ہے اور طنزیہ لہجے میں کہتا ہے۔ اختر الایمان تم ہی ہو، اختر الایمان تم ہی ہو۔ وہ لڑکا اختر الایمان نہیں بلکہ انسان کی معصومیت، سادہ دلی، آزادی فکر اور سچائی وایمانداری کا اشاریہ ہے۔ یہاں لڑکے کے کردار میں تہہ داری کے ساتھ شاعر کا کردار ہے جو ہمارے معاشرے اور تہذیبی وراثت کی نمائندگی کرتا ہے۔ نظم کے

ذریعہ اختر الایمان نے سرمایہ دارانہ نظام کو اپنے طنز کا اس طرح نشانہ بنایا ہے کہ نظم کی تاثیر دوبالا ہو جاتی ہے۔ انسانیت کی ضمیر کو جتنا بھی مار دیا جائے وہ کبھی نہ کبھی زندہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ لاکھ کوشش کے بعد بھی اختر الایمان کا 'وہ لڑکا' زندہ ہے اور انسانی ضمیر کی علامت ہے۔ گویا انسانیت کبھی مر نہیں سکتی۔

2.3.7 خلاصہ

عزیز طلبا! آپ نے اس سبق میں اختر الایمان کے حالات زندگی، ان کی نظم نگاری کی فنی خوبیوں کا مطالعہ کیا۔ اختر الایمان نے اپنے بچپن میں جن صعوبتوں کو برداشت کیا اور آخر کار ایک کامیاب انسان بن کر دکھایا اس کی جان کاری حاصل کی۔ اختر الایمان کی پیدائش 12 نومبر 1915 کو ضلع بجنور میں ہوئی۔ والد کا نام فتح محمد تھا۔ بچپن عسرت و تنگدستی میں گزارا۔ یتیم خانہ مدرسہ، فتحپوری مسلم ہائی اسکول اور اینگلو عربک کالج میں تعلیم حاصل کی۔ ایم۔اے فارسی کی ادھوری تعلیم میرٹھ یونیورسٹی اور ایم۔اے اردو کی ادھوری تعلیم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے حاصل کی۔ گویا انہوں نے اعلیٰ تعلیم کو ادھورا ہی چھوڑا۔ 1947 میں شادی ہوئی۔ پونے سے اپنے فلمی کیریئر کا آغاز کیا۔ تقریباً سو (100) فلموں کے مقالے، مکالمے اور کہانیاں لکھی۔ مدھوسودن، میرا جی، خواجہ احمد عباس، ملک راج آنند، سجاد ظہیر سے دوستانہ راسم رہے۔ ترقی پسند تحریک سے وابستگی اور اشتراکیت میں یقین کے باوجود ان نظریات کو اپنی شخصیات پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ ان کا انتقال 9 مارچ 1996 کو ہوا، اختر الایمان کے فن پاروں میں ان کا خود نوشت 'اس آباد خرابے میں' کے علاوہ شعری مجموعے، گرداب، سب رنگ، تاریک سیارہ، یادیں، بنت لمحات، نیاں آہنگ، سروسامان، زمین زمین اور زمستان سرد مہری شامل ہیں۔ ان کے اعلیٰ علمی وادبی کارناموں کے لئے ساہتیہ اکیڈمی مدھیہ پردیش، اتر پردیش اور دلی کے مختلف ادبی اداروں سے انعامات واعزازات ملے۔ بہت سے بیرون ممالک کا دورہ کیا۔ اختر الایمان کی مشہور نظموں میں

'ایک لڑکا ' ریت کے محل ،مسجد ،تنہائی،تاریک سیارہ،کل کی بات،پرانی فصیل اور بنت لمحات ہیں۔اختر الایمان کی نظم'ایک لڑکا' کا جس کا آپ نے مطالعہ کیا وہ ان کی یادوں کے بچپن کے ارد گرد گھومتی ہےاوراس کے انسانی نا آسودگی ،تنگ دستی، بین الاقوامی بھائی چارہ اور ہم آہنگی کو بیان کرتی ہے ۔یہ نظم ان کی ذات سے شروع ہوکر کائنات تک کا احاطہ کرتی ہے۔

2.3.8 فرہنگ

الفاظ	معنی
سیلانی	سیر کرنے والا
گام	قدم
افلاک	فلک کی جمع،آسمان
تونگر	دولت مند،امیر،مالدار
تعاقب	پیچھے جانا،پیچھا کرنا
دیار	شہر،علاقہ،ملک
ہزرہ کار	لغو، بےہودہ کام کرنے والا
خروش	شور
آبلہ	چھالا
اضطراب آسا	بےچین جیسا
کذب	جھوٹ

پارینہ	قدیم، پرانی
ذہن رسا	اعلیٰ دماغ
اندوہ	رنج وغم
خاشاک	کوڑا کرکٹ
سفلہ	کمینہ، نالائق
سوغات	تحفہ
مشقت	محنت
اسفل	نہایت نیچا، انتہائی ذلیل
آوارہ منش	آوارہ مزاج
ہم زاد	جوساتھ پیدا ہوا ہو
نکبت	مفلسی، بدحالی
دریوزہ گر	فقیر، بھکاری
افترا	الزام
آشفتہ	پریشان

2.3.9 نمونہ امتحانی سوالات

1 اختر الایمان کی حالات زندگی پر ایک مختصر نوٹ لکھئے

2 نظم 'ایک لڑکا' کا مرکزی خیال کو اپنے الفاظ میں بیان کیجئے

3 اختر الایمان کی شاعری کی انفرادیت سے بحث کیجئے

4 اختر الایمان کی شاعرانہ عظمت سے مدلل بحث کیجئے

2.3.10 مزید مطالعہ کے لئے

1 اختر الایمان،کلیات اختر الایمان

2 شاہد ماہلی،اختر الایمان عکس اور جہتیں

3 ابوالکلام قاسمی،شاعری کی تنقید

4 سیدہ جعفر،تاریخ اردو ادب (جلد چہارم)

ن م راشد: 'شباب گریزاں، سباویراں' کی تشریح

اکائی کی ساخت

2.4.1 تمہید
2.4.2 تعارف
2.4.3 ن م راشد کے حالاتِ زندگی
2.4.4 ن م راشد کی نظم نگاری
2.4.5 نظم 'شباب گریزاں' کی تشریح
2.4.6 نظم 'سباویراں' کی تشریح
2.4.7 خلاصہ
2.4.8 فرہنگ
2.4.9 نمونہ امتحانی سوالات
2.4.10 مزید مطالعہ کے لئے

2.4.1 تمہید

عزیز طلبا! دیگر اصناف ادب کی طرح اردو نظم نگاری کا آغاز وارتقا بھی فارسی شاعری کی روایات کے زیر اثر رہا۔ تاہم 1857 کے بعد اردو شاعری میں یکسر تبدیلی رونما ہوئی اور جدید طرز شاعری کی بنیاد پڑی۔ حالاں کہ موضوعی نظموں کی ابتدا قلی قطب شاہ اور نظیر اکبرآبادی پہلے ہی کر چکے تھے۔ تاہم باضابطہ طور پر نظم نگاری سے معاشرے میں سدھار کا کام اور اس میں جدت کی مثال مولانا محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی اور اسماعیل میرٹھی وغیرہ کی نظموں سے ملتی ہے۔ اس ضمن میں نظم نگاروں کی ایک طویل فہرست ہے جنھوں نے جدید نظم نگاری سے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو متأثر کیا۔ ان نظم نگاروں میں اقبال، فیض، جوش، اختر الایمان، حفیظ جالندھری، اختر شیرانی اور ن م راشد کے نام بطور خاص لئے جاسکتے ہیں۔ ن م راشد نے آزاد نظم کی آبیاری کی۔ حالاں کہ ان سے قبل آزاد نظم کی شروعات ہو چکی تھی۔ آپ اس سبق میں ن م راشد کے مختصر حالات زندگی، ان کی نظم نگاری کی انفرادیت اور ان کی دو مشہور نظموں 'شباب گریزاں، سباویراں' کا تجزیہ وتشریح کا مطالعہ کریں گے۔

2.4.2 تعارف

عزیز طلبا! جدید نظم نگاری کی ابتدا کے بعد اس ضمن میں اور کئی ادبی تحریکیں شروع ہوئیں جن میں ترقی پسند تحریک اور حلقہ ارباب ذوق خاص ہیں۔ ان تحریکوں میں شامل شعرا نے جدید نظم نگاری میں ہیئت کے اعتبار سے کئی تجربے کئے۔ ن م راشد نے ان ادبی تحریکوں کے تلخ وشیریں حقائق کا جائزہ لیا اس کے بعض اثرات کو قبول بھی کیا لیکن دیگر شعرا کی طرح کسی تحریک کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا اور کسی تحریک کی علم برداری نہیں کی بلکہ ن م راشد نے اپنا ایک نیا راستہ خود تجویز کیا جو پچھلی ساری روایات سے مختلف اور منفرد تھا۔ چنانچہ جدید نظم نگاری میں راشد نے اپنا ایک اہم مقام بنایا۔ اس سبق میں آپ ن م راشد کی

نظم نگاری کی انفرادیت کا تجزیہ کرسکیں گے،ان کے حالات زندگی کے مختلف موڑ اوران کی ادبی کارکردگی کا جائزہ لے سکیں گے۔آپ اس سبق میں ن م راشد کی شاعری کی متنوع کیفیات وامتیازی خصوصیات کے ساتھ ساتھ عصری شاعری پرن م راشد کے اثرات کا بھی مطالعہ کریں گے۔اس کے ساتھ ساتھ ان نظموں دو 'شبابِ گریزاں اورسباویراں' کا تشریحی مطالعہ بھی کریں گے۔

2.4.3 ن م راشد کے حالاتِ زندگی

ن م راشد کا صل نام نذر محمد راشد تھا۔ان کی پیدائش ضلع گوجرانوالہ کے اکال گڑھ قصبے میں یکم اگست 1910 کو ہوا۔ان کے والد اسکول انسپکٹر تھے۔راشد نے 1928 میں گورنمنٹ ہائی اسکول اکال گڑھ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور گورنمنٹ کالج لائل پور سے انٹرمیڈیٹ اور وہیں سے بی اے آنرس انگریزی اور بی اے آنرس فارسی کے امتحانات بھی پاس کئے۔1930 میں ایم اے اقتصادیات میں داخلہ لیا اور PCS کے امتحان بھی دیئے لیکن ناکام رہے۔ن م راشد کی شادی ان کی ماموزاد بہن سے 1935 میں ہوئی جن سے پانچ اولاد ہوئی۔1939 میں آل انڈیا ریڈیو میں نیوز ریڈر اور پروگرام اسسٹنٹ مقرر کئے گئے۔1943 میں فوج میں آرمی کمیشن حاصل کرکے بیرون ملک چلے گئے۔ 1947 تک ایران،عراق،مصر میں مقیم رہے۔1947 میں فوجی ملازمت بھی چھوڑ دیا اور دوبارہ آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن میں اپنی خدمات انجام دی۔1952 میں اقوام متحدہ سے منسلک ہوگئے۔اس سلسلے میں نیویارک، جکارتا،کراچی اورتہران میں اپنی خدمات انجام دیں۔1961 میں بیوی کا انتقال ہوگیا اور ستمبر 1963 میں انہوں نے عقد ثانی کیا۔راشد خاص طور سے ای۔ایم فاسٹر، ڈی۔ایچ۔لارنس،جیمس جوائس،آسکر والیڈ،میلسن،ٹالسٹائی،دوستوفسکی اورٹی۔ایس ایلیٹ جیسے مغربی مفکرین سے اثر قبول کیا جبکہ رومی اور حافظ کا اثر فارسی شاعری کے توسط سے قبول کیا۔راشد 1974 میں تہران سے اقوام متحدہ کی

مرکزی اطلاعات کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے سبک دوش ہوئے اور پنشن لے کر لندن میں مستقل طور پر مقیم ہوگئے۔ن م راشد کا انتقال 19 اکتوبر 1975 کو لندن میں ہی ہوا۔

2.4.4 ن م راشد کی نظم نگاری

عزیز طلبا! ہم جب بھی آزاد اردو نظم کی ذکر کرتے ہیں ن م راشد کا نام پہلے ہی زبان پر آجاتا ہے۔آزاد نظم کی خوبی وخرابی، نیک نامی و بدنامی، موافقت ومخالفت غرض کہ آزاد نظم کی ساری خوبیوں و خامیوں کے ساتھ ن م راشد کا نام لازم وملزوم ہوگیا ہے۔ بلکہ ناقدوں نے آزاد نظم پر جب بھی تبصرہ کیا ہے تو ن م راشد کا نام سرفہرست رہا۔ جدید اردو نظم پر راشد کا اتنا گہرا رنگ وآہنگ چھایا ہوا ہے کہ ہیئت و معنی میں، نظم کی گہرائی وپیچیدگی میں ان کی انفرادیت جھلکتی ہے۔قارئین کو بہت ہی شکایتوں کے ساتھ ان کے ابہام کی بھی شکایت ہے۔راشد کی نظموں کی تکنیک ایسی ہے کہ آسانی سے معنی تک رسائی ممکن نہیں۔ ان کی نظموں کے معنی نکالنے کے لئے ذہن ودل کی پر پیچ گلیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ان کے آزاد نظم نگاری پر سید جابر علی نے لکھا ہے:

> ''اردو میں آزاد نظم اور ن م راشد کا نام ایک ہی ساتھ آتے ہیں۔آزاد نظم کی خوش قسمتی سمجھنی چاہئے کہ اسے راشد جیسا ذہین وطبع قافلہ سالار ملا، یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ راشد کی شخصیت کے بغیر اردو میں آزاد نظم کی ترقی ایک خوابِ پریشاں ہوکر رہ جاتی''۔
>
> ادبی دنیا، لاہور، ستمبر 1946

راشد نے اردو شاعری میں موجودہ نظام کو یکسر نہیں بدلا اور نہ شاعری کا نیا نظام قائم کیا بلکہ انہوں نے اردو شاعری کے ان تمام انداز واطوار کو جدید شاعری میں سمودیئے جن سے جدید اردو شاعری میں

ایک نیا پن اور دلکشی آ گئی۔ گویا راشد نے پرانی طرز شاعری سے بغاوت نہیں ایک خوش گوار سمجھوتا کیا۔ ن م راشد کی کلیات میں انکے مجموعہ ماورا، ایران میں اجنبی، لا+انسان اور گمان کا ممکن کے علاوہ بھی دوسری دس نظمیں شامل ہیں۔ راشد کی نظموں میں دیو مالائی تہذیب کے نقوش کے ساتھ تاریخی وتہذیبی پس منظر بھی ہے اور ماضی کا حال و مستقبل سے رشتہ بھی۔ انہوں نے انسانی طرز معاشرت کے دکھ درد کو جہاں اپنی شاعری کا موضوع بنایا وہیں سماجی و معاشی مسائل کو بھی اپنی نظموں میں جگہ دی۔ راشد نے یزداں اور اہرمن کو بھی ہدف تنقید بنایا۔ اپنی نظم انسان میں لکھتے ہیں:

الٰہی تیری دنیا جس میں ہم انسان رہتے ہیں
غریبوں، جاہلوں، مردوں کی، بیماروں کی دنیا ہے
یہ دنیا بے کسوں کی اور لاچاروں کی دنیا ہے
ہم اپنی بے بسی پر رات دن حیران رہتے ہیں!
بنالی اے خدا اپنے لئے تقدیر بھی تو نے
اور انسانوں سے لے لی جرأت تقدیر بھی تو نے
کسی سے دور یہ اندوہ پنہا ہو نہیں سکتا
خدا سے بھی علاج درد انساں ہو نہیں سکتا

یوں تو ماورا کی نظموں میں بھی راشد کے ذہنی تناظر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے لیکن ان کے دوسرے مجموعہ کلام 'ایران میں اجنبی' میں ان کے ذہنی تناظر کی مزید وسعت نظر آتی ہے۔ ماورا کی مشہور نظموں میں عرفان، گناہ اور محبت، جرأت پرواز، اجنبی عورت، حسن جاوداں، زوال، اظہار اور دریچے کے قریب خاص ہیں۔ جبکہ ایران میں اجنبی کی نظموں میں شباب گریزاں، پہلی کرن، جنگیں، نمرود کی خدائی، کون سی الجھن کو سلجھاتے ہیں ہم اور سبا ویراں معروف و مشہور نظمیں ہیں۔ ان کے تیسرے مجموعہ کلام لا=انسان میں مجموعے کے نام کے ساتھ ساتھ کئی نظمیں بھی علامتی اظہار کی نمائندہ نظمیں ہیں مثلاً ''حسن کوزہ گر'' جو چار حصوں پر مشتمل طویل نظم ہے۔ اسرافیل کی موت، گداگر، افسانہ شہر، زمان وخدا ہے اور اس پیڑ پر ہے زعم کا سایہ۔ راشد کا آخری مجموعہ کلام 'گمان کا ممکن' ہے۔ اس میں انہوں نے زندگی کے معنی اخذ کرنے کی

بھرپور کوشش کی ہے۔اس مجموعے میں اندھا کباڑی، نیا آدمی، گمان کا ممکن، جو تو ہے تو میں ہوں، پانی کی آواز، سمندر کی لہریں، سرالاپ اور سفرنامہ وغیرہ اہم نظمیں شامل ہیں۔

ن م راشد جہاں مشرقی شعریات کی تفہیم میں مہارت رکھتے تھے وہیں انہیں عصری مغربی شاعری سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ راشد نے موجودہ تشبیہوں اور استعاروں میں اور تلمیحات میں اکثر و بیشتر ندرت ہیدا کی ہے۔اس کی مثال ماورا کی پہلی نظم جرأت پرواز اورآخری نظمیں خودکشی اور اجنبی سے دی جاسکتی ہے۔ن م راشد کی شاعری میں جہاں سبا وسلیمان، نمرود، سومنات وغیرہ کا تعلق تاریخ سے ہے تو دیوآئینہ اور سمندر اساطیری علامتیں ہیں۔آگ، صحرا اور ریت کا تعلق تہذیبی علامتوں سے ہے۔انہوں نے حسن کوزہ گر، اندھا کباڑی، اجنبی عورت، کیمیا گر، درویش اور زندگی ایک پیرہ زن جیسی نظموں میں منفرد علامتوں کو استعمال کر کے اردو شاعری کو نئی فکر سے روشناس کیا ہے۔

2.4.5 نظم 'شباب گریزاں' کی تشریح

(متن)

مئے تازہ و ناب حاصل نہیں ہے
تو کرلوں گا دُردِ تہ جام پی کر گزارا!
مجھے ایک نورس کلی نے
یہ طعنہ دیا تھا:
تری عُمر کا یہ تقاضا ہے
تو ایسے پھُولوں کا بھونرا بنے

جن میں دو چار دن کی مہک رہ گئی ہو۔
یہ سچ ہے وہ تصویر

جس کے سبھی رنگ دھندلا گئے ہوں
نئے رنگ اُس میں بھرے کون لاکر
نئے رنگ لائے کہاں سے؟
ترے آسماں کا،
میں اک تازہ وارد ستارا سہی،
جانتا ہُوں کہ، اس آسماں پر
بہت چاند، سورج، ستارے اُبھر کر
جو اِک بار ڈوبے تو اُبھرے نہیں ہیں
فراموش گاری کے نیلے اُفق سے،
اُنہی کی طرح مَیں بھی
ناتجربہ کار انساں کی ہمّت سے آگے بڑھا ہُوں،
جو آگے بڑھا ہُوں،
تو دل میں ہوس یہ نہیں ہے
کہ اب سے ہزاروں برس بعد کی داستانوں میں
زندہ ہو اک بار پھر نام میرا!
یہ شامِ دِل آویز تو اِک بہانہ ہے،

اِک کوشش ناتواں ہے
شبابِ گُریزاں کو جاتے ہُوئے روکنے کی
وگرنہ ہے کافی مجھے ایک پل کا سہارا،
ہُوں اِک تازہ وارد، مصیبت کا مارا
مَیں کرلُوں گا دُردِ تہ جام پی کر گزارا!

شباب گریزاں ن م راشد کے معروف ومشہور مجموعہ کلام ایران میں اجنبی سے ماخوذ نظم ہے۔ عزیز طلبا! آپ جانتے ہیں کہ ایران میں اجنبی کی اکثر نظموں میں جدید دنیا کی اوراس کے انسانوں کے تنازعات، تضادات، سماجی کشمکش اور تہذیبی بغاوت کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ ان نظموں میں اکثر جگہ ایسا لگتا ہے کہ ن م راشد وسط ایشیائی اور مشرق وسطی کی عجمی ثقافت کو شعوری اور لاشعوری طور پر محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔آپ جانتے ہیں کہ راشد نے اپنے شعری کائنات کے منظرنامے کو عجمی، عربی اور وسط ایشیائی تہذیب وثقافت کے شعری لغت سے ترتیب دیا ہے۔ ان خطوں کی تہذیبی، تاریخی، ثقافتی اور ادبی امتیازات کا جادو ان کی اکثر نظموں کے سر پر چڑھ کر بولتا ہے۔ یہی وجہ کہ راشد کی شاعری کے منظرنامے پر آشوب، انسانی انحطاط، سماجی جبروتشدد، استحصال اور معاشرتی تبدیلیوں کا عمل نہایت تیزی سے ابھرتا ہے۔ شباب گریزاں دراصل پوری انسانی زندگی کا آشوب ہے۔ راشد نے جس طرح اپنی دیگر نظموں میں مخصوص علامتوں کے ذریعہ حقائق کی پردہ کشائی کی ہے وہ شباب گریزاں میں بھی نظر آتی ہے۔ دراصل شباب گریزاں عہد گزشتہ کی پرتپاک عیش وعشرت کی زندگی کے بعد زوال کا اشاریہ ہے۔ وہ شخصیتیں جن کے پاؤں اطلس وکمخواب پر سے اترتے نہیں تھے اب وہ در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہیں اوران کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ وہ حضرات جن کے دسترخوان خانہ یغماں تھے اب وہ

سوکھی روٹی کے ٹکڑوں کے لئے بھٹک رہے ہیں۔جن کے میخانے خالص وبیش قیمتی شرابوں سے بھرے پڑے تھے اب انہیں ان شرابوں کی بوتلوں میں بچی ہوئی تلچھٹ اور جوٹھوں پر گزارا کرنا پڑ رہا ہے۔ٹھیک اس شعر کے مصداق

اب تو اتنی بھی میسر نہیں میخانے میں　　　　جتنی ہم چھوڑ دیا کرتے تھے پیمانے میں

ٹھیک اسی طرح اس دنیا سرائے فانی میں رہنے والے انسانوں کی بے ثباتی کی تشبیہ کلیوں اور پھولوں سے دی گئی ہے جن کی طبعی زندگی بہت ہی قلیل ہوتی ہے۔

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات　　　　کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

ن م راشد کی نظم میں اس عمر رسیدہ دنیا اور اس میں رہنے بسنے والے کی مثال وقتی شادمانی اور دائمی زوال کا استعارہ ہے۔زوال بھی ایسا کہ جسے دوبارہ فراوانی میں بدلا نہیں جا سکے، جہاں کے بسنے والوں کی زندگی ایک ایسے رنگ سے تشبیہ دی ہے جو دھندلا جائے تو اس میں پھر نئے رنگ نہیں بھرے جا سکتے دنیا کی ہر شے فانی ہے۔سورج، چاند، ستارے زندگی اور روشنی کی علامت ہیں لیکن انسانی زندگی کو ایک بار موت اور زوال ہو جائے تو پھر اسے واپس نہیں لایا جا سکتا ٹھیک ویسے ہی سورج، چاند، ستاروں کے غروب ہونے کے بعد روشنی لوٹائی نہیں جا سکتی۔ بہت سے افراد فانی دنیا میں اپنا نام روشن کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ دنیا اور اس کی ساری چیزیں فانی ہیں۔ ناتجربہ کار انسان پھر بھی آگے بڑھنے اور یہاں قائم و دائم رہنے کی ہوس کرتے ہیں۔لیکن ان کی کوشش عکس ناتمام ثابت ہوتی ہے۔گویا

دل کے بہلانے کو غالب خیال اچھا ہے

اس فانی دنیا میں انسانی شباب بھی ناپائیدار ہے اور انسان ان کلیوں کی طرح ہے جو چند لمحوں

کے لئے کھلتی ہیں اور اپنی خوشبو لٹا کر مرجھا جاتی ہیں۔ شباب گریزاں میں شباب کو روکنے کی ایک ناکام کوشش کو کی مثال پیش کی گئی ہے۔

ن م راشد کی نظم 'شباب گریزاں' دراصل ایران میں ان کے قیام کے دوران ان کے مشاہدات پر مبنی ایک علامتی نظم ہے جس میں انسانی زندگی کی عیش عشرت اور چند روزہ شباب کے ڈھلنے کے بعد رونما ہونے والے حالات کو پیش کرتی ہے۔ اس نظم میں انسانی درد تہہ جاں، نورس کلی، چاند، سورج، ستارے سبھی علامتی اظہار کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ دراصل یہ علامتیں دنیائے فانی کی عیش و عشرت اور اس کی فنا و زوال کا اشاریہ ہیں۔ اس دنیا کے محروم و محکوم خطوں اور اس کے انسانوں کے متعلق وسیع تر آفاقی منظر پیش کرتی ہے۔ غرض کہ ن م راشد کی یہ شاہ کار نظم جو ان کے مجموعہ کلام ایران میں اجنبی سے ماخوذ ہے ہمیں اس فانی دنیا پر غور و فکر کرنے کی تلقین کرتی ہے۔

2.4.6 نظم 'سباویراں' کی تشریح

(متن)

سلیماں سر بزانو اور سبا ویراں
سبا ویراں، سبا آسیب کا مسکن
سبا آلام کا انبار بے پایاں!
گیاہ و سبزہ و گل سے جہاں خالی
ہوائیں تشنہ باراں،
طیور اس دشت کے منقار زیر پر

تو سرمہ در گلوانساں

سلیماں سر بزانوں اور سباویراں

سلیماں سر بزانو ترش رو، غمگیں، پریشاں مو

جہانگیری، جہانبانی، فقط طرارۂ آہو،

محبت شعلہ پراں، ہوس بوئے گل بے بو

ز راز دہر کمتر گو!

سباویراں کہ اب تک اس زمیں پر ہیں

کسی عیار کے غارت گروں کے نقش پا باقی

سبا باقی، نہ مہروئے سبا باقی!

سلیماں سر بزانو

اب کہاں سے قاصد فرخندہ پے آئے؟

کہاں سے، کس سبو سے کاسہ پیری میں مے آئے؟

عزیز طلبا! نظم سباویراں ن م راشد کے تیسرے مجموعہ کلام ایران میں اجنبی کی معروف و مشہور نظم سے ہے۔ یہ نظم انسان کی عصری زبوں حالی اور درماندگی کی تصویر پیش کرتی ہے۔ پوری نظم علامتی ہے۔ اردو شاعری میں بہت ہی کم ایسی نظمیں ملتی ہیں جن میں سباویراں کی طرح گہرا تصور پایا جاتا ہو۔اس نظم میں فطری گہرائی کے ساتھ ساتھ صوتی دلکشی اور تاریخ و تہذیب کے عملی شعور کا حزنیہ آہنگ ملتا ہے۔نظم کے دو کردار سلیمان اور سبا ایسی تاریخی علامتیں ہیں جو شان و شوکت اور عزت و عظمت کی گواہی دیتے ہیں۔راشد نے ان دونوں علامتوں کو اور ان کے زوال و بے بسی کو نظم کا موضوع بنایا ہے۔نظم میں سلیمان

دورِ جدید کے انسان کی علامت ہے جو بہر حال پریشان ہے اور کرب ناک و بے بسی اور بے چارگی کا شکار ہے جبکہ نظم میں سبا موجودہ دنیا کی علامت ہے جو یکسر بنجر ہوگئی ہے اور ہیئتی زندگی میں انسانی تہذیب بہت حد تک اپنا حسن و جمال کھو چکی ہے۔ یہاں شاعر شان و شوکت کی ان نشانیوں کو بدترین حالت میں پہنچنے پر اظہارِ افسوس کرتا ہے۔

سلیماں سر بزانوں اور سبا ویراں
سلیماں سر بزانو ترش رو ، غمگیں، پریشاں مو

سبا کی ویرانی اور بربادی پر قاری کا ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ سبا کی زمیں کیوں ویران ہے۔ بہت غور کرنے پر اس مسئلے کا پتہ چلتا ہے کہ صرف سبا کی ویرانی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ پوری بنی نوع انساں کی تباہی کا مسئلہ ہے۔ چوں کی سبا بھوت پریت اور شیاطین کا مسکن بن گئی ہے۔ یہاں اشارہ دنیا کی طرف ہے جس پر غیر مرئی طاقتوں نے قبضہ جمالیا ہے اور یہ دنیا نباتات و جمادات، پیڑ پودوں کی ہریالی سے یکسر خالی ہوتی جارہی ہے جہاں نہ گھاس ہے نہ سبزہ ہے نہ ہی پھول۔ یہاں ن م راشد نے قدرتی قوانین کی طرف اشارہ کیا ہے جب ہوا میں نمی ہوگی تو ہر جانب بارش ہوگی اور ہریالی ہوگی لیکن یہاں سبا کا منظر اتنا مایوس کن ہے کہ پرندے بھی اپنے چونچ کو اپنے پروں میں سمیٹے بیٹھے ہیں اور وہ آب و دانہ کے نشان تک سے محروم ہوگئے ہیں اور سبا پر بسنے والے سب سے بڑی ذی روح انسان کی حالت اتنی خراب ہوگئی ہے کہ ان کا دل غم واندوہ سے چور ہے اور آواز سرد ہوگئی ہے۔

بند کے پہلے دو حصوں میں ویرانی اور زوال کا منظر ہے اور تیسرے حصے میں سبا کی ویرانی اور زوال کی وجوہات بیان کی گئی ہے کہ ان کی تباہی اور زوال کا سبب کوئی عیار اور غارت گر ہے جو سبا پر اپنے سائے کو پھیلائے ہوئے ہے۔ اصل میں نظم علامتی طور پر دوسری عالمی جنگ سے ہونے والی تباہ کاریوں کی

طرف اشارہ کرتی ہے۔ بالخصوص ان مسلم ممالک اور ایران میں سماجی، معاشی اور سیاسی انحطاط کی وجہ ان غیر ملکی استعماریت کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اپنی شیطانی طاقت سے اچھے خاصے تہذیب یافتہ اور خوش حال ممالک کو بربادی کے دہانے پر لاکر کھڑا کردیا اور اپنے نوآبادیاتی نظام کا حصہ بنالیا۔ نظم میں غارت گر نوآبادیاتی طاقتوں کی علامت ہے جس نے ایران کو برباد کردیا۔ نظم کا آہنگ حزنیہ ہے جو معنوی علامت نگاری کا اعلی معیار پیش کرتا ہے۔ نظم کا آخری حصہ بھی مایوسی اور غیر یقینی کا منظر پیش کرتا ہے۔ سلیمان سر بزانو ہے اور اس کے اندر حس وحرکت باقی نہیں کہ وہ ان ظالم طاقتوں کو روک سکے۔

اب کہاں سے قاصد فرخندہ پے آئے؟
کہاں سے، کس سبو سے کاسہ پیری میں مے آئے؟

نظم میں سبھی علامتیں، تمثیلیں اور تشبیہات وتلمیحات تاریخ کے مخصوص کرداروں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کل ملا کر ن م راشد کہ یہ نظم ہر نقطہ نظر سے مکمل ہے اور قاری پر اپنا گہرا اثر چھوڑتی ہے۔ دنیا کی بے ثباتی، خیر وشر اور تاریخ مختلف عہدوں پر غور وفکر کرنے کے لئے اکساتی بھی ہے۔

2.4.7 خلاصہ

عزیز طلبا! اس سبق میں آپ نے ن م راشد کی دو معروف نظموں سبا ویراں اور شباب گریزاں کا مطالعہ کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ن م راشد جدید نظم نگاری کے شعرا میں سرفہرست ہیں اور کثیر جہات شخصیت کے مالک بھی۔ وہ اردو انگریزی اور عربی کے علاوہ فارسی اور فرانسیسی زبانوں پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ ان زبانوں کی مختلف اصناف ادب سے اپنی کی شاعری کے لئے خام مال تیار کیا۔ ن م راشد نے اردو نظم نگاری میں کئی ہیئتی تجربے بھی کئے اور تنقید کا نشانہ بنے۔ لیکن انہوں نے عقلی اور استدلالی اور فطری رجحان کا راستہ نہیں چھوڑا۔ ان کی نظموں میں انسانی ہمدردی، مساوات، تاریخ و

تہذیب اور ثقافت کے میلانات کی آمیزش صاف دیکھی جاسکتی ہے۔ان کی شاعری پر وسطی ایشیا اور عرب وعجم کی تہذیب وثقافت نے گہرا اثر ڈالا۔ یہ دونوں نظمیں ان ہی پس منظر میں لکھی ہوئی ہیں۔

زیرِ مطالعہ نظم 'سبا ویراں' راشد کے دوسرے مجموعہ کلام ایران میں اجنبی کی معروف ومشہور نظم ہے۔ یہ نظم انسانی زبوں حالی اور درماندگی کی تصویر پیش کرتی ہے۔سبا ویراں کا پورا تانا بانا علامتی ہے۔نظم کے دو کردار سلیمان اور سبا ایسی تاریخی علامتیں ہیں جو ماضی کی شان وشوکت اور عزت وعظمت کی گواہی دیتے ہیں۔لیکن آج ایک کرب ناک اور بے کسی وکسم پرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔سبا موجودہ دنیا کی علامت ہے جو مشینی زندگی میں اپنی تہذیب اور اپنا جمال کھوکر ایک مشین کی مانند ہوگئی ہے۔نظم کے دو حصوں میں سلیمان اور سبا کی ویرانی اور زوال کی منظر کشی ہے اور تیسرے حصے میں سبا کی ویرانی اور زوال کے وجوہات بیان کئے گئے ہیں۔

دوسری معروف نظم 'شباب گریزاں' بھی ن م راشد کے اسی مجموعہ کلام ایران میں اجنبی سے ماخوذ ہے۔اس نظم میں انسانی زندگی اور دنیا کی بے ثباتی کی کشمکش دکھائی گئی ہے۔ دراصل یہ نظم ہماری معاشرتی زندگی اور قوموں کا آشوب ہے۔شباب گریزاں ماضی کی عیش وعشرت اور حال کی کسم پرسی کی بے مثال تصویر کشی ہے۔اس نظم میں وہ علامتیں استعمال کی گئی ہیں جن کو ثبات ودوام حاصل نہیں۔راشد نے بڑی خوبصورتی سے علامتوں کے ذریعہ انسانی زندگی کی بے ثباتی کو پیش کیا ہے۔کل ملا کر یہ نظمیں ن م راشد دوسرے مجموعہ کلام ایران میں اجنبی کی نمائندہ نظمیں ہیں۔

2.4.8 فرہنگ

قافلہ سالار	سردارِ قافلہ، میرِ قافلہ
خوابِ پریشاں	بے آرامی کی نیند، ڈراؤنا خواب

بے کس	بے یارومددگار، محتاج، تنہا
آشوب	فتنہ وفساد، ہل چل
اطلس	ایک قسم کا ریشمی کپڑا
گیاہ	خشک گھاس
منقار	چونچ
طرارہ	اچھل کود
فرخندہ	خوشی
سبو	گھڑا، مٹکا

2.4.9 نمونہ امتحانی سوالات

1 ن م راشد کے حالات زندگی پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

2 نظم سباویراں کے حوالے سے ن م راشد کی نظم نگاری کا جائزہ لیجئے۔

3 نظم شباب گریزاں کے پس منظر میں استعمال کی گئی علامتوں سے بحث کیجئے۔

4 سباویراں اور شباب گریزاں نظموں کی تاریخی اور تہذیبی پس منظر سے بحث کیجئے۔

2.4.10 مزید مطالعہ کے لئے

1 ن م راشد، کلیات راشد

2 ڈاکٹر تسنیم کاشمیری، لا+راشد

3 ڈاکٹر کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک

4 پروفیسر حنیف کیفی، اردو میں نظم معری اور آزاد نظم

UNIT-III

نظم ’’مناجات بیوہ‘‘ کا تنقیدی مطالعہ

اکائی کی ساخت

3.1.1 تمہید

3.1.2 تعارف

3.1.3 حالی بحیثیت نظم نگار

3.1.4 نظم ’مناجات بیوہ‘ کا تنقیدی مطالعہ

3.1.5 خلاصہ

3.1.6 فرہنگ

3.1.7 امتحانی سوالات

3.1.8 مزید مطالعہ کے لئے

3.1.1 تمہید

انیسویں صدی کے آخر میں معاشرتی،معاشی اور سیاسی تبدیلی کے زیر اثر اردو اصناف ادب میں نمایاں تبدیلی دیکھنے کو ملتی ہے۔خواہ وہ نثری اصناف ہوں یا شعری۔ادب کو سماج کا آئینہ کہا جاتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ سماجی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ادبی رجحانات میں بھی تبدیلیاں رونماں ہوں۔اردو اصناف ادب میں مختلف محاذ پر خوش گوار تبدیلیاں رونما ہوئیں بالخصوص نثری اصناف میں فکشن اور شعری اصناف میں نظم نگاری میں جدید رجحانات دیکھنے کو ملتے ہیں۔جن ادبا و شعرا نے دونوں اصناف ادب کو متاثر کیا ان میں مولانا الطاف حسین حالی کا نام نمایاں ہے۔مولانا الطاف حسین حالی گردش لیل و نہار کے شکار رہے لیکن کبھی ہار نہیں مانی اور اردو زبان و ادب کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔اردو کے سوانحی ادب میں اول مقام حالی کا تو ہے ہی اردو تنقید میں بھی وہ حقیقی تنقید نگاری کے پیش رو کہے جا سکتے ہیں۔سوانح نگاری میں حیات جاوید،حیات سعدی اور یادگار غالب اردو میں سوانحی ادب کی راہیں روشن کرتی ہیں تو مقدمہ شعر و شاعری شعری تخلیقات میں مثبت تبدیلی کی دعوت دیتا ہے۔اس کے علاوہ جدید اردو نظم کے بنیاد گزاروں میں اسماعیل میرٹھی،مولانا محمد حسین آزاد کے ساتھ مولانا الطاف حسین حالی کا نام بھی سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔عزیز طلبا! آپ اس سبق میں مولانا الطاف حسین حالی کی معروف و مشہور نظم،مناجات بیوہ،کا تنقیدی مطالعہ کریں گے۔

3.1.2 تعارف

مولانا الطاف حسین حالی کو نثر و نظم دونوں میں یکساں اہمیت حاصل ہے۔گزشتہ صدی میں جو بھی ادبی سرمایہ سامنے آیا ہے حالی کا اس پر نمایاں اثر دیکھا جا سکتا ہے۔حالی کو سماجی برابری اور معاشرے میں عورتوں کے تئیں ناروا سلوک پر بہت ہی افسوس تھا اور کیوں کہ تعلیم نسواں کے علم بردار تھے۔حالی نے اپنی

پہلی نثری تصنیف ناول کے پیرایے میں ’مجالس النسا‘ کے نام سے کی ۔اس میں تعلیم نسواں کے مسائل پیش کیے گئے ۔انہوں نے اردو ادب کو چار لافانی کتابیں مقدمہ شعروشاعری، یادگار غالب، حیات سعدی اور حیات جاوید دی۔اس کے علاوہ ان کے مقالوں کے مجموعے اور خطوط کے مجموعے بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ان کی کی مشہورومعروف نظم مدوجزر اسلام جسے عرف عام میں مسدس حالی کہا جاتا ہے کے مقدمے کے طور پر جوتنقیدی تحریر سامنے آئی بعد میں اس مقدمے کو اردو تنقید کی مستند اور اہم تصنیف قرار دیا گیا۔حالی نے پہلی بار منظّم طور سے مدلل انداز میں اردو شاعری کے اصول وضوابط پیش کئے ۔مقدمہ شعروشاعری کو دور جدید کی تنقید کی بنیادی اور اہم کتابوں میں شمار کرنا چاہئے ۔حالی کی خدمات اردو کی نصابی کتابوں کی تالیف وتصنیف میں بھی گراں قدر ہے تاہم فن صنف شاعری میں دوسروں سے الگ ہٹ کر ایک جدید طرز شاعری کی بنیاد ڈالی جس کی وجہ سے جدید اردو نظم کے پیش رو کہے جا سکتے ہیں۔حالی کو بیک وقت دو مشہور زمانہ شعراو مصنفین مرزا اسداللہ خاں غالب اور نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے۔حالی نے ہندوستانی وضع قطع کو چھوڑ کر مغرب کی پیروی اور مغربی تہذیب وتمدن کو کبھی برتر تسلیم نہیں کیا۔حالاں کہ انہیں مشرقی تہذیب وتمدن کے زوال وانحطاط کا شدید احساس تھا اور وہ اپنے آباواجداد اور ماضی کے اعلی کردار اور کارناموں کی بازیافت چاہتے تھے۔وہ ایک پرسکون کثیر ثقافتی سماج کے حامی تھے۔ان کی شاعری کا مقصد معاشرتی و مذہبی اصلاح تھا جس کا کام وہ ادبی اصناف بالخصوص نظم نگاری سے لینا چاہتے تھے۔اس ضمن میں حالی نے کئی معرکتہ الآرا نظمیں لکھیں جو سماجی اور معاشرتی اور اقداری اصلاح پر مبنی ہیں ۔تصور نسواں اور مساوات اور عورتوں کی فلاح و بہبود، سماج میں ان کی حصے داری ،مختلف طبقات میں عورتوں کی حیثیت ان سب سے متعلق اصلاحی پیرائے میں ان کی دو نظمیں ’چپ کی داد‘ اور ’مناجات بیوہ‘ بہت ہی معروف ومشہور ہیں۔عزیز طلبا!

اس سبق میں آپ حالی کی معروف نظم ''مناجات بیوہ'' کا تنقیدی جائزہ لیں گے۔

3.1.3 حالی بحیثیت نظم نگار

عزیز طلبا! آپ پڑھ چکے ہیں کہ حالی نے اردو ادب کی تقریباً سبھی اصناف میں طبع آزمائی کی۔ ناول اور مقالے لکھے، تنقیدی نظریہ اور جائزہ پیش کیا، سوانح عمریاں لکھیں لیکن جس صنف نے حالی کو دوام بخشا وہ ان کی جدید نظم نگاری ہے۔ حالی سے پہلے خال خال ہی شعرا نے موضوعی نظموں کی طرف توجہ کی تھی جس کی مثال مولانا محمد حسین آزاد، مولوی اسماعیل میرٹھی، قلق میرٹھی اور ان سے پہلے نظیر اکبر آبادی و قلی قطب شاہ کے یہاں ملتی ہے۔ حالی ان سبھی شعرا میں اس حیثیت سے منفرد ہیں کہ انہوں نے مغربی ادب بالخصوص ان کے ادبِ اطفال اور بچوں کی نظموں سے خاطر خواہ استفادہ کیا۔ ان کے ترجمے کئے، تلخیص کر کے اردو کے قالب میں ڈھالا۔ انگریزی نظموں کے مختلف موضوعات کو اور مغرب کے معروف شعرا کی انگریزی نظموں کے Theme کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی کامیاب کوشش کی۔

حالی نے اپنے معاصرین کی طرح اپنی شاعری کا آغاز غزل سے ہی کیا لیکن بہت جلد غزل کی پر کیف وادیوں سے موضوعی نظموں کی سنگلاخ زمینوں میں واپس آگئے کہ یہی ان کی افتادِ طبع سے زیادہ میل کھاتا تھا اور اسی نظم نگاری کو معاشرے کی فلاح و بہبود، سماجی مساوات، اقدار و اخلاق کی ترویج، مذاہب کے بہترین اصولوں کی تبلیغ اور مظلوموں کی آواز کو بلند کرنے کے لئے منتخب کیا۔ حالی طویل نظم نگاری کے شعرا میں اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔ الطاف حسین حالی نے تقریباً سبھی ہیئتوں مثلث، مربع، مخمس،، مسدس، رباعی وغیرہ میں نظمیں کہی ہیں خاص طور سے مدوجزر اسلام ایسی نظم ہے جو اپنی ہیئت کے نام 'مسدس حالی' سے ہی مشہور ہے۔

روزگار کی تلاش میں جب مولانا الطاف حسین حالی لاہور پہنچے تو وہاں سر شتہ تعلیم ان کی روزگار کا

ذریعہ اور انجمن پنجاب ان کی نظموں کی شہرت کا ادارہ۔ مولانا حالی نے انجمن پنجاب کے زیر اہتمام موضوعات پر مشتمل یکے بعد دیگرے چار مشاعروں میں شرکت کی اور بالترتیب 'برکھا رت' 'نشاط امید' 'حب وطن' اور مناظر رحم وانصاف' پیش کیا۔ ان ہی نظموں سے نظم نگاری کی جدید طرز کی تحریک کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ حالی نے انجمن پنجاب کے مشاعروں کی اہمیت اور غرض وغایت پر روشنی ڈالتے ہوئے خود لکھا ہے:

''اس مشاعرے کا مقصد یہ تھا کہ ایشیائی شاعری جو کہ دروبست عشق اور مبالغہ کی جاگیر ہوگئی ہے، اس کو جہاں تک ممکن ہو وسعت دی جائے اور اس کی بنیاد حقائق وواقعات پر رکھی جائے''۔

مجموعہ نظم حالی۔ مطبع العلوم علی گڑھ، بحوالہ کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میرا جی تک

عزیز طلبا! یہ بتایا جا چکا ہے کہ مولانا الطاف حسین حالی نے سبھی اصناف نظم پر طبع آزمائی کی۔ اس زمرے میں حالی شخصی مرثیے کے لئے بھی بہت معروف ہوئے خاص طور سے اپنے بڑے بھائی کا مرثیہ، مرزا غالب کا مرثیہ، مرثیہ حکیم محمود خان، ملکہ وکٹوریہ کا مرثیہ اور محسن الملک کا مرثیہ قابل ذکر ہیں جو مسدس، قطع اور ترکیب بند کی ہیئت میں لکھی گئی ہیں۔ حالی نے بہت اچھی رباعیاں بھی کہی ہیں جو خاص طور سے نئی نسل کے لئے اقدار واخلاقیات پر مبنی ہیں۔ حالی کے ہم عصر شعرا اور بعد کے شعرا بھی ان کی بنائی ہوئی نظم جدید کی شاہ راہ پر دور دور تک چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ حالی کی نظموں کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ انہوں نے جدید نظم نگاری کے فروغ کے لئے اہم رول ادا کیا۔ فکر اور اسلوب دونوں اعتبار سے حالی نے اردو شاعری کو ایک نئی شاہ راہ عطا کی۔

3.1.4 نظم 'مناجات بیوہ' کا تنقیدی مطالعہ

مولانا الطاف حسین حالی کی شناخت ان کی طویل اخلاقی، معاشرتی اور اصلاحی، موضوعات پر لکھی ہوئی نظمیں ہیں۔ان ہی طویل اور معاشرتی اصلاح کی موضوع پر لکھی ہوئی نظم 'مناجات بیوہ' ہے۔ حالی نے عورتوں کی زبوں حالی، تعلیم سے دوری اور معاشرتی قیدو بند کے خلاف کئی نظمیں لکھی جن میں چپ کی داد، برکت اتفاق، بیٹیوں کی نسبت، کلمۃ الحق اور جواں مردی وغیرہ خاص ہیں۔ مناجات بیوہ 1884 میں لکھی گئی۔ظاہر ہے وہ زمانہ سیاسی اور سماجی تبدیلی کا زمانہ تھا اور حالی اس نظم سے ایک خاص قسم کی سماجی برائی کو عوام کے سامنے لانا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے یہ طویل نظم لکھی۔ پوری نظم غم واندوہ کی فضا میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ہندوستانی سماج میں بیوہ کی حیثیت،اس کے خاندان میں اپنے یگانوں اور رشتے داروں میں اس کی تکلیف دہ حالات، ایک بیوہ کی داخلی کیفیات اوراحساسات و جذبات کو اس قدر مؤثر ڈھنگ سے پیش کیا ہے کہ ساری صورت حال اور عیب و ہنر سامنے آجاتی ہے۔ پوری نظم میں ایک خاص کیفیت کی اداسی و محرومی پائی جاتی ہے۔نظم کے مطالعے کے بعد خود حالی کے انسانی نفسیات کے مطالعے کا پتہ چلتا ہے کہ ایک مرد ہو کر بھی عورتوں کے داخلی احساسات، کیفیات، جذبات اور نفسیاتی انتشار کو کس قدر نزدیک سے محسوس کیا ہے۔

نظم خاصی طویل ہے اور مثنوی کی ہیئت میں لکھی ہوئی ہے۔نظم ''مناجات بیوہ'' بارہ حصوں میں منقسم ہے ہر ایک حصہ ایک دوسرے سے جڑا ہوا بھی ہے اور الگ بھی۔ حالی کی نظم نگاری کی امتیازی خصوصیات الفاظ کی بندش، خیالات کی برجستہ پیش کش، اظہار کی تازگی اور مختلف زبانوں اور بولیوں کے الفاظ کا موزوں و برجستہ استعمال ہے۔اس نظم میں بھی یہ ساری خوبیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ حالی کی نظمیہ شاعری کو حقیقت پسندی اور مسائلی شاعری پر محمول کیا جاتا ہے' حالی نے فطری انداز میں مسائل کو قاری

کے سامنے رکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے جو مناجات بیوہ میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

نظم حمد یہ و دعائیہ اشعار سے شروع ہوتی ہے اور خداوند قدوس کی مختلف صفات کو ایک بیوہ کی زبانی فریاد کی شکل میں ادا کی جاتی ہے۔

اے سب سے اول اور آخر	جہاں تہاں حاضر اور ناظر
اے سب داناؤں سے دانا	سارے تواناؤں سے توانا

اور پھر آگے بڑھتی ہوئی نظم کئی انداز میں اپنے موضوع کو بیان کرتی ہے۔ بیوہ کی کسم پرسی اور غیر مساویانہ سلوک کو جتنے کامیاب طریقے سے حالی نے بیان کیا ہے اردو ادب میں ہی نہیں ادبیات عالم میں بھی بیوہ کی بے کسی و بے بسی اور قابل رحم حالت کو اتنے پرسوز انداز میں شاید ہی کسی شاعر نے بیان کیا ہو۔ نظم آگے بڑھتی ہے

تیرے سوا اے رحم کے بانی	کون سنے یہ رام کہانی
ایک کہانی ہو تو کہوں میں	ایک مصیبت ہوتو سہوں میں
گر سسرال میں جاتی ہوں میں	نحس قدم کہلاتی ہوں میں
میکے میں جس وقت ہوں آتی	رو رو کر ہوں سب کو رلاتی
سوچ میں میرے سارا گھر ہے	میرے چلن پر سب کی نظر ہے

سسرال والوں کی غیر انسانی رویے کی منفرد انداز میں عکاسی کرتے ہوئے حالی نے بیوہ کے میکے کے افراد کی ذہنی کشمکش اور پریشانی کو بھی بہت ہی پر اثر انداز میں بیان کیا ہے۔ ہندوستانی سماج میں قدیم روایات کے تحت ایک بیوہ کی زندگی کے جہنم جیسے حالات کو حالی نے مناجات بیوہ میں ان ظالمانہ رسوم و قیود کو پر درد انداز سے بیان کیا ہے۔ زبان تصنع اور تکلف سے پاک ہے لیکن تاثیر غضب کی ہے۔

پرانے رسم ورواج کو بیان کرتے ہوئے نظم اورآ گے بڑھتی ہے

اپنے بڑوں کی ریت نہ چھوٹے قوم کی باندھی رسم نہ ٹوٹے
ہو نہ کسی سے ہم کو ندامت ناک رہے کنبے میں سلامت
جان کسی کی جائے تو جائے آن میں اپنی فرق نہ آئے
تجھ پر ہے روشن اے مولا وقت یہ مجھ پر کیسا پڑا تھا

حالی نے ایک بیوہ عورت کی مشکلات و پریشانی کواور زندگی کے طویل سفر میں اکیلے مسافر کی جان کاہ کلفتوں کو بیوہ کی زبانی پرنم آنکھوں سے بیان کیا ہے۔

جان تھی میری آن کی دشمن آن تھی میری جان کی دشمن
آن سنبھالے جان تھی جاتی جان بچائے آن تھی جاتی

بیوہ عورت کی پریشانیوں کی عکاسی اوران مسائل و پریشانیوں کوعوام کے سامنے اجاگر کرنے کی ہمت وصلاحیت حالی میں ہی تھی جنہوں نے بہت ہی پرسوز اور پرخلوص ڈھنگ سے عورتوں بالخصوص بیوہ کے مسائل کواپنا موضوع سخن بنایااور پراثر انداز سے بہت سی سماجی برائیوں کومناجات بیوہ کی زبان میں عوام کے سامنے پیش کیا۔ایک بیوہ عورت کے غم واندوہ کواس پراثر ڈھنگ سے پیش کرنا کہ شاعری کے ساتھ ساتھ سماجی اور معاشرتی اصلاح کا ذریعہ بھی ہوحالی کے ہی بس کی بات تھی۔مناجات بیوہ کی پراثر پیش کش،عورت کی عظمت وپاکیزگی کا بیان اورسماج میں ایک بیوہ کی حیثیت کوجس ڈھنگ سے حالی نے پیش کیااس کااعتراف بہت سے ادبا،شعراونقادنے کیا۔مناجات بیوہ کی اہمیت وافادیت کو بیان کرتے ہوئے اور مولاناالطاف حسین حالی کی شاعرانہ عظمت کااعتراف کرتے ہوئے مولاناعبدالماجددریابادی نے لکھاہے

حالی نے عمر بھر بجز ایک ’بیوہ کی مناجات‘ کے اگر ایک شعر بھی نہ کہا ہوتا تو ان

کے لئے یہی ایک نظم دنیا و عقبیٰ میں بس تھی۔ باتیں اتنی سچی اور روح کی
گہرائیوں سے نکلی ہوئی ہے کہ آسمان کے فرشتے بھی وجد میں آ آ کر رہیں۔
بول اتنے میٹھے کہ خود معصومیت بے اختیار لپٹ لپٹ کر بلائیں لینے لگے‘‘۔
مولانا عبدالماجد دریابادی، ہندوستانی، جلد 6،ص 3، جولائی 1936،
بحوالہ کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میرا جی تک،ص 75

مناجات بیوہ یک بعد دیگرے اپنے بیان سے قاری کے ذہن میں پر سوز اثر چھوڑتے ہوئے آگے بڑھتی ہے اور آخر میں مالک حقیقی سے دعا کرتی ہے کہ اے مالک دو جہاں، اے پروردگار عالم کسی بھی عورت کو بے سہارا اور بے وارث نہ چھوڑنا۔ آخر کے اشعار میں درد اور سادگی کی بلا کی آمیزش نظر آتی ہے۔

اے خاوند خاوندوں کے　　　مالک خاوند اور بندوں کے
واسطہ اپنی خاوندی کا　　　صدقہ اپنی خداوندی کا
تو یہ کسی کو داغ نہ دیجیو　　　کسی کو بے وارث مت کیجیو
کیجیو جو کچھ تیری خوشی ہو　　　رانڈ مگر نہ کیجیو کسی کو

اللہ تعالیٰ نے عورت کو جن اوصاف اور خوبیوں سے نوازا ہے اس کا تذکرہ اور انسانوں نے اس عورت کو فرسودہ رسم و رواج کے پنجے میں جکڑ کر جہاں لا کھڑا کیا ہے ان حالات کی عکاسی مناجات بیوہ میں بہت ہی پر اثر انداز میں کی گئی ہے۔ حالی کا خیال تھا کہ ہم کو اس خیالی دنیا سے باہر نکل کر ان ٹھوس حقیقتوں کا بھی سامنا کرنا چاہئے۔ جو لوگ ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی مصیبت کی گھڑی میں ساتھ نہیں دے سکتے اور فرسودہ رسموں کی قید میں انہیں جکڑ کر رکھتے ہیں ان کے لئے مناجات بیوہ ایک تازیانہ سے کم نہیں۔ مناجات بیوہ سے متعلق اور عورتوں کے لطیف جذبات کے احساس سے متعلق حالی کے خیالات

وجذبات اور بیان کی تاثیر کے متعلق صالحہ عابد حسین نے 'یادگار حالی' میں لکھا ہے:

''مجھے مناجات بیوہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ حالی باوجود مرد ہونے کے ایسا درد آشنا، ایسا حساس، اتنا نازک دل کہاں سے لائے جس نے کم سن بدنصیب بیوہ عورتوں کے صحیح جذبات واحساسات کو اس طرح محسوس کیا جیسے یہ سب کچھ خود ان پر بیت چکا ہو۔لیکن یہی تو اصل شاعر کا کمال ہے کہ ہر ایک کی بیتی خود اس پر گزرتی ہے''۔

صالحہ عابد حسین، یادگار حالی، بحوالہ کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک، ص76

مناجات بیوہ کی ادبی معنویت اور اہمیت وشہرت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا ترجمہ متعدد جدید ہندوستانی زبانوں میں ہو چکا ہے بشمول سنسکرت کے۔

3.1.5 خلاصہ

عزیز طلبا! یونٹ نمبر 3 کے اس اکائی میں آپ نے نظم 'مناجات بیوہ' کا تفصیلی وتنقیدی مطالعہ کیا ہے۔آپ جان چکے ہیں کہ مولانا حالی نے سماج میں پھیلی کوریتیوں اور اندھ وشواس کو سامنے لانے کے لئے اور ان کے خلاف آواز اٹھانے کے لئے نظموں کا سہارا لیا اور سماجی برابری اور معاشرے میں عورتوں کے تئیں ناروا سلوک کو اپنی نظموں کے ذریعہ مؤثر انداز سے پیش کیا۔مولانا حالی کی تقریباً سبھی نظمیں اخلاقیات، اقدار، تاریخ وتہذیب اور انسانی ہمدردی کے موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔انہوں نے خصوصی طور پر عورتوں کی اصلاح پر مبنی اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے جو نظمیں لکھی ہیں ان میں چپ کی داد اور مناجات بیوہ بہت ہی معروف ہیں۔آپ نے اس سبق میں مناجات بیوہ کا مطالعہ کیا ہے جس میں

بیوہ کی ہندوستانی سماج میں حیثیت ،اس کے تئیں اپنے بے گانوں اور رشتے داروں کی ناروا سلوک کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی داخلی کیفیت ،نفسیاتی جذبات واحساسات اور محرومی واداسی کواس مؤثر ڈھنگ سے پیش کیا ہے کہ قاری پر اس کا شدید اثر ہوتا ہے۔ یہ نظم کافی طویل ہے لیکن قاری کے ذہن پر بوجھل نہیں ہوتی۔ بارہ حصوں میں منقسم اس نظم کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔نظم دعائیہ اشعار سے شروع ہوتی ہے اور بیوہ کی زبانی سماج کی اس خامی کو شاعر پر اثر انداز میں بیان کرتا ہے کہ بیوہ کے ساتھ اس کے بڑے، چھوٹے ،رشتے دار کس طرح کے سلوک کرتے ہیں۔ عزت بچانے کے لئے اپنی جان پر کھیلنا پڑتا ہے اور جان بچتی ہے تو عزت داؤ پر لگ جاتی ہے۔ ہر آدمی اس کی مشکلات و پریشانی کو نہیں دیکھتا۔اس کی کلفتوں کو نہیں سمجھتا۔ ہاں اس کی چال چلن پر بہت ہی گہری نظر رکھتا ہے۔آخر میں نظم اللہ تعالی سے دعا کے ساتھ ختم ہوتی ہے کہ اے اللہ کسی کو کچھ بھی مصیبت تو دینا لیکن بیوہ اور رانڈ کی مصیبت مت دینا تا کہ لوگ اس پر لعن طعن کر کے اس کی زندگی جہنم نہ بنائیں۔ مختلف تجزیہ نگاروں نے ، نقادوں نے اور مبصرین نے جن میں صالحہ عابد حسین، مولانا عبد الماجد دریابادی، سرسید احمد خان خاص طور سے شامل ہیں اس نظم کی خوبیوں کو بیان کیا ہے۔

3.1.6 فرہنگ

گراں قدر	عالی مرتبہ، صاحب اعزاز
معرکۃ الآرا	زبردست، زور آور
افتادطبع	طبیعت کے مطابق
مثلث	وہ نظم جس کے ہر بند میں تین مصرعے ہوں
مربع	وہ نظم جس کے ہر بند میں چار مصرعے ہوں

مخمس	وہ نظم جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوں
مسدس	وہ نظم جس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوں
ترکیب بند	نظم کی ایک قسم جس میں ہر بند کا آخری شعر جداگانہ ہوتا ہے
جان کاہ	غم انگیز، محنت طلب
عقبیٰ	آخرت، عاقبت
خاوند	آقا، مالک، شوہر

3.1.7 امتحانی سوالات

1 حالی کی ادبی حیثیت سے بحث کیجیے۔

2 حالی کی موضوعاتی نظم نگاری سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجیے

3 نظم 'مناجات بیوہ' کا سماجی پس منظر بیان کیجیے

4 نظم 'مناجات بیوہ' کی تلخیص اپنی زبان میں لکھیے

3.1.8 مزید مطالعہ کے لئے

1 سید احتشام حسین، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، این سی پی یو ایل، نئی دہلی

2 کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

3 ڈاکٹر شہزاد انجم، خواجہ الطاف حسین حالی (مونوگراف) اردو اکادمی، دہلی

4 صالحہ عابد حسین، یادگار حالی

5 الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر و شاعری

الطاف حسین حالی: جدید نظم کے پیش رو

اکائی کی ساخت

3.2.1 تمہید

3.2.2 تعارف

3.2.3 حالات زندگی

3.2.4 الطاف حسین حالی کی نظم نگاری

3.2.5 الطاف حسین حالی: جدید نظم کے پیش رو

3.2.6 حالی کی نظموں میں جدید عناصر

3.2.7 خلاصہ

3.2.8 فرہنگ

3.2.9 نمونہ امتحانی سوالات

3.2.10 مزید مطالعہ کے لئے

3.2.1 تمہید

عزیز طلبا! اردو زبان کی ابتدا سے شعری حصہ نثری حصہ پر غالب رہا ہے لیکن اولین ادوار میں شعری اصناف میں غزلوں پر زیادہ توجہ دی گئی۔ حالاں کہ اس دور میں نظموں کے زمرے میں قصائد، مثنویاں، مرثیے اور جابجا رباعیاں اور قطعات ملتے ہیں تاہم موضوعاتی جدید نظموں کا آغاز نظیر اکبرآبادی سے ہوتا ہے۔ حالاں کہ دکن میں چند شعرا نے مثنوی، مرثیہ اور قصائد سے ہٹ کر موضوعی نظمیں لکھیں جیسے قلی قطب شاہ وغیرہ لیکن جدید نظم نگاری کا باضابطہ آغاز محمد حسین آزاد، مولوی اسماعیل میرٹھی اور مولانا الطاف حسین حالی وغیرہ سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی جدید نظم نگاری کے پیش رو کہے جاسکتے ہیں کیونکہ ان کی نظموں میں نظم جدید کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ یہی نہیں ان کی نظموں کو معروف بین الاقوامی زبانوں کی جدید نظم نگاری میں بھی اہمیت حاصل ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی نے ترقی یافتہ یوروپی زبانوں کی نظم نگاری سے باضابطہ فیض حاصل کیا۔ چنانچہ ان کی نظموں میں یوروپی زبانوں کی نظموں کے پرتو اور عکس دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس سبق میں آپ مولانا الطاف حسین حالی کا بطور جدید نظم نگار مطالعہ کریں گے۔

3.2.2 تعارف

1857 کے بعد مغلیہ سلطنت کا سورج پوری طرح غروب ہوگیا۔ ہندوستانی معاشرے پر مغربی طرز معاشرت نے باقاعدہ اپنا اثر و رسوخ قائم کرلیا۔ مشرقی طرز فکر کے ادبا و شعرا نے نئی نسل پر مغربی طرز معاشرت کے اثرات کو کم کرنے اور مشرقی طرز زندگی کو قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہ کوشش سماجی مصلحین کے ساتھ ساتھ ادبا و شعرا نے بھی اپنی تخلیقات کے ذریعہ کیں۔ ان میں ڈپٹی نذیر احمد، مولانا محمد حسین آزاد، سرسید احمد خاں اور مولانا الطاف حسین حالی پیش پیش نظر آتے ہیں۔ حالی کی شخصیت نثر

نگاری اور نظم نگاری دونوں میں انفرادیت کی حامل ہے۔حالی نے اردو میں باضابطہ صنف سوانح نگاری کی بنیاد ڈالی اور لازوال سوانح نگاری کی مثال قائم کرتے ہوئے یادگار غالب، حیات سعدی اور حیات جاوید کی تصنیف کی۔یہی نہیں اردو میں تنقیدی روایت کو بھی مقدمہ شعروشاعری لکھ کر مضبوطی فراہم کی۔ حالی نے اردو شاعری میں درآئی خرابیوں اور کوتاہیوں کی طرف تنقیدی نظر ڈالی۔شاعری کی اصلاح کے لئے خصوصاً غزل کی اصلاح کے لئے متعدد موزوں تجاویز پیش کی۔انجمن پنجاب کے قیام کے بعد حالی نے باضابطہ مولانا محمد حسین آزاد کی موضوعی نظمیہ شاعری کی تحریک کو آگے بڑھایا۔سرسید کی حوصلہ افزائی پر ملت اسلامیہ کی شاندار اور تابناک ماضی اور موجودہ زبوں حالی کے ساتھ ساتھ روشن مستقبل کو موضوع بنا کر اپنی معرکتہ الآرا نظم 'مدوجزر اسلام' مسدس کی ہئیت میں لکھی جو عام طور سے ''مسدس حالی'' کے نام سے مشہور ہے۔حالی نے اصلاحی شاعری کا ذمہ لے کر سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں، قدامت پرستی اور توہمات کو موضوع بنا کر متعدد اصلاحی نظمیں لکھیں جن میں 'مدوجزر اسلام' کے علاوہ نشاط امید، حب وطن ،مناظرہ رحم وانصاف اور مناجات بیوہ معروف ہیں۔مولانا الطاف حسین حالی نے شاعری میں مروجہ تمام اصناف اور سبھی طرح کی ہیئت پر بخوبی طبع آزمائی کی۔انہوں نے رباعی گو کی حیثیت سے بھی اپنا لوہا منوایا۔مرثیہ بھی لکھے جو معروف شخصیات سے متعلق شخصی مرثیے کہے جاسکتے ہیں۔حالی نے ان سبھی نظموں، رباعیوں میں قومی وملی مسائل، اخلاقی، مذہبی اور اصلاحی فکر کے ساتھ ساتھ تہذیبی عناصر پیش نظر رکھا۔حالی کے قطعات بھی مشہور ہیں۔آپ اس یونٹ میں ان کی نظموں سے متعلق خصوصی مطالعہ کریں گے لیکن اس سبق میں بالخصوص حالی بحیثیت جدید نظم کے پیش رو کا جائزہ لیں گے۔

3.2.3 حالات زندگی

خواجہ الطاف حسین حالی کے خاندان کا تعلق ہیرات موجودہ افغانستان سے تھا۔دلی سلطنت کے

غلام خاندان کے دور میں ان کے جدامجد ہندوستان آئے۔ان کے والد کا نام خواجہ ایزد بخش، دادا کا نام خواجہ بوعلی بخش اور پردادا کا نام خواجہ محمد بخش تھا۔حالی کے والد بزرگوار انگریز سرکار کے سرشتہ پرمٹ میں ملازم تھے حالی کی پیدائش 1837ء میں پانی پت کے خواجگان انصاری کے ایک معزز گھرانے میں ہوئی۔حالی کی ولادت کے بعدان کی والدہ ماجدہ کے دماغ میں خلل ہوگیا۔حالی کی عمر ابھی نوسال کی ہی تھی کہ ان کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا لیکن حالی کے بڑے بھائی خواجہ امداد حسین نے حالی کی سرپرستی اس طرح کی کہ والدین کے کمی کا احساس ہونے نہیں دیا تاہم ان کی تعلیم بے ترتیب ہوئی ۔حالی ابھی 17 سال کے ہی تھے کہ ان کی شادی ہوگئی ۔مولانا الطاف حسین حالی مزید تعلیم کے خواہاں تھے۔شادی کے بندھن کی وجہ سے تعلیمی سلسلے میں خلل پڑااوراس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ایک دن خاموشی سے پیدل ہی دلی کے لیے نکل پڑے۔دلی میں انہوں نے مختلف علماء سے علمی فیض حاصل کیا۔گھر والو ں کو جب معلوم ہواتو وہ انہیں واپس پانی پت لے آئے اور 1856ء میں شہر حصار میں ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں معمولی تنخواہ پر ملازم ہو گئے ۔چار سال تک لاہور میں بھی قیام کیا پھر دلی آئے اور غدر کے بعد فکر معاش سے نجات کے لیئے نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے بچوں کے اتالیق ہوگئے۔اس بہانے سے حالی کا شیفتہ اور غالب سے رشتہ استوار ہوگیا۔غالب کی شاگردی حالی کی زندگی کا سب سے اہم حصہ تھا۔ 1869 میں غالب اورشیفتہ دونوں کے انتقال کے بعد حالی ایک بار پھر بے سہارا ہوگئے۔اسی حال میں حالی لاہور پہنچے اور پنجاب بک ڈپو لاہور میں محمد حسین آزاد کی مدد سے قلیل تنخواہ پر ملازمت اختیار کی۔یہی وہ جگہ تھی جہاں حالی کومغربی زبان وادب سے باقاعدہ آشنائی ہوئی اور مغربی زبانوں کی معروف نظموں کا مطالعہ اور ترجمہ کرنے کا موقع ملا۔مشرقی ادب سے قدرِ خفگی اور مغربی ادب سے دلچسپی کے متعلق حالی نے خود ہی لکھا ہے۔یہی وہ زمانہ ہے جب مولانا حالی نے تہذیب الاخلاق کے لیے مضامین لکھے اور سر

سید کی شخصیت سے متاثر ہو کر ان کے نقطہ نظر کی ترویج و اشاعت میں لگ گئے۔ دوبارہ دلی آئے اور دلی کالج میں استاد مقرر ہوئے، حیدرآباد سے ادبی وظیفہ ملنے کے بعد حالی نے ملازمت ترک کردی اور اپنا پورا وقت تصنیف و تالیف میں لگا دیا۔ مولانا الطاف حسین حالی کی بے بہا ادبی خدمات کے صلے میں 1904ء میں انہیں شمس العلما کا خطاب دیا گیا۔ جدید نظم کے کارواں سالار اور تنقید و سوانح نگاری کے معتبر اور اولین ادیب و شاعر مولانا الطاف حسین حالی کا انتقال 1914ء میں اپنے ہی شہر پانی پت میں ہو گیا۔

3.2.4 الطاف حسین حالی کی نظم نگاری

عزیز طلبا! آپ یہ جان چکے ہیں حالی کی شخصیت ہشت پہلو تھی اور انہیں کئی اصناف ادب میں بنیاد گزار کی حیثیت حاصل ہے تاہم جس صنف نے حالی کو دوام بخشا وہ ان کی سادہ، دلکش اور موضوعی نظمیں ہیں۔ حالی نے شاعری کی ابتدا عنفوان شباب میں ہی کی۔ عام شعرا کی طرح ابتدا میں غزلیں ہی لکھی لیکن بعد میں تقریباً سبھی اصناف شعر پر طبع آزمائی کی۔ حالی کی نظم نگاری میں پختگی اور جدت قیام لاہور سے شروع ہوتی ہے اور سرسید کی قربت اور علی گڑھ تحریک نے مزید جلا بخشی۔ چنانچہ حالی نے روایتی غزل گوئی کی جگہ نظم نگاری کو ترجیح دی۔ دوران قیام لاہور انہوں نے مغربی ادب و شاعری سے خوب خوب استفادہ کیا اور بعض انگریزی نظموں کا اردو میں آزاد شعری ترجمہ کیا۔ انجمن پنجاب کی جدید طرز شاعری کے وہ دلدادہ تھے۔ انگریزی نظموں میں ایک انگریزی نظم کے کچھ حصوں کا ترجمہ 'زمزمہ قیصری' کے نام سے کیا جس میں کل 35 بند ہیں۔ مولانا حالی ادبی سطح پر بے حد ایماندار شاعر و ادیب تھے۔ چنانچہ اس نظم سے پہلے انہوں نے ایک نوٹ میں اپنی حقیقت پسندانہ رویے کا اظہار کیا ہے جو بہت ہی اہمیت کا حامل ہے:

''یہ نظم ایک انگریزی پوئم کے تین حصوں سے اول حصہ کا منظوم ترجمہ ہے۔ شاید مسٹر اسٹوک اس کے مصنف ہیں ...... پہلے حصہ میں ہندوستان اور مسلمان بادشاہوں اور انگریزی سلطنت کا ذکر ہے۔دوسرے اور تیسرے حصہ میں تمام ہندوستانی رئیسوں کا جو دربار قیصری میں شریک ہوئے تھے عموماً اور حضور نظام کا خصوصاً تذکرہ ہے مصنف نے بعض مسلمان بادشاہوں پر نکتہ چینی بھی کی ہے۔ناظرین دیکھ کر مجھ سے خوش یا ناراض نہ ہوں میرا اتنا قصور ہے کہ میں نے ان خیالات کو ایک ایسی زبان میں نظم کر دیا ہے جس کے میرے ہم وطن عموماً سمجھ سکتے ہیں''۔

الطاف حسین حالی شروع سے ہی سنجیدہ مزاج واقع ہوئے۔ان کی زندگی کے اتار چڑھاؤ اور ناہمواریوں نے انہیں بعد تک سنجیدہ رکھا اور اس پر یہ کہ قوم وملت کی زبوں حالی پر فکری رویے نے انہیں اور سنجیدہ بنا دیا۔ چنانچہ نظموں کو تو چھوڑ یے ان کی غزلوں کے اشعار بھی سنجیدہ ہیں۔بقول حالی:

؎ متاع بے بہا ہے شعر حالی میری قیمت میری گفتار سے پوچھ

یقیناً اس میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ حالی کی قدر و قیمت ان کی گفتار یعنی ان کی شعری ونثری سرمایے سے لگایا جا سکتا ہے۔حالی نے حقیقت پسندانہ اور اصلاحی طرز فکر اپناتے ہوئے غزلیں لکھی اور موضوعی نظمیں بھی۔خود حالی نے نظم وشعر کی خوبی و دلگدازی اور اہمیت کو اپنی ایک دلچسپ نظم ''شعر کی طرف خطاب'' میں پیش کیا ہے جس سے ان کے نظریہ شاعری کی ،شعری لطافت کی اور نظمیہ سنجیدگی کی عکاسی ہوتی ہے۔

اے شعر دل فریب نہ ہو تو تو غم نہیں پر تجھ پہ حیف ہے جو نہ ہو دلگداز تو

صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام　　　ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو
وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری　　　قبلہ ہو اب ادھر تو نہ کیجیو نماز تو
چپ چاپ اپنے سچ سے کئے جا دلوں میں گھر　　　اونچا ابھی نہ کر علم امتیاز تو
عزت کا بھید ملک کی خدمت میں ہے چھپا　　　محمود جان آپ کو گر ہے ایاز تو
اے شعر راہ راست پہ تو جب کہ پڑ لیا　　　اب راہ کے نہ دیکھ نشیب و فراز تو
ہوتی ہے سچ کی قدر، بے قدریوں کے بعد　　　اس کے خلاف ہو تو سمجھ اس کو شاذ تو

جو قدر داں ہو اپنا اسے مغتنم سمجھ
حاؔلی کو تجھ پہ ناز ہے کر اس پہ ناز تو

حالی کا شعری ذوق فطری تھا اور اس میں ان کا خاندانی پس منظر شامل تھا کہ وہ اسی سانچے میں ڈھلے تھے جہاں سادگی زندگی کا نمونہ تھی۔ حالی کا زمانہ سماجی انتشار کا اور معاشرتی تبدیلی کا زمانہ تھا انہوں نے یہ محسوس کیا کہ نظم نگاری کو مقصدی اور سماجی شاعری کی تحریک کے لئے استعمال کیا جانا چاہئے۔ حالی با شرح ہونے کے باوجود انگریزی تعلیم اور دیگر فنون کو مکروہ نہیں سمجھتے بلکہ ضرورت کے مطابق اسے لازمی تصور کرتے تھے۔ وہ نہ صرف زمانہ شناس تھے بلکہ قوم کے نباض بھی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی مشہور نظم 'مدوجزر اسلام' (مسدس حالی) لکھی جو ان کے پرخلوص جذبے اور قومی وملی تہذیب کی زبوں حالی کو پیش کرتی ہے۔ مسدس حالی کے سلسلے میں سرسید احمد خاں کا یہ قول مشہور ہے:

''بے شک میں اس کا محرک ہوا ہوں اور اس کو میں اپنے اعمال حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب خدا پوچھے گا تو دنیا سے کیا لایا؟ میں کہوں گا میں حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں اور کچھ نہیں۔''

حالی کی نظم نگاری کو سمجھنے کے لئے اوران کی نظموں کی تفہیم وتعبیر سے قبل حالی کی ذات میں پیوستہ خلوص دردمندی،غم کساری،قومی وملی احساس کو سمجھنا ضروری ہے یہ سبھی عناصران کے نظموں کے بند میں پگھلے ہوئے شیشے کی طرح ڈھل جاتے ہیں۔بہت سی نظموں سے اس کی مثال دی جاسکتی ہے۔برکھارت ،مناجات بیوہ اور مدوجزر اسلام اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔

مدوجزر اسلام میں حضرت محمد ﷺ کی آمد سے قبل کے عربوں کی زندگی،آپ کی آمد،اسلام کا پیغام انسانی،قوموں کی زندگی کے عروج وزوال اوران کی پستی کا نقشہ حالی نے جس شدت سے کھینچا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔اس نظم میں اس عہد کی ساری تصویر سامنے آنے کے ساتھ ساتھ حالی کو ملی فکر ،خلوص ودردمندی،دلسوزی اور دلپزیری کا جواب نہیں۔مولانا عبدالماجد دریابادی نے مسدس حالی کی خصوصیت بتاتے ہوئے لکھا ہے۔

> ’’کیا یہ کہنے اور بتانے کی ضرورت ہے کہ اب تک ایڈیشن پر ایڈیشن اس کے نکل چکے،کتنی محفلوں میں اس کے بند پڑھے جاتے ہیں،وعظ کی کتنی محفلوں کو یہ گرما چکا۔کتنے ادبی امتحانوں کے نصاب میں داخل ہو چکا کتنے بوڑھوں کی، کتنے جوانوں کی،لڑکوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کر چکا ہے۔کتنوں کو یہ رلا کر رہا......اصل سوال یہ ہے کہ اس آن کا اوراس شان کا،اس جمال کا اور اس کمال کا اردو میں کوئی اور مسدس ہے بھی‘‘
>
> (بحوالہ شجاعت علی،سندیلوی حالی بحیثیت شاعر،1960،ص 263)

مذکورہ نظموں کے علاوہ مناظر رحم وانصاف،نشاط امید،حب وطن وغیرہ بھی ایسی نظمیں ہیں جو حالی کی انفرادیت کو پیش کرتی ہیں۔

3.2.5 الطاف حسین حالی: جدید نظم کے پیش رو

جدید نظم نگاری میں مولانا الطاف حسین حالی نے وہی کردار نبھایا جو عمارت سازی میں ماہر معمار کا ہوتا ہے۔ گوکہ حالی نے تقریباً سبھی صنف سخن میں طبع آزمائی کی تاہم ان کی بنیادی شناخت ایک نظم گو شاعر کی حیثیت سے ہے۔ چونکہ حالی کے اندر اصلاحی جذبات موجزن تھے اس لئے نظم کا کینوس ہی ان کے لئے موزوں تھا۔ 1857ء کی انقلاب کے بعد معاشرے میں جن اصلاحات کی ضرورت تھی وہ شاعری کے دوسرے اصناف میں بیان نہیں کئے جا سکتے تھے۔ چنانچہ حالی نے طویل نظموں کی صورت میں ان اصلاحات کو معاشرے کے سامنے پیش کیا۔ چونکہ ان کی انفرادی زندگی مایوسی، افسردگی اور کم نصیبی میں ہی بسر ہوئی تھی اس لئے ہندوستانی عوام کے ان دکھوں کو وہ بہتر طور پر محسوس کر سکتے تھے ۔انجمن پنجاب کے مشاعروں، سرسید احمد خاں اور علی گڑھ تحریک نے اس ضمن میں انہیں غور وفکر کرنے کا مزید موقع فراہم کیا۔ حالی نے اسی لئے غزل سے زیادہ نظم پر توجہ دی کہ ان کا بنیادی مقصد معاشرتی اصلاح اور عوامی بیداری تھا، حالی کی ذہنی ہم آہنگی نظم کے ساتھ ہی تھی چنانچہ انہوں نے مثنوی، مسدس ،ترکیب بند اور قطعہ کی ہیئت میں نظمیں کہی، ان کی نظموں میں فلسفیانہ طرز فکر، اخلاقیات، حسن فطرت، معاشرتی مسائل اور مذہبی رواداری پائی جاتی ہے۔ بعد کے نظم گو شعرا نے انہیں شعری اقدار کو اپنا کر اردو نظم نگاری کو مزید ترقی دی۔ حالی کی بیشتر نظموں میں خطیبانہ شان کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اس کی مثال مناجات بیوہ اور مدو جزر اسلام (مسدس حالی) سے دی جاسکتی ہے جن میں داخلی جذبات واحساسات کو اس قدر مؤثر ڈھنگ سے بیان کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

حالی نے نظموں کی لفظیات، عنوانات، تشبیہات واستعارے، صنائع وبدائع، تلمیحات اس طرح استعمال کیے جس سے عام فہم اور سادہ لوح قاری بھی مستفید ہو سکے۔ حالی نے ہندی اور مقامی

بولیوں کے الفاظ کو اس اثر انگیزی سے استعمال کیا ہے کہ ان کی نظمیں قاری کو آہستہ آہستہ متاثر کرتے ہوئے ایسی دل پزیری و دردمندی و اثر انگیزی پیدا کرتی ہیں جو اپنی مثال آپ ہے۔ مدوجزر اسلام یعنی مسدس حالی میں حالی نے حضرت محمدؐ کی آمد سے پہلے کے عربوں کی زندگی، محمدؐ کی آمد، اسلام کا پیغام، قوموں کی زندگی میں عروج و پستی کا عہد بہ عہد ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ سارے مناظر نظروں کے سامنے پھر جاتے ہیں اور نظم کی فکر خلوص و دردمندی قاری کے ذہن پر اثر پزیر ہوتی ہے۔ مسدس حالی کی اثر پزیری پر اظہار خیال کرتے ہوئے مجنوں گورکھپوری نے بہت درست تبصرہ کیا ہے:

''اگر حالی کے مسدس میں کوئی فلسفہ تمدن (Social Philosophy) یا کوئی واضح اور مرکزی تخیل ہوتی، یا اس میں کوئی مسلسل اور مربوط داستان بیان کی گئی ہوتی تو آوہ رامائن، مہابھارت، شاہنامہ، الیڈ اور پیراڈائز لوسٹ کی ٹکر کی چیز ہوتی۔ تاہم ان تمام خصوصیات سے معرا ہوتے ہوئے بھی مسدس جتنی پڑھی گئی ہے شاید ہی اس قسم کی کوئی دوسری طویل نظم پڑھی گئی ہو۔''

مجنوں گورکھپوری؛ ادب اور زندگی (1965)، ص 327

بحوالہ کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میرا جی تک

اس میں کوئی شک نہیں کہ حالی نے حقیقت پسندی اور نیچرل شاعری کی روایت کی بنیادوں کو مضبوط کیا جس کی اس وقت معاشرے کو اشد ضرورت تھی۔ انہو نے انجمن پنجاب کے مشاعروں کے ذریعہ موضوعاتی نظمیں لکھ کر شاعری کی ایک نئے Ideology کو فروغ دیا جس کی بنیاد محمد حسین آزاد نے موضوعاتی نظمیں لکھ کر ڈالی تھی۔ انہوں نے ہندوستان کے سیاسی و معاشرتی حالات، قومی و وطنی

مسائل اور معاشی زوال ،اخلاقی مسائل جیسے موضوعات پر نظمیں لکھی ''ہندوستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی'' سے ان کے سیاسی، سماجی اور معاشی و معاشرتی حالات کے آگاہی کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی نے مثنوی کے علاوہ مثلث، مربع مخمس اور مسدس کے ہیئت میں نظمیں لکھی جو نظم نگاری کے سلسلے میں ایک بہتر تجربہ کہا جا سکتا ہے۔اس سے پہلے نظیر اکبر آبادی نے اس طرح کے کامیاب تجربے کئے تھے۔اپنے موضوعات اور پیش کش کے لحاظ سے حالی اپنے پیش روشاعروں سے الگ اور نئے تھے اور آنے والی نسلوں کے لئے پیش رو۔حالی کی تقریباً سبھی نظمیں مزکورہ بیانات کی تصدیق کرتی ہیں لیکن مناجات بیوہ، چپ کی داد، برکتِ اتفاق ،بیٹیوں کی نسبت ،کلمتہ الحق اور جواں مردی کا کام وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جو بلاشبہ حالی کو جدید نظم نگاری کا پیش امام اور پیش روثابت کرتی ہیں ۔مناجات بیوہ ایسی نظم ہے جس کے ذریعے ہندوستانی سماج کے دکھوں تکلیفوں، پریشانیوں کوظاہری اور باطنی دونوں طریقوں سے حالی نے محسوس کیا۔خارجی جذبات واحساسات کومحسوس کرنا توممکن ہے لیکن داخلی جذبات واحساسات کی ایسی تصویرکشی کہیں اور دیکھنے کوشاید ہی ملے گی۔ بقول مولانا عبدلماجد دریا آبادی:

> ''حالی نے عمر بھر بجز ایک 'بیوہ کی مناجات' کے اگر ایک شعر بھی نہ کہا ہوتا تو ان کے لئے یہی ایک نظم دنیا وعقبٰی میں بس تھی ۔باتیں اتنی سچی اور روح کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی کہ آسمان کے فرشتے بھی وجد میں آ آ کر رہیں۔بول اتنے میٹھے کہ خود معصومیت بے اختیار لپٹ لپٹ کر بلائیں لینے لگے۔''
>
> (مونوگراف خواجہ الطاف حسین حالی، اردو اکادمی، نئی دہلی
> بحوالہ جدید نظم حالی سے میراجی تک، کوثر مظہری، ص75)

مناجات بیوہ واقعی ایک بیوہ کی اندرونی کیفیت،اداسی ومحرومی اور درد واندوہ میں ڈوبی ہوئی پراثرنظم پڑھنے پر حیرت کا احساس ہوتا ہے کہ حالی بیوہ کی اندرونی ذہنی انتشار کواور نفسیاتی کیفیت کو کس طرح نظم کے قالب میں ڈھالنے میں کامیاب ہوئے۔حالی نے اپنے پیش روؤں کی طرح مرثیہ بھی لکھا لیکن یہاں بھی ان کا اپنا انفرادی اور جدت کا پہلونمایاں ہے۔حالی نے شخصی مرثیے کی عمدہ مثالیں پیش کی ہے۔مرزا غالب کی وفات،اپنے بڑے بھائی کی وفات،حکیم محمود کی رحلت اور ملکہ وکٹوریہ و محسن الملک پر لکھے مرثیے شخصی مرثیے کی زمرے میں ان اشخاص کی زندگی کے مرقع پیش کرتے ہیں۔حالی نے مرثیے کے لے،غزل کی ہیئت استعمال کی ہے۔اپنے استاد غالب کا مرثیہ ترکیب بند میں لکھا ہے جس کی کوئی مثال نہیں۔غرض کہ نظم نگاری کی ایک مخصوص صنف مرثیہ نگاری میں بھی وہ جدید نظم نگاری اور اپنے بعد کے شعرا کے یقیناً پیش رو کہے جاسکتے ہیں۔

3.2.6 خلاصہ

عزیز طلبا! اردو شاعری کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو اس کے کئی ادوار اور رجحانات ملتے ہیں۔ادب بالخصوص شاعری اپنے عہد کا ترجمان ہوتی ہے۔اس لئے جس طرح کا معاشرہ رہا شاعری بھی اس کی عکاسی کرتی رہی۔اردو شاعری ابتدا میں زیادہ تر غزلیں،قصائد،مثنویاں اور مرثیے لکھے گئے تاہم موضوعی نظموں کے ذریعہ معاشرے کی ترجمانی اور افراد واس کی سوسائٹی کی عکاسی نظیر اکبرآبادی کی نظموں سے شروع ہوتی ہے۔جدید اردو نظم کے بانی نظیر کو کہا جاسکتا ہے لیکن نظم جدید کے باضابطہ اور شعوری طور پر آغاز میں محمد حسین آزاد، اسماعیل میرٹھی اور مولانا الطاف حسین حالی کے اسم گرامی گرامی خاص ہیں۔اس سبق میں آپ نے مولانا الطاف حسین حالی جدید نظم نگاری کے پیش رو کے عنوان سے ان کی شاعری ،نظموں میں ان کی انفرادیت،انسانی جذبات وخیالات کی عکاسی ،سیاسی وسماجی شعور،تاریخ وتہذیب

سے ان کا لگاؤ اور بالخصوص نئے معاشرے کی اصلاح کے لئے لکھی گئی نظموں کا جائزہ لیا۔ان کی مشہور و معروف نظموں میں مناجات بیوہ، مدوجزر اسلام، حب وطن، چپ کی داد، رحم وانصاف خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ان نظموں کی خصوصیات میں کردار سازی اخلاقی پہلواور اصلاح معاشرہ کے دوسرے عناصر کو سامنے رکھا اور یہی ان کی انفرادیت ثابت کرتی ہے۔انہوں نے اپنی نظموں میں اصلاحی فکر کے ساتھ ساتھ سماجی نشیب وفراز، ملت اسلامیہ کی تاریخ اور تہذیب وتمدن کا بھی بخوبی جائزہ لیا ہے۔اسی لئے ان کی نظمیں اثر انگیزی اور دردمندی سے لبریز ہیں۔

3.2.8 فرہنگ

مصلح	اصلاح کرنے والا
زبوں حالی	عاجزی، بے چارگی
معرکتہ الآرا	زورآور، زبردست
ہشت پہلو	ہرطرف، آٹھ پہلوکا
عنفوان شباب	جوانی کا آغاز
مغتنم	غنیمت سمجھا گیا
افسردگی	غمگینی، کمہلاہٹ
قالب	سانچا، ڈھانچا

3.2.9 نمونہ امتحانی سوالات

1 مولانا الطاف حسین حالی کی ابتدائی زندگی پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

2 ’’حالی نے جدید نظم نگاری کی داغ بیل ڈالی‘‘ آپ کہاں تک متفق ہیں۔دلائل پیش کیجیے۔

3 حالی کی طویل نظموں پر اظہار خیال کیجیے۔

4 مولانا الطاف حسین حالی کی نظموں کی خصوصیات بیان کیجیے

3.2.10 مزید مطالعہ کے لئے

1 سید احتشام حسین، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، این سی پی یو ایل، نئی دہلی

2 کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

3 ڈاکٹر شہزاد انجم، خواجہ الطاف حسین حالی (مونوگراف) اردو اکادمی، دہلی

4 صالحہ عابد حسین، یادگار حالی

5 الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر و شاعری

الطاف حسین حالی کی نظم نگاری

اکائی کی ساخت

3.3.1 تمہید

3.3.2 تعارف

3.3.3 الطاف حسین حالی کی حالات زندگی

3.3.4 الطاف حسین حالی کی نظموں کی خصوصیات

3.3.5 الطاف حسین حالی کے معاصرین

3.3.6 الطاف حسین حالی اور جدید نظم کے رجحانات

3.3.7 خلاصہ

3.3.8 فرہنگ

3.3.9 نمونہ امتحانی سوالات

3.3.10 مزید مطالعہ کے لئے

3.3.1 تمہید

عزیز طلبا! اردو زبان و ادب کی تاریخ میں کچھ ایسی شخصیات ہیں جنہوں نے اردو کے مختلف اصناف کو اپنی ہشت پہلو خوبیوں سے مالا مال کیا اور اردو کی کئی اصناف پر بہت گہرا اثر چھوڑا ایسی شخصیت میں مولانا الطاف حسین حالی کا شمار ہوتا ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی نہ صرف جدید نظم نگاری کے سالار کارواں ہیں بلکہ اردو تنقید کو ایک نئی سمت سے روشناس کرانے والے نقاد بھی۔ یہی نہیں انہوں نے سوانح نگاری میں 'یادگار غالب' حیات سعدی، حیات جاوید وغیرہ لکھ کر صنف سوانح نگاری میں اپنا اہم مقام بنایا ۔زندگی کی ناہمواریوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ انجمن پنجاب پر اپنا انمٹ اثر چھوڑا جو جدید زبانوں کے معروف و مشہور نظموں کو اردو کے قالب میں ڈھالا۔ سرسید کے رفقا میں اپنا اہم مقام بنایا اور اچھوتے مضامین ومقالے لکھ کر تہذیب الاخلاق اور علی گڑھ تحریک کو فائدہ پہنچایا۔ مولانا الطاف حسین حالی سے متعلق اس سے قبل آپ نے یونٹ نمبر ایک کے سبق نمبر ایک میں ان کی مشہور و معروف نظم مناجات بیوہ کی تشریح اور یونٹ نمبر تین کے سبق نمبر ایک میں اسی نظم پر تنقیدی مطالعہ کیا ہے اور سبق نمبر دو میں مولانا الطاف حسین حالی کی جدید نظم نگاری پر سیر حاصل بحث کی۔ اس سبق میں حالی کی نظم نگاری کی خصوصیات اور انفرادیت پر بات ہوگی۔

3.3.2 تعارف

عزیز طلبا! ادبی اظہار کے لئے دو پیرایے بیان اختیار کئے جاتے ہیں۔ نثر اور نظم۔ نظم کی یہ خوبی ہے کہ اس میں مشکل سے مشکل مسائل، فلسفہ، احساس و جذبات، فکر و خیالات کو نہایت موزوں طریقے سے مختصر الفاظ میں پر اثر ڈھنگ سے پیش کیا جاسکتا ہے۔ نظم کی کئی اصناف میں غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، رباعی، قطعہ اور بذات خود نظم بھی شامل ہے۔ نظمیہ شاعری کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ کسی فکری

پہلو کو تسلسل کے ساتھ موثر ڈھنگ سے پیش کیا جا سکتا ہے۔نظمیں مختصر بھی ہوتی ہے اور طویل بھی۔عام طور سے نظموں کو کسی نہ کسی مقصد کے تحت لکھا جاتا ہے۔بعض نظموں پر مقصدیت حاوی ہو جاتی ہے جس سے فن متاثر ہوتا ہے۔مولانا الطاف حسین حالی ایک ایسے نظم نگار شاعر ہیں جنھوں نے فن پر مقصدیت حاوی نہیں ہونے دیا۔ان کی نظموں میں سادگی، سلاست اور روانی بدرجہ اتم موجود ہے۔مولانا نے مختصر نظمیں کم لکھی ہیں اور طویل نظمیں زیادہ لیکن قاری یا سامع کو ان کی نظمیں اکتانے والی بوجھل بھی نہیں۔حالاں کہ مولانا نے بہت اچھی غزلیں بھی لکھی ہیں لیکن جدید نظم نگاری کے پیش رؤوں میں شامل ہیں اس سبق میں آپ مولانا الطاف حسین حالی کی نظموں کی خصوصیات اور انفرادیت کا مطالعہ کریں گے۔

3.3.3 الطاف حسین حالی کی حالات زندگی

حالی کے آبا و اجداد کا نسب معروف صحابی حضرت ابوایوب انصاری سے ملتا ہے۔حالی کے اجداد میں خواجہ عبداللہ انصاری ایک جید عالم امام اور صوفی گزرے ہیں۔اسی خاندان کے خواجہ ملک علی سلطان غیاث الدین بلبن کے دور میں ہندوستان تشریف لائے۔سلطان غیاث الدین بلبن خواجہ علی کے علم و فضل سے متاثر ہو کر انہیں قاضی اور عیدین کے خطبے کے فرائض کے لئے پانی پت میں اچھی خاصی اراضی بخشا اور خواجہ ملک کو پانی پت کا زرخیز علاقہ بے حد پسند آیا۔وہ یہیں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔پانی پت کے اس محلے کا نام انصار مشہور ہوا۔اسی خاندان میں حالی کی پیدائش 1837ء میں ہوئی۔عام رواج کے مطابق حالی کی بسم اللہ خوانی ساڑھے چار برس کی عمر میں ہوئی۔مشہور قاری و حافظ ممتاز حسین نے انہیں قرآن کی تعلیم دی اور بہت جلد حالی نے اپنے تیز حافظہ کی بدولت قرآن حفظ کر لیا۔فارسی کی تعلیم کے لئے معروف شاعر میر ممنون علی کے بھتیجے اور داماد ظفر علی کے پاس بھیجے گئے۔عربی کی تعلیم پانی پت میں

حاجی ابراہیم حسین سے حاصل کی اور امامت کی سند سے سرفراز ہوئے لیکن درمیان میں حالی کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہوگیا۔اس کا تذکرہ انہوں نے خود ہی کیا ہے ''اگر چہ تعلیم کا سوق خود بہ خود میرے دل میں حد سے زیادہ تھا مگر مجھے با قاعدہ اور مسلسل تعلیم کا موقع نہ ملا''

عزیز طلبا! آپ پچھلے اسباق میں جان چکے ہیں کہ حالی کی شادی سترہ سال کی عمر میں ان کے ماموزاد بہن اسلام النسا سے ہوگئی تھی ۔تاہم تعلیم کی شوق میں شادی کے بعد خاموشی سے گھر والوں سے روپوش ہوکر دلی چلے آئے ۔دلی میں مدرسہ حسین بخش میں داخلہ لیا اور عربی صرف ونحو اور منطق کی کچھ ابتدائی کتابیں پڑھی ۔دلی قیام کے دوران مولوی نواز علی، مولوی فیض حسین ،مولوی امیر احمد اور شمس العلما میاں سید نذیر حسین جیسے عالموں سے علم حاصل کیا ۔مرزا غالب سے فارسی کے چند قصائد پڑھے۔شاعری کا شوق سمایا اور اپنا تخلص خستہ رکھا لیکن مرزا غالب کے مشورے سے تخلص بدل کر حالی کر دیا۔حالی کی غزلوں کو دیکھ کر غالب نے کہا تھا اگر چہ میں کسی کو فکر شعر کی صلاح نہیں دیا کرتا مگر تمہارے نسبت میرا خیال ہے کہ اگر تم شعر نہیں کہو گے تو اپنی طبعیت پر ظلم کرو گے ۔اس حوصلہ افزائی سے حالی کا حوصلہ بڑااور وہ با قاعدہ شاعری کی طرف راغب ہوگئے ۔درمیان میں ان کے گھر والوں کو حالی کے متعلق دلی میں سکونت کا پتہ چل گیا اور ان کے بڑے بھائی خواجہ امداد حسین انہیں واپس پانی پت لے آئے ۔حالی کو چار لڑکے اور دو لڑکیا ہوئیں ۔جن میں سے دو لڑکے اور ایک لڑکی بچپن میں ہی وفات پا گئے ۔خواجہ اخلاق حسین اور خواجہ سجاد حسین کے علاوہ عنایت فاطمہ با حیات رہے ۔خواجہ الطاف حسین حالی کے اہل وعیال نے تعلیمی میدان میں ان کا نام روشن کیا۔ چنانچہ خواجہ غلام الثقلین ،خواجہ غلام السید ین ،صالحہ عابد حسین ،مشتاق فاطمہ ،خواجہ سجاد حسین ،سیدہ سیدین ،صغری مہدی وغیرہ کا تعلق انہیں کے خانوادے سے تھا۔

عزیز طلبا! مولانا الطاف حسین حالی کی ملازمت کے متعلق آپ جان چکے ہیں کہ حصار میں ڈپٹی کمشنری کے دفتر میں قلیل تنخواہ پر نوکری پڑی کرنی پڑی۔ 1857ء کے انقلاب کی آنچ جب حصار تک پہنچی تو حالی ہراساں و پریشاں پانی پت تک پیدل ہی چل پڑے۔ خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے پانی پت پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ ان سانحات کا ان کی صحت پر ایسا پڑا کہ پوری زندگی اس سے متاثر رہے۔ ایک بار پھر 1868ء میں دلی کا سفر کیا لیکن انقلاب کے بعد دلی اجڑ چکی تھی۔ دوسال تک نوکری کی تلاش میں سرگرداں رہے آخر کار 1863ء میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ سے ملاقات کی جو اردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص رکھتے تھے۔ حالی چند سال تک جہاں گیر آباد ضلع بلند شہر میں مصطفیٰ خاں شیفتہ کے بچوں کے اتالیق رہے۔ 1869ء میں غالب اور شیفتہ دونوں کا انتقال ہوا اور حالی پھر دل برداشتہ اور بے روزگار ہو گئے۔ فکر معاش میں لاہور پہنچے۔ یہاں گورنمنٹ بک ڈپو لاہور میں ملازمت مل گئی۔ کام یہ تھا کہ ادارے کے ذریعہ انگریزی سے اردو میں ترجمہ شدہ عبارت کی تصحیح کرنا۔ حالی نے نہ صرف تصحیح کی بلکہ ان عبارتوں میں ادبی شان پیدا کر دی اور یوں حالی کی دلچسپی انگریزی سے بڑھ گئی۔ وہاں بھی حالی کا دل نہ لگا اور وہاں کئی وبائی امراض کا شکار بھی رہے۔ دلی کی یاد ہمیشہ آتی رہی۔ لہذا پھر دلی تشریف لائے اور اینگلو عربک اسکول، دلی کالج میں مدرس ہو گئے۔ اس ادارے میں حالی میں 1875 سے 1889 تک اپنی خدمات انجام دی۔ حالی کے علم وفضل کا چرچا دور دور تک ہو چکا تھا۔ 1887 عیسوی میں نواب حیدرآباد شملہ جاتے ہوئے سرسید احمد خاں سے ملاقات کی خاطر علی گڑھ قیام کیا۔ اس دوران خواجہ الطاف حسین حالی کی ملاقات نظام حیدرآباد سے ہوئی اور وہ حالی کی قابلیت اور فضیلت سے حد درجہ متأثر ہوئے۔ حالی کی انکساری اور دیانت داری نے نواب کو اس قدر متأثر کیا کہ حالی کے لئے 75 روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا جو اس زمانے میں مصنفین کو دی جاتی تھی۔ اب حالی فکر معاش سے آزاد ہو کر پوری طرح

سے اپنے آخری ایام تک تالیف وتصنیف میں مشغول رہے۔حالی کے علمی کارناموں کی شہرت سے کرنل ہالرائڈ بھی کافی متاثر ہوئے بالخصوص انجمن پنجاب کی نظموں کی وجہ سے۔1904 میں حالی کوشمس العلما کا خطاب ہندوستان کے وائے سرائے نارتھ براک نے عطا کیا۔1906 سے وہ آنکھوں کی بیماری سے پریشان رہنے لگے اور آنکھوں کا آپریشن کامیاب نہیں ہوا۔اپنی گرتی ہوئی صحت کے باوجود حالی نے اپنا اردو،عربی اور فارسی کلام مرتب کیا۔آخری وقت میں بینائی اور دماغ دونوں نے زبان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ 31دسمبر 1914 یکم جنوری 1915 کی درمیانی شب حالی کا انتقال پانی پت میں ہوا اور وہیں مشہور صوفی اور درویش بوعلی شاہ قلندر کی درگاہ میں سپردِ خاک ہوئے۔

3.3.4 الطاف حسین حالی کی نظموں کی خصوصیات

عزیز طلبا! پچھلے اسباق میں آپ نے حالی کی شعر گوئی اور انداز بیان سے متعلق کچھ جانکاری حاصل کی ہے۔اردو کے عام شعرا کی طرح حالی نے بھی اپنی شاعری کا آغاز غزل سے کیا تھا لیکن سرسید احمد خاں سے ملاقات کے بعد حالی کے شعری رویے میں نمایا تبدیلی آئی اور وہ غزل گوئی کی جگہ نظم نگاری کی طرف مائل ہوگئے۔انجمن پنجاب سے وابستہ ہونے کے بعد اور کرنل ہالرائڈ کی مصاحبت کے بعد مولانا الطاف حسین حالی نظموں اور قومی و وطنی شاعری کی طرف مائل ہوگئے۔

غزل میں بھی حالی کا رنگ تغزل اپنے معاصر شعرا سے الگ تھا۔ان کی غزلوں کا بنیادی موضوع واردات عشق اور اخلاقی قدریں ہیں۔حالی اپنی غزلوں میں بھی مبالغہ سے بچتے بچاتے دلی واردات و کیفیات کا ایک الگ لذت کا احساس دلاتے ہیں۔حالی نے اپنی غزلوں میں الفاظ کے انتخاب میں نہایت احتیاط سے کام لیا ہے جس سے ان کے اشعار میں لہجے کا ٹھہراؤ اور نرمی پیدا ہوتی ہے بعد میں نیچرل شاعری جس سے حالی کو بے حد لگاؤ تھا ان کی غزلوں میں بھی بے تکلف انداز بیان سے نیچرل

شاعری کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔حالی کے اشعار میں قومی ہمدردی، سماجی فلاح و بہبود، ادبی شائستگی نظموں کی طرح ہی موجود ہے۔مذکورہ حقائق اور خصوصیات کے لئے غزلوں سے چند اشعار مثال کے طور پر پیش ہے۔

ٹپکتا ہے اشعار حالی سے حال　　کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا
تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط　　الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا
کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں　　مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں
ہوتی نہیں قبول دعا ترک عشق کی　　دل چاہتا نہ ہوتو دعا میں اثر کہاں
ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور　　عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں
کیوں بڑھاتے ہو اختلاط بہت　　ہم کو طاقت نہیں جدائی کی
لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کی عیار ہے وہ　　اس کی صورت میں تو ایسا نہیں پایا جاتا
عقل کی بات کوئی ہم نے کہی ہے شاید　　جنتی جتنے ہیں، سب ہم سے حذر کرتے ہیں۔

3.3.5 الطاف حسین حالی کے معاصرین

1857ء کے بعد اردو شعر وادب کی فضا یکسر تبدیل ہوگئی اور خیالی دنیا کی جگہ حقیقت پسندی نے لے لیا۔اس زمانے میں بہت ایسے شعرا و ادبا کا نام لیا جا سکتا ہے جو حالی کے ہم عصروں میں شمار ہوتے ہیں۔لیکن یہاں سب کا تذکرہ ممکن نہیں۔لیکن ان شعرا کا حالی کے ہم عصروں میں تذکرہ کرنا بہت ہی مفید ہے جن کا اثر یا تو حالی نے بالواسطہ قبول کیا یا جن پر حالی کی نیچرل شاعری کا خاطر خواہ اثر پڑا۔جدید شاعری کا خمیر اردو منظوم نظموں سے تیار ہوا تھا۔چنانچہ حالی کے سب سے نزدیکی اور ان کی شخصیت پر اثر انداز ہونے والے مولانا محمد حسین آزاد (پ 1830-م 1910) کی ہمہ جہت پہلو شخصیت تھی۔ان

دونوں حضرات نے انگریزی شعروادب سے واقفیت نہ ہونے کے باوجود انگریزی نظموں کے کلیدی خیالات کو دوسروں سے سمجھ کر ان کے اردو میں منظوم ترجمے کئے۔ مسٹر اسٹوک کی انگریزی نظم کا ترجمہ 'زمزمہ قیصری' کے عنوان سے حالی نے کیا۔ حالی اور آزاد کی جدید نظم نگاری اور ترجمے کے ذریعہ جدید اردو نظم کی آبیاری کی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر حامدی کاشمیری نے بہت ہی اچھا تجزیہ پیش کیا ہے:

''جب نئے شعرانے اپنے مشاہدات اورواردات کا حیات تخلیقی اظہار کرنا چاہا تو ان کے سامنے ایک بڑی دشواری یہ تھی کہ ان کے نئے متنوع تصورات شعر کے پرانے اور روایتی سانچوں میں ڈھل نہیں سکتے تھے۔ غزل میں عموماً روایتی خیالات نظم ہوئے تھے۔ اس کی ہیئت ادھوری اور ناقص تھی۔ اس لئے نئے شاعروں آزاد اور حالی کو اپنے شعری تجربوں کے کامیاب اظہار کے لئے ایک ایسی صنف تلاش کرنی پڑی جو اپنے اندر لچک اور وسعت رکھتی ہو۔ یہ کام انہوں نے پہلے پہلے مثنوی سے لیا جو نئی نظم کی ایک شکل بن گئی۔''

(بحوالہ کوثر مظہری: نقوش، لاہور، شمارہ 28-27، دسمبر 1952، ص 125
جدید نظم: حالی سے میراجی تک، ص 49)

حالی اردو نظم کے اسلوب وہیئت دونوں میں تبدیلی کے خواہش مند تھے۔ اس ضمن میں مولانا محمد حسین آزاد ان کے ہم عصروں میں سب سے زیادہ قریب تھے۔ محمد حسین آزاد نے اس ضمن میں کئی نظمیں ایسی لکھی جو یوروپی زبانوں سے ماخوذ ہے۔ 'مثلاً اندھی پھول والی کا گیت'۔ 'بہار کا آخری پھول' اور اجڑا ہوا گھر وغیرہ۔ محمد حسین آزاد نے انجمن پنجاب کو ایک تحریک کی شکل دے کر حالی اور ان کے ہم عصروں کو جدید نظم نگاری کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کرایا۔ آزاد کی نظموں میں نیچرل شاعری اور فطری منظر نگاری

کی عکاسی ہر جگہ ملتی ہے۔ان کی نظم شب قدر،صبح امید،خواب امن،ابر کرم،زمستان،سلام علیک وغیرہ مذکورہ فکر کی عمدہ مثالیں ہیں۔یہ فکر حالی کی شاعری میں بھی اکثر وبیشتر دیکھنے کوملتا ہے۔

حالی کے ایک اور اہم ہم عصر شاعر اسماعیل میرٹھی (پ1844-م 1917 ہیں)اہم اس لئے کہ اسماعیل میرٹھی بھی جدید اردو نظم کی اسی راہ پر گامزن رہے جس پر آزاد اور حالی چلتے رہے۔مولوی اسماعیل میرٹھی نے بھی ابتدائی شاعری غزل سے شروع کی لیکن جلدی ہی موضوعاتی نظموں اور نیچرل شاعری کے فروغ میں لگ گئے۔انجمن پنجاب کے مشاعرے سے پہلے مولانا اسماعیل میرٹھی کی چند موضوعاتی نظمیں شائع ہو چکی تھیں۔اسماعیل میرٹھی کے یہاں مولانا آزاد اور حالی کی نظموں سے زیادہ جدت ،روانی،جاذبیت اور اصلیت پائی جاتی ہے۔مولوی اسماعیل نے چھوٹے بڑے جانوروں مثلاً کوا،عجب چڑیا،گائے،اونٹ،جگنو اور بچہ،چھوٹی چیونٹی وغیرہ بچوں کے افتادطبع اور نفسیات کے مطابق لکھی۔ان کی نظموں میں انسان کی خام خیالی،جریدہ عبرت،آب زلال،حیا،ماں کی ممتا،میدان کا رزار،حیات غم،انسان محنت کرو،نفس سرکش،صبح کی آمد،کوشش کئے جاؤ،ریل گاڑی،پن چکی،جہان دیگر،آثار سلف،مکالمہ سیف وسبو،تاروں بھری رات اور بارش کا پہلا قطرہ ایسی نظمیں ہیں جو آنے والے نظم جدید کے شعرا کے لئے مشعل کا کام کرتی ہیں۔

آزاد اور اسماعیل میرٹھی کے علاوہ اکبر الہ آبادی،شبلی،سرور جہان آبادی،محمد اقبال وغیرہ ایسے شعرا ہیں جو مولانا الطاف حسین حالی کے ہم عصر کہے جاسکتے ہیں جنہوں نے حالی کی جدید شاعری کے تصور کو تقویت پہنچائی۔

3.3.6 الطاف حسین حالی اور جدید نظم کے رجحانات

عزیز طلبا! جدید طرز شاعری کی بنیاد مولانا محمد حسین آزاد نے انجمن پنجاب کے ذریعہ رکھی

تھی۔حالاں کہ انجمن پنجاب کے مشاعروں سے قبل بھی کچھ شعرا نے اردو نظم نگاری میں جدید نظموں کی شروعات کر دی تھی۔حالی جب لاہور گئے اور وہاں انہیں مغربی ادب سے دلچسپی ہوئی تو باقاعدہ جدید نظم نگاری کی تحریک چلی۔حالی کے پیش نظر ہندوستان کی قدیم تاریخ اور مغلیہ سلطنت کے زوال کا منظر تھا۔قدروں کے مٹنے ،معاشرتی بے راہ روی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔نظم نگاری میں قدیم ہندوستان کے شاندار تاریخ وتہذیب اور عالم اسلام کی بے بہا خدمات وفتوحات کو انہوں نے اپنی نظموں کے موضوعات بنائے۔'زمزمہ قیصری'میں انہوں نے بڑے صناعی سے مذکورہ حقائق کو پیش کیا ہے۔مثلاً ہندوستان کے تعریف میں اس کے جغرافیائی خوبصورتی کو اس طرح بیان کیا ہے۔

اے حصارِ عافیت اے کشورِ ہندوستاں　　زیب دیتا ہے اگر کہیے تجھے سارا جہاں
اک طرف کھینچی ہے قدرت نے تیری دیوار کوہ　　موجزن ہے ایک جانب تیرے بحر بیکراں
چوٹیوں پر ہے پہاڑوں کی وہ عالم برف کا　　ہے سدا چھایا ہوا جس پر خموشی کا سماں

اور پھر ہندوستان کی تاریخی برتری بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اے مقدس آریہ ورتھ آئی کیا تجھ پر بلا　　جس نے بزم یک دلی کو تیرے برہم کر دیا
تو کہاں اور اہل مغرب کے بھلا جملے کہاں　　ہاں مگر نا اتفاقی کی ملی تجھکو سزا
گر تری اولاد میں ہوتا سلوک اور آشتی　　لڑ کھڑا جاتے قدم غیروں کے ہنگام دغا

حالی نے انجمن پنجاب کے ذریعہ پیش کئے گئے موضوعات پر مشتمل چار مشاعروں میں شرکت کی اور چاروں میں اپنی بے بہا نظمیں 'برکھارت' نشاط امید، حب وطن ،اور مناظرہ رحم وانصاف ،پیش کئے۔

عزیز طلبا! آپ جان چکے ہیں کہ حالی کو براہ راست انگریزی زبان سیکھنے کا موقع نہیں ملا اور آپ

یہ بھی جان چکے ہیں کہ انجمن پنجاب کے مشاعروں سے قبل موضوعاتی نظمیں جدید نظم نگاری کی طرز پر پیش کی جا چکی تھی جس میں خاص طور سے اسماعیل میرٹھی اور قلق میرٹھی پیش پیش تھے حالی نے ان دونوں شعرا کی منظوم سے استفادہ کیا اور بہت اچھی اچھی نظمیں کہیں۔ یہاں تک کی جواد با وشعرا خالص عشقیہ اور قدیم غزلیہ روایت کے دلدادہ تھے وہ بھی حالی کی طرز شاعری کی طرف مائل ہوئے۔حالی کا کچھ تو جدید نظموں کی طرف طبعی میلان تھا اور کچھ لاہور میں اس طرح کا حوصلہ افزا ماحول مل گیا۔ چنانچہ حالی نے خود اس حسین امتزاج کا برملا اظہار کیا ہے۔

> ''مجھ کو مغربی شاعری کے اصول سے نہ اس وقت کچھ آ گاہی تھی اور نہ اب ہے اور نیز میرے نزدیک مغربی شاعری کا تتبع ایک ایسی نامکمل زبان میں جیسی کی اردو ہے، ہو بھی نہیں سکتا، البتہ کچھ تو میری طبیعت مبالغہ واغراق سے بالطبع نفور تھی اور کچھ اس نئے چرچے نے اس نفرت کو زیادہ مستحکم کر دیا۔''
>
> مجموعہ نظم حالی۔ مطبع العلوم علی گڑھ میں باہتمام سید اصغر علی الوری طبع ہوا۔
>
> بحوالہ کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میرا جی تک، ص 69

عزیز طلبا! دراصل حالی کی نظموں کی خاص خوبی ان کا ارتقائی عمل ہے۔وہ کسی موضوع اور خیال کو سامنے رکھ کر مختلف بندوں میں ربط پیدا کرتے ہوئے تسلسل کے ساتھ اپنی بات کو مؤثر اندازمس پیش کرتے ہیں نظم میں آخری بند پڑھنے والے کو ایک خاص کیفیت واحساس سے روشناس کراتا ہے۔حالی کی نظموں کی لفظیات بول چال کی عام فہم اور سادہ ہیں۔ان کی نظموں میں اس سادگی نے الگ چاشنی پیدا کر دی۔مولانا اپنی نظموں میں دیسی عام بولی، سنسکرت بھاشا کے الفاظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں جس سے ان کی نظمیں مؤثر ہو جاتی ہے مولانا کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اپنی نظموں میں

انگریزی الفاظ کے استعمال سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے۔ان کی نظموں میں ایسی دل پزیری، دردمندی اور تاثر ہے جس میں قاری محو ہو جاتا ہے۔آپ جان چکے ہیں کی ان کی بہت سی نظموں کے اشعار اور مصرعے زبان زد ہیں۔ان کی ایک طویل نظم 'مسدس حالی' کے نام سے معروف ہے۔اس نظم میں پرزور استدلال اور بلند آہنگی کے ذریعہ انسانیت کی زبوں حالی کی ہو بہو تصویر کشی کی گئی ہے۔اسلاف کے کار ناموں کا پراثر بیان قاری کو نظم بار بار پڑھنے کی طرف راغب کرتا ہے۔دو بند مثال کے لئے پیش ہے

کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے مساجد کے محراب و در جا کے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے خلافت کے زیروز بر جا کے دیکھے
جلال ان کا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا

وہ بلد کہ فکر بلاد جہاں تھا تر وخشک پر جس کا سکہ رواں تھا
گڑا جس میں عباسیوں کا نشاں تھا عراق عرب جس سے رشک جہاں تھا
اڑا لے گئی باد پندار جس کو
بہا لے گئی سیل تا تار جس کو

مذکورہ نظم کے علاوہ حالی نے کچھ سیاسی نوعیت کی نظمیں لکھی ہیں اور کچھ معاشرتی و اصلاحی نظمیں بھی۔مناجات بیوہ، چپ کی داد، برکت اتفاق، بیٹیوں کی نسبت، کلمتہ الحق اور جواں مردی ان کی معروف نظموں میں شمار ہیں۔برکھا رت ان کی نیچرل شاعری کا نمونہ ہے جب کہ نظم حب وطن، حالی کی قومی و ملی شاعری کی عمدہ مثال پیش کرتی ہے۔حالی نے شخصی مرثیے بھی لکھے جو مرثیہ نگاری میں اپنی مثال آپ ہے، خاص طور سے مرثیہ غالب، خواجہ امداد حسین کا مرثیہ، مرثیہ حکیم احمد خاں، ملکہ وکٹوریہ کا مرثیہ

اورنواب لحسن الملک کا مرثیہ۔مولانا الطاف حسین حالی نظم نگاری کی ایک خاص صنف رباعیات کے لئے بھی معروف ہیں۔انہوں نے بہت ہی اچھی رباعیاں مختلف موضوعات مثلاً قوم کی پستی ،مشرقی تہذیب وتمدن کا بکھراو،مغربی تہذیب کا یلغار،سستی،کاہلی،عیاشی اورعزم مصمم وغیرہ۔مثال کے لئے دو رباعیاں:

؎ دنیائے دنی کو نقش فانی سمجھو	روداد جہاں کو ایک کہانی سمجھو
جب کرو آغاز کوئی کام بڑا	ہر سانس کو عمر جا و دانی سمجھو
؎ جو لوگ ہیں نیکوں میں مشہور بہت	ہوں نیکیوں پر اپنی نہ مغرور بہت
نیکی ہی خود اک بدی ہے گر ہو نہ خلوص	نیکی سے بدی نہیں ہے کچھ دور بہت

3.3.7 خلاصہ

عزیز طلبا!اس اکائی میں آپ نے ’’الطاف حسین حالی کی نظم نگاری‘‘ کے تحت حالی کی نظم نگاری کی خصوصیات کے علاوہ ان کی مختصر حالات زندگی ،حالی کی نظموں کی انفرادیت ،الطاف حسین حالی کے معاصرین شعرااور حالی کی جدید نظم نگاری کے رجحانات کے متعلق جان کاری حاصل کی۔حالی کے اجداد اور خاندان کے متعلق معلومات حاصل کی جو سلطان غیاث الدین بلبن کے دور میں ہندوستان آئے تھے۔حالی کا بچپن حفظ قرآن ،فارسی کے استاد،عربی کے استاداورشاعری میں اصلاح کے لئے غالب کی شاگردی کی متعلق پڑھا۔حالی کے حصول تعلیم کے سلسلے میں دربدر کا خاک چھانا،حصارکلکٹر یٹ میں معمولی تنخواہ پر ملازمت کرنا،1857ء کے انقلاب کے پیش نظر دردر کی ٹھوکریں کھانا اور لاہور پہنچ کر سرشتہ تعلیم میں ملازمت کرنا ان سب کی جانکاری آپ نے حاصل کی۔حالی ایک سادہ صفت انسان تھے اورعلم جہاں بھی ملے حاصل کرنے کے قائل تھے۔چنانچہ انہوں نے لاہور میں ملازمت کے دوران انگریزی نظموں کے تراجم کئے اور انہیں اردو نظم کے قالب میں ڈھالا۔اصلاحی،معاشرتی،قومی

،تاریخی،تہذیبی نظمیں لکھ کر نیچرل شاعری کی عمدہ مثال پیش کی۔ ان کی معروف نظموں میں مناجات بیوہ، مدوجزر اسلام (مسدس حالی) برکھارت، چپ کی داد، کلمتہ الحق، جواں مردی کا م وغیرہ ہیں۔حالی نے مرثیہ نگاری میں بھی اپنا نام پیدا کیا اور شخصی مرثیے لکھے۔حالی رباعی گو کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں۔

3.3.8 فرہنگ

الفاظ	معنی
سلاست	وانی
سکونت	خاموشی
قلیل	کم،تھوڑا
سانحات	واقعات
فکرمعاش	کمانے کی فکر
مصاحبت	ساتھ رہنا
شائستگی	مروت،تہذیب
اختلاط	میل جول
متنوع	قسم قسم کا
جاذبیت	پرکشش
امتزاج	ملاوٹ
تتبع	پیروی،نقل

کندن	خالص سونا
مصمم	پکاارادہ

3.3.9 نمونہ امتحانی سوالات

1 الطاف حسین حالی کے خاندانی پس منظر پر ایک جامع نوٹ لکھیے

2 نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ اور مرزا غالب کی صحبت نے حالی کی ادبی زندگی پر کیا اثر ڈالا وضاحت کیجیے

3 حالی کے معاصرین شعرا پر ایک مختصر نوٹ لکھیے

4 حالی نے غزل کی جگہ نظم نگاری کو کیوں ترجیح دی۔ مدلل لکھیے

3.3.10 مزید مطالعہ کے لئے

1 سید احتشام حسین، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، این سی پی یو ایل، نئی دہلی

2 کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

3 ڈاکٹر شہزاد انجم، خواجہ الطاف حسین حالی (مونوگراف) اردو اکادمی، دہلی

4 صالحہ عابد حسین، یادگار حالی

5 الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر وشاعری

علامہ اقبال: نظم 'شمع' کا تنقیدی جائزہ

اکائی کی ساخت

3.4.1 تمہید

3.4.2 تعارف

3.4.3 اقبال کی شاعری

3.4.4 نظم 'شمع' کی انفرادی خصوصیات

3.4.5 نظم 'شمع' (متن)

3.4.6 نظم 'شمع' کا تنقیدی جائزہ

3.4.7 خلاصہ

3.4.8 فرہنگ

3.4.9 نمونہ امتحانی سوالات

3.4.10 مزید مطالعہ کے لئے

3.4.1 تمہید

عزیز طلبا! اس سے قبل اکائی نمبر 1 کے سبق نمبر 2 میں آپ نے اقبال کی معروف ومشہور نظم 'شمع' کے متعلق جانکاری حاصل کی ہے۔اب اس سبق میں اسی نظم سے متعلق مزید جانکاری حاصل کرنے کے لئے اس کا تنقیدی جائزہ لیں گے۔آپ نے پچھلے سبق میں علامہ اقبال کی حالات زندگی سے متعلق بھی کچھ جانکاری حاصل کرلی ہے۔ہم سب جانتے ہیں کہ علامہ اقبال ایک فلسفی شاعر تھے اور مغرب و مشرق کے فلسفیانہ تصورات کو امھوں نے اپنی مختلف نظموں کے ذریعہ پیش کیا ہے۔نظم شمع میں اقبال کی ان ہی فلسفیانپ تصورات میں سے ایک وحدۃ الوجود کے فلسفے پر مبنی قدرے طویل نظم ہے۔آیئے اب ہم مزید جانکار حاصل کرتے ہیں۔

3.4.2 تعارف

عزیز طلبا! علامہ اقبال جن کا اصل نام شیخ محمد اقبال تھا 9 نومبر 1877 کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔عربی، فارسی کی ابتدائی تعلیم مقامی اساتذہ وعلما سے حاصل کی۔ 1893 میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور اسی سال ان کی شادی بھی ہوئی۔اعلی تعلیم لاہور میں حاصل کی اور مزید رسرچ کے لئے یورپ کا سفر کیا۔علامہ اقبال کو بچپن سے ہی شعر گوئی کا شوق تھا۔علامہ اقبال ان دنوں بی اے میں زیرِ تعلیم تھے ان ہی دنوں انہوں نے اپنی نظم 'فلاحِ قوم' انجمن کشمیری مسلمان کے مشاعرے میں سنائی۔ان کی پہلی اردو تصنیف 'علم الاقتصاد' لاہور سے شائع ہوئی۔وہ انجمن حمایت الاسلام کے جنرل کونسل کے رکن رہے اور آل انڈیا محمڈن کانفرنس جو دہلی میں منعقد ہوئی تھی کی صدارت کی۔پنجاب Legislative کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔1931 میں لندن میں گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔1934 میں انجمن حمایت الاسلام کے صدر منتخب ہوئے۔ڈاکٹر اقبال کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرف سے ڈی لٹ کی اعزازی

ڈگری 1929 میں دی گئی۔ اس کے علاوہ علامہ اقبال کو پنجاب یونیورسٹی، ڈھاکہ یونیورسٹی، الہ آباد یونیورسٹی اور عثمانیہ یونیورسٹی نے بھی ڈی لٹ کی اعزازی ڈگریاں عطا کی۔ علامہ اقبال کے چار مجموعہ کلام بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم اور ارمغان حجاز اردو میں شائع ہوئے۔ علامہ اقبال کا انتقال 31 اپریل 1938 کو لاہور میں ہوا۔

3.4.3 اقبال کی شاعری

عزیز طلبا! آپ جان چکے ہیں کہ عنفوان شباب سے ہی اقبال کو شعر کہنے کا شوق تھا۔ چنانچہ انہوں نے شاعری کی تقریبا سبھی اصناف میں طبع آزمائی کی لیکن نظم گو شاعر کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ اقبال کی نظموں میں بھی تغزل کا رنگ ملتا ہے۔ حالاں کہ اقبال نے نظموں کے علاوہ غزلوں کے ساتھ ساتھ رباعیات اور قطعات کہے ہیں۔ اقبال نے اپنی شاعری میں ہیئت اور بناوٹ کو بھی کبھی اہمیت نہیں دی۔ اقبال کے پہلے شعری مجموعے بانگ درا کی نظموں میں زیادہ تر حسن فطرت، حب الوطنی اور اعلی اقدار پر مبنی بچوں کی نظمیں شامل ہیں۔ جب کہ بال جبریل کی شاعری میں ان کے فلسفیانہ فکر کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ ضرب کلیم اور ارمغان حجاز کی نظمیں زیادہ تر ڈرامائی انداز اور خطابت کے انداز میں لکھی گئی ہیں۔ علامہ اقبال کی پوری شاعری کو عمومی طور پر تین دور میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ابتدا سے 1905 تک، دوسرا دور یورپ کے سفر کے قیام کے دوران اور تیسرا یورپ کے واپسی سے انتقال تک۔ علامہ اقبال نے 1908 تک یورپ میں قیام کیا اس دوران ان کے خیالات ونظریات میں بے بہا تبدیلی رونما ہوئی جب انہوں نے یورپ ی تہذیب کو نزدیک سے دیکھا تو ان کی تہذیب کی حقیقت کا دوہرا معیار کا احساس ہوا۔ اس دوران یہ احساس بھی ہوا کہ قومیت اور وطنیت کا نظریہ انسانیت کے حق میں نہیں۔ اس نظریے سے تعصب اور تنگ نظری کو بڑھاوا ملتا ہے۔ اقبال نے محسوس کیا کہ مغربی تہذیب

کی بنیاد مادیت پر ہے اور وہ بہت حد تک وحدانیت کے منکر ہیں۔ چنانچہ اقبال اس نتیجے پر پہنچے کہ انسانیت کی نجات صرف اور صرف اسلامی اصولوں پر چل کر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ 1908 سے 1938 تک کی تمام نظموں کا نقطہ نظر مذکورہ خیالات کی تصدیق و تبلیغ ہے۔

یورپ سے واپسی کے بعد اقبال نے نظم صقلیہ لکھی۔ جزیرہ سسلی کو عربی میں صقلیہ کہتے ہیں۔ عربوں نے اس جزیرے کو اسلامی تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت اور متعدد علوم سے مالا مال کیا تھا۔ اسی لئے اقبال نے صقلیہ کو حجازی تہذیب کا مزار کہا ہے۔ آگے چل کر اقبال کی اکثر نظموں کا موضوع فلسفی خودی، فلسفہ بے خودی اور عشق حقیقی ہو گیا۔ اس کی ترجمانی انہوں نے خطاب بہ نو جوانانِ اسلام، مسلم، شعاع آفتاب، نویدِ صبح، شکوہ جوابِ شکوہ، شمع اور شاعر، خضر راہ اور طلوع اسلام وغیرہ جیسی نظموں سے کیا ہے۔ خاص طور سے ان کی طویل نظم 'شکوہ اور جوابِ شکوہ' اقبال کی مذکورہ خیالات کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس نظم میں اقبال نے مسلمانوں کی شان و شوکت، عظمت اور ان کا زوال سب بیان کیا ہے اور زوال کی اصل وجہ بھی بتائی ہے کہ نا اتفاقی اور قرآن و اسوہ حسنہ سے دوری اس کی اصل وجہ ہے مثلاً

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو   تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
تھے وہ آبا وہ تمہارے ہی، مگر تم کیا ہو   ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو
وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر   اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک   کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

بال جبریل اور ضرب کلیم علامہ اقبال کی شاعری کا نقطہ عروج ہے۔ بال جبریل 1935 میں شائع ہوئی۔ بال جبریل کی بہت ساری نظمیں ایسی ہیں جو اسلام، اس کی ترویج و ترقی اور مسلمانوں کا درخشاں ماضی نظم کے موضوعات ہیں مثلاً طلوع اسلام، خضر راہ، ہسپانیہ، قید خانے میں معتمد کی فریاد،

عبدالرحمٰن اول کا بویا ہوا کھجور کا درخت، طارق کی دعا اور مسجدِ قرطبہ وغیرہ۔ان ہی مجموعوں میں اقبال کے تصور عشق، فلسفہ عمل اور نظریات مردِ مومن کی پوری طرح وضاحت ہوتی ہے۔اقبال کا مرد مومن، علم و عمل، عشق حقیقی محبت اور پختہ عزم کی علامت ہے اور اس حوالے سے یہ سارے نظریات وخیالات علامہ اقبال کو عالمگیریت کی حامل بناتی ہیں۔ بال جبریل کی دوسری اہم نظموں میں ذوق وشوق، ساقی نامہ ہے۔ یہ نظمیں بلا شبہ شاعر کی تجربات کا نچوڑ ہیں اور فنی اعتبار سے شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں۔اس کی سب سے بڑی خوبی سوز وگداز ہے۔ یہ نظمیں جو متن کے ساتھ ساتھ عمل کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ بال جبریل کی چند خوبصورت تمثیلی نظموں میں لالہ صحرا اور شاہین کا شمار ہوتا ہے۔لالہ صحرا کائنات کی وسعتوں میں انسانی کامیابی کی علامت ہے جب کہ شاہین ایک طاقتور پرندہ ہے اور اس میں فقر وغنا، غرت و حمیت، محنت ومشقت، وسیع النظری اور ہمیشہ تازہ دم رہنا اس کی خصوصیات میں شامل ہے۔اس لئے علامہ اقبال نے شاعری میں شاہین کو جدو جہد، جواں مردی اور فقر وغنا کی علامت کے لئے استعمال کیا ہے۔دیگر تمثیلی نظموں میں روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے، لینن خدا کے حضور میں، فرشتوں کا گیت، فرمان خدا، جبریل وابلیس کا مکالمہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔اقبال کی دیگر شاہکار نظموں کا ذکر اگلے اسباق میں ہوگا۔

3.4.4 نظم 'شمع' کی انفرادی خصوصیات

نظم شمع اقبال کے شاعری کے ابتدائی دور کی اہم نظموں میں سے ایک ہے۔ یہ نظم مکالماتی انداز میں لکھی ہوئی ہے اور اس میں شاعر شمع سے ہم کلام ہے۔ نظم وحدۃ الوجود کے فلسفے پر مبنی ہے۔عزیز طلبا! آپ جانتے ہیں کہ اقبال کی شاعری میں زیادہ تر فلسفیانہ نظمیں شامل ہیں۔اس کی شاعر میں خودی، فقر، عمل، مردمومن وغیرہ کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔تاہم تمام مخلوقات میں تمام مخلوقات میں انسان سب سے

افضل ہے۔ وہ اس لئے کہ اس کو اپنی ذات اور خودی کا شعور حاصل ہے۔ یہی شعور انسان کو دوسری تخلیقات سے ممتاز کرتی ہے۔ چنانچہ شمع میں مکالماتی انداز میں اقبال نظم کے آغاز میں اس کی ہمسری و برابری کرتے ہیں لیکن جلد ہی انہیں اپنی برتری کا احساس ہو جاتا ہے اور وہ پھر انسان برتری، خوبیوں خاص کر عشق حقیقی میں فراق کا شعور جو شمع کو نہیں ہے ابن آدم کو افضل بناتی ہے۔ چنانچہ شمع اور شاعر میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اقبال کا نظریہ یہاں یہ ہے کہ شمع صرف روشنی پہنچاتی ہے، جلنے کے بعد دوسروں کو روشن کرتی ہے لیکن شاعر جلنے اور روشن کرنے کے ساتھ ساتھ آگہی اور شعور ذات کی صفت کی وجہ سے اضطراب و تڑپ کا شعور بھی حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ احساس ذات نہ ہو، کوئی جستجو نہ ہو، کوئی اضطراب نہ ہو، سوز و گداز نہ ہو، لذت فراق نہ ہو، گریہ نیم شبی نہ ہو اور سحر گاہی کا احساس نہ ہو تو انسانی زندگی بھی عام حیوان کی طرح ہی گزرے گی۔ یہ احساس شمع کو نہیں ہے۔ یہ احساس شاعر کو ہے جو انسانیت کی علامت ہے۔ آدم کی صفت بھی ہے اور فرشتوں کے صفات بھی۔ عزیز طلبا! آیئے اب ہم زیرِ نظر نظم شمع کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔ تنقیدی جائزہ سے قبل بہتر ہے کہ آپ ایک بار اس نظم کی قرأت کر لیں جو متن کے طور پر شامل کی جا رہی ہے۔

3.4.5 نظم 'شمع' (متن)

جہاں میں میں بھی ہوں اے شمع! دردمند	فریاد در گرہ صفت دانہ سپند
دی عشق نے حرارتِ سوز دروں تجھے	اور گل فروشِ اشکِ شفق گوں کیا مجھے

ہو شمع بزمِ عیش کہ شمع مزار تو
ہر حال اشک غم سے رہی ہمکنار تو

یک بیں تری نظر صفتِ عاشقانِ زار　　میری نگاہ مایۂ آشوبِ امتیاز
کعبے میں، بتکدے میں ہے یکساں تری ضیا　　میں امتیازِ دیر و حرم میں پھنسا ہوا
ہے شان آہ کہ ترے دودِ سیاہ میں
پوشیدہ کوئی دل ہے تری جلوہ گاہ میں؟

جلتی ہے تو کہ برق تجلّی سے دور ہے　　بے درد تیرے سوز کو سمجھے کہ نور ہے
تو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں　　بینا ہے اور سوزِ دروں پر نظر نہیں
میں جوشِ اضطراب سے سیماب وار بھی　　آگاہِ اضطرابِ دلِ بے قرار بھی
تھا یہ بھی کوئی ناز کسی بے نیاز کا
احساس دے دیا مجھے اپنے گداز کا

یہ آگہی مری مجھے رکھتی ہے بے قرار　　خوابیدہ اس شرر میں ہیں آتش کدے ہزار
یہ امتیازِ رفعتِ پسری اسی سے ہے!　　گل میں مہک، شراب میں مستی اسی سے ہے!
بستان و بلبل و گل و بو ہے یہ آگہی
اصلِ کشاکشِ من و تو ہے یہ آگہی

صبحِ ازل جو حسن ہوا دبستانِ عشق　　آوازِ کن ہوئی تپش آموزِ جانِ عشق
یہ حکم تھا گلشنِ کن کی بہار دیکھ　　ایک آنکھ لے کے خوابِ پریشاں ہزار دیکھ
مجھ سے خبر نہ پوچھ حجابِ وجود کی　　شامِ فراق، صبح تھی میری نمود کی
وہ دن گئے کہ قید سے میں آشنا نہ تھا　　زیبِ درختِ طور مرا آشیانہ تھا
قیدی ہوں اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں　　غربت کے غم کدے کو وطن جانتا ہوں میں

یادِ وطن فسردگی بے سبب بنی
شوقِ نظر کبھی ، کبھی ذوقِ طلب بنی

اے شمع! انتہائے فریب ِ خیال دیکھ
مسجود ساکنانِ فلک کا مآل دیکھ
مضموں فراق کا ہوں ، ثریا نشاں ہوں میں
آہنگ طبعِ ناظمِ کون و مکاں ہوں میں
باندھا مجھے جو اس نے تو چاہی مری نمود
تحریر کردیا سرِ دیوان ہست و بود
گوہر کو مشتِ خاک میں رہنا پسند ہے
بندش اگرچہ سست ہے مضموں بلند ہے
چشم ِغلط نگہ کا یہ سارا قصور ہے
عالم ظہور جلوہ ذوق شعور ہے
یہ سلسلہ زمان و مکاں کا کمند ہے
طوقِ گلوئے حسن ِ تماشا پسند ہے
منزل کا اشتیاق ہے ، گم کردہ راہ ہوں
اے شمع! میں اسیر ِ فریبِ نگاہ ہوں
صیاد آپ، حلقہ دامِ ستم بھی آپ!
بامِ حرم بھی، طائر ِ بامِ حرم بھی آپ
میں حسن ہوں کہ عشق سراپا گداز ہوں!
کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیاز ہوں!

ہاں آشنائے لب ہوں نہ رازِ کہن کہیں
پھر چھڑ نہ جائے قصہ دار و رسن کہیں

3.4.6 نظم 'شمع' کا تنقیدی جائزہ

عزیز طلبا! اس سے قبل آپ نے نظم 'شمع' کی انفرادی خصوصیات کا مطالعہ کیا ہے اور پچھلے سبق میں آپ نے نظم شمع کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ آیئے اب ہم اس نظم کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اقبال ایک فلسفی شاعر ہیں اور ان کی فلسفیانہ شاعری کی بنیاد فلسفے کی چند ایسے بنیادی مباحث ہیں جن کی بنیاد عقل، عشق اور خودی پر ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری میں ان فلسفیانہ جہتوں پر تفصیل سے بات کی ہے

۔ان کی شاعری کی بنیاد فلسفہ خودی ہے لیکن اس خودی سے مراد غرور اور گھمنڈ نہیں بلکہ احساس ذات اور اپنے آپ یعنی انسانی کارناموں کے ذریعہ آدمی اور جاندار میں فرق ہے۔ اقبال کا یہی شعور اسے دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔انسان بھی اللہ کی مخلوق کا ایک حصہ ہے لیکن اس کی اس کی زندگی،اس کے کارنامے دوسرے جاندار کی زندگی اور کارناموں سے الگ اور ممتاز ہے۔ وہ اپنی منزلِ مقصود کے حصول کے لئے مسلسل جدوجہد کرتا ہے اور طبعی زندگی و روحانی زندگی کو بہتر کرنے کے لئے ذہنی اور عملی قوت کو بروئے کار لاتا ہے۔زندگی کے مقاصد اور ان مقاصد کے حصول کے لئے آگے بڑھتا رہتا ہے۔اقبال کے نزدیک اسی جدوجہد اور مسلسل سعی پیہم کا نام زندگی ہے۔اس کے لئے سکون اور سکوت موت کا پیغام ہے۔اسی جدوجہد کی وجہ سے انسان اوجِ کمال پر پہنچتا ہے اور نیابتِ الٰہی کا درجہ بھی حاصل کر لیتا ہے جو خودی کا اور انسانی زندگی کا بلند ترین نصب العین ہے اور اسی نصب العین کی تلاش میں روز اول سے انسان سرگرداں ہے۔اقبال کے یہاں ان اوصاف کا حامل انسان مردِ مومن اور انسانِ کامل کہلاتا ہے۔

چنانچہ نظم شمع میں اقبال نے ان ہی فلسفوں میں سے ایک فلسفہ شمع کو شمع اور شاعر کے مکالمے کے ذریعے پیش کیا ہے اور شروع میں انسان کو یعنی اپنے آپ کو شمع کے مانند جلنے اور روشنی پھیلانے سے تشبیہ دی ہے۔نظم کے شروع میں جس طرح شمع جلتی ہے اور غمگین و پریشان رہتی ہے اسی طرح شدت غم میں شاعر بھی خون کے آنسو بہا رہا ہے۔مکالمے کو آگے بڑھاتے ہوئے شمع کی طرف سے شاعر اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ شمع دیر و حرم میں ایک ہی جیسی روشنی پھیلاتی ہے اور اس کی نگاہ بہت بلند ہے۔ پوری انسانیت کے لئے یکساں ہے جب کہ انسان ابھی تک یہ مرتبہ نہیں حاصل کر سکا۔شمع کے جلنے اور روشنی دینے سے عام لوگ اس کی حقیقت کو نہیں سمجھتے اور اسے صرف روشنی دینے والا آلہ سمجھتے ہیں لیکن شمع کے جلنے پر اس پر کیا گزرتی ہے اس کا اندازہ نہیں۔شاعر اپنے آپ کو شمع کے مانند سمجھتا ہے۔مکالمے میں اور

آ گے بڑھ کر شاعر انسان کو شمع سے برتر و اعلی بتا تا ہے یعنی شمع میں شعور و آ گہی کی کمی ہے جو شعور و آ گہی ابن آدم یعنی انسان کو حاصل ہے۔ انسان میں اسی شعور ذاتی کی وجہ سے خالق حقیقی کی ذات وصفات کا شعور حاصل ہوتا ہے یعنی انسان میں اگر شعور شعور ذاتی کا احساس نہ ہو، خالقِ کائنات کی جستجو نہ ہو اور اس جستجو کے لئے اضطراب اور سوز و گداز نہ ہو تو انسان کائنات کے دا سرے جانور کی طرح ہی ہوگا۔ اس لئے اس میں سوز و گداز، لذت فراق، گریہ نیم شبی اور نالہ سحر گاہی کا ہونا بہت ہی ضروری ہے۔ اللہ نے ان ہی صفات کی بنا پر دنیا میں انسان کو اپنا نائب بنایا ہے۔ اقبال کے نزدیک انسانی روح خدا کی ذات سے الگ نہیں اور اس سے جدا ہو کر اپنا حقیقی وجود کھو دیتی ہے۔ اس نظم میں فلسفہ وحدۃ الوجود کی پوری طرح جلوہ گری ہے۔ یہاں اقبال انسانی وجود کو اور انسانی تخلیق کو بتاتے ہوئے اصرار کرتے ہیں:

آہنگ طبعِ ناظمِ کون و مکاں ہوں میں — مضموں فراق کا ہوں، ثریا نشاں ہوں میں
تحریر کردیا سرِ دیوان ہست و بود — باندھا مجھے جو اس نے تو چاہی مری نمود
بندش اگرچہ سست ہے مضموں بلند ہے — گوہر کو مشتِ خاک میں رہنا پسند ہے
عالم ظہور جلوہ ذوق شعور ہے — چشم ِغلط نگہ کا یہ سارا قصور ہے

اقبال نے انسانی ہمہ اوست کا راز بیان کرتے ہوئے بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ انسان حالتِ خواب میں ہے اور ظاہر ہے کہ جو کچھ حالت خواب میں دیکھا جاتا ہے وہ بیدار ہونے کے بعد ختم ہو جاتا ہے لیکن خواب میں انسان اسی کو حقیقی سمجھتا ہے۔ بس یہی حالت ہماری بھی ہے کہ ہم خواب دیکھ رہے ہیں۔ اقبال نے زندگی کو ایک خواب سے تعبیر کیا ہے اور ازلی زندگی کو بھی موت کو حقیقت سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے نزدیک پوری کائنات ایک خواب سے زیادہ کچھ نہیں۔ چنانچہ شمع سے مکالمے میں اپنے آپ کو شاعر ایک راہ بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح بتاتا ہے اور اسی فریب میں مبتلا اپنے آپ کو بتایا ہے جس

میں پوری کائنات ہے۔ اقبال نے پوری انسانی زندگی کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے بتانے کی کوشش کی ہے کہ ہر شخص 'اسیرِ فریبِ نگاہ' ہے اور جس دن وہ اس پریشانی سے چھٹکارا پالے گا اپنے منزلِ مقصود کو پالے گا۔ حیاتِ جاودانی کو پالے گا۔ اقبال نے اس نظم میں اپنے آپ کو ہی عاشق اور خود کو ہی معشوق قرار دیا ہے۔ اس کا دعوی ہے کہ وہ خود ہی ناز بھی ہے اور نیاز بھی۔

3.4.7 خلاصہ

عزیز طلبا! آپ نے اس اکائی میں معروف ومشہور فلسفی شاعر علامہ اقبال کی ایک اہم نظم 'شمع' کا تنقیدی جائزہ لیا۔ آپ یہ جان چکے ہیں کی ان کی پیدائش 9 نومبر 1877 کو سیالکوٹ میں ہوئی۔ سیالکوٹ میں ابتدائی وثانوی تعلیم کے بعد اعلی تعلیم لاہور اور یورپ میں حاصل کئے۔ اقبال نے طالب علمی کے زمانے سے ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے اپنی کئی نظمیں مختلف انجمن کے مشاعروں میں پیش کی۔ گول میز کانفرنس میں شامل ہوئے۔ مختلف ادبی وعلمی انجمن سے منسلک رہے۔ علامہ اقبال کو متعدد یونیورسٹیوں نے ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ علامہ اقبال کے اردو مجموعہ کلام میں بانگ درا ، بال جبریل، ضرب کلیم اور ارمغان حجاز ہے۔ ان کا انتقال 1938 میں لاہور میں ہوا۔ ابتدا میں علامہ اقبال نے زیادہ تر حسن فطرت، حب الوطنی اور اقدار پر مبنی نظمیں لکھیں۔ ان کی بہت سی نظمیں آپ بھی ابتدائی وثانوی درجات کی نصابی کتابوں میں شامل ہیں۔ علامہ اقبال کی پوری شاعری کو تین دور میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ یورپ کے واپسی پر انہوں نے کئی معروف ملی نظمیں لکھیں۔ اس کے علاوہ ان کی بہت سی نظموں کا موضوع فلسفیانہ ہے۔ وہ خودی، بے خودی اور مردِ مومن، انسانِ کامل، وحدۃ الشہود اور وحدۃ الوجود کے فلسفیانہ نظریات پر مبنی ہے۔ زیر مطالعہ نظم 'شمع' بھی ان کی فلسفیانہ نظموں میں شمار ہوتی ہے جس میں اقبال نے وحدۃ الوجود کے فلسفے کو شمع اور شاعر کے مکالمے کے ذریعہ پیش کرنے کی

کامیاب کوشش کی ہے۔ یہاں بھی کائنات کی ساری چیزوں سے انسان کو افضل بتانے کی کوشش کی گئی ہے اور نظم میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انسان اپنی ذات اور خودی کے شعور سے ساری کائنات میں افضل ہے۔ نظم شمع کے آغاز میں شاعر شمع کی طرح ہی اپنے آپ کو سمجھتا ہے لیکن جلد ہی انسانی صفات کی بنا پر اپنے آپ کو افضل ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کیوں کہ انسان کے اندر احساس ذات ہے اور وہ اپنے خالق کی جستجو میں مضطرب رہتا ہے۔ اس میں سوز و گداز ہے، لذتِ فراق ہے اور عبادتِ الٰہی کے لئے سحر گاہی کا احساس بھی ہے۔ یہ سارے احساسات اور خوبیاں شمع میں نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے خالق کائنات کی جستجو اور اپنی روح کو اسی کی ذات میں ملا دینے یعنی حقیقی وجود کو پہچان لینے پر زور دیتے ہیں۔ شمع نظم کے مکالماتی انداز کے اخیر میں شاعر اپنے آپ کو ایک بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح تصور کرتا ہے اور دنیا کو جو فانی ہے 'اسیر فریبِ نگاہ' گردانتا ہے اور وہ ایک پریشانی سے چھٹکارا پانے کے لئے منزلِ مقصود یا حیاتِ جاودانی کو پا لینے کی تمنا کرتا ہے اور یہ حیات جاودانی اس فانی دنیا کی زندگی سے لافانی دنیا کی طرف کوچ کرنا چاہتا ہے۔

3.4.8 فرہنگ

وحدۃ الوجود	ایک خدا کے وجود کا تصور
سحر گاہی	رات کو جاگنا
اشک شفق	خون کے آنسو
آشوب	پریشانی
کشاکش	تکرار، کھینچا تانی
ثریا	بلند پایہ، عالی مرتبہ

اسیر	قیدی
دام	جال، پھندا

3.4.9 نمونہ امتحانی سوالات

1 علامہ اقبال کے کلام کی خصوصیات بیان کیجیے

2 علامہ اقبال کے ابتدائی دور کی شاعری کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے

3 نظم 'شمع' کی انفرادی خصوصیات کی وضاحت کیجیے۔

4 علامہ ایک اقبال ایک فلسفی شاعر ہیں۔اس قول کی وضاحت کیجیے

3.4.10 مزید مطالعہ کے لئے

1 اسلوب احمد انصاری، نقش اقبال، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، 2012

2 محمد عبدالسلام خاں، افکار اقبال، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، 2011

3 محمد اقبال، کلیاتِ اقبال

4 کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی۔2008

5 پروفیسر محمد یوسف خاں سلیم چشتی، تعلیمات اقبال، دفتر اقبال اکیڈمی ظفر منزل تاج ورہ، لاہور

نظم 'شمع' کے حوالے سے اقبال کا فن

اکائی کی ساخت

3.5.1 تمہید

3.5.2 تعارف

3.5.3 اقبال کی شاعری کے مختلف ادوار

3.5.4 اقبال کی شاعری کی فنی خوبیاں

3.5.5 عہد اقبال کی انفرادیت

3.5.6 شمع کے حوالے سے اقبال کا فن

3.5.7 خلاصہ

3.5.8 نمونہ امتحانی سوالات

3.5.9 فرہنگ

3.5.10 مزید مطالعہ کے لئے

3.5.1 تمہید

عزیز طلبا! اب تک آپ نے اقبال کی شاعری اور شخصیت سے متعلق دو اسباق 'علامہ اقبال: نظم شمع کی تشریح اور نظم شمع کا تنقیدی جائزہ' کا مطالعہ کیا ہے جس میں ان کی شخصیت، شاعری اور ان کی مشہور و معروف نظم 'شمع' سے متعلق جانکاری حاصل کی ہے۔ آپ نے یہ بھی سمجھا ہے کہ اقبال نے اپنی شاعری میں مختلف فلسفیانہ نظریات سے کام لیا ہے۔ اسی زمرے کا یہ تیسرا سبق ہے جس میں آپ اقبال کی شاعری کی عمومی خصوصیات ان کے مختلف ادوار شاعری کے حوالے سے پڑھیں گے۔ اس سبق میں نظم شمع کے حوالے سے اقبال کے فن کا جائزہ بھی لیا جائے گا۔

3.5.2 تعارف

عزیز طلبا! آپ جانتے ہیں کہ اقبال کی پیدائش اس زمانے میں ہوئی جب ایشیا کے بیشتر حصوں پر مغربی تسلط تھا اور متحدہ ہندوستان پر برطانوی حکومت تھی۔ 1857 کی ناکام جنگ آزادی کے بعد ہندوستان پر استبدادی قوتوں کا شکنجہ مزید سخت ہو گیا تھا لیکن 1857 کے بعد سماجی، اصلاحی اور ادبی تحریکیں اپنے مختلف منہاج و مقاصد کے لئے زور پکڑ رہی تھی۔ بالخصوص ادبی محاذ پر نثر و نظم میں خاطر خواہ تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ اردو کے مختلف ادبی اصناف کے ذریعہ سماجی اصلاح کا کام لیا جانے لگا تھا۔ چنانچہ اسی ادبی ماحول کے اثر میں محمد اقبال کا بچپن گزرا اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے طالب علمی کے زمانے سے ہی شاعری شروع کی بالخصوص نظموں کے ذریعہ اپنے احساسات و جذبات کو عوام تک پہنچایا۔ حالاں کہ اقبال نے کئی اچھی نثری نمونے بھی پیش کئے۔

عزیز طلبا! آپ جانتے ہیں کہ ہر معاشرے میں تہذیبی اور ثقافتی اقدار کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ یہ اقدار انسان کی خارجی اور داخلی طرز عمل اور فطری رجحانات کو منعکس ہے۔ علامہ اقبال کی ابتدائی

شاعری میں تہذیب وثقافت، اخلاق واقدار، عقائد ورجحانات اور حب الوطنی وقدرتی مناظر بدرجہ اتم موجود ہیں۔لیکن آگے چل کر دھیرے دھیرے قومی و وطنی جذبات پھیلتے ہوئے ملی اور آفاقی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ان پر بین الاقوامی بالخصوص اسلامی، ملی، تہذیبی ثقافت غالب ہوتے جاتے ہیں۔اب ان کی نظر میں پوری دنیا ان کا وطن ہے اور مہذب انسان مردمومن۔ بالخصوص انگلستان کے سفر نے علامہ اقبال کی شاعری کے نظریات کو یکسر تبدیل کر دیا۔اب نیا شوالہ، ہمالہ، ہندوستانی بچوں کا قومی گیت، ترانہ ہندی، ہمدردی، پہاڑ اور گلہری وغیرہ کی جگہ ترانہ ملی جیسی نظموں نے لے لیا۔عزیز طلبا! اس سبق میں علامہ اقبال کے پہلے اردو مجموعہ کلام بانگ درا کی مشہور نظم جس کی تشریح و تنقید پر ہم تبادلہ خیال کر چکے ہیں اس کے فنی خوبیوں کے حوالے سے اقبال کی شاعری کی فنی خصوصیات کا جائزہ بھی لیا جائے گا۔

5.2.3 اقبال کی شاعری کے مختلف ادوار

عزیز طلبا! کئی مبصرین نے علامہ اقبال کی شاعری کو صرف دو حصوں میں تقسیم کیا ہے تو کچھ نے تین حصوص پر مشتمل ان کی شاعری کا جائزہ لیا ہے۔تاہم علامہ اقبال کی شاعری کے بعض تجزیہ نگاروں نے چار ادوار پر مشتمل ان کی شاعری کا جائزہ لیا ہے۔جن حضرات نے اقبال کی شاعری کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے انہوں نے ابتدا سے سفرِ انگلستان تک کو پہلا دور اور انگلستان سے واپسی سے ان کے انتقال تک کی شاعری کو دوسرا دور شمار کیا ہے۔مولانا عبدالسلام ندوی نے اقبال کی شاعری کے چار ادوار بتائے ہیں۔ان کے مطابق پہلا دور 1900 تک ختم ہوتا ہے جو بالکل ابتدائی دور ہے۔دوسرا دور 1900 سے 1905 تک ہے۔اس دور کی نظموں میں عام طور سے ہمالہ، نیا شوالہ، ترانہ ہندی، ہندوستانی بچوں کا قومی گیت، ایک پہاڑ اور گلہری، مکڑا اور مکھی اور گائے وغیرہ ہیں۔ان سبھی نظموں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا

ہے کہ اس دور میں اقبال ہندوستانی تہذیب وثقافت سے بہت متاثر ہیں تاہم اس دور میں بہت سی نظموں میں نیچرل خصوصیات اور قدرتی مناظر بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کی شاعری میں علامہ اقبال منظر کشی، ہندوستانی تہذیب وثقافت اور اس جغرافیائی حالات اور قدرتی منظر کا بہت ہی نزدیک سے اثر قبول کیا ہے۔ ہندوستانی تہذیب وثقافت اور قدرتی منظر نگاری کا خوبصورت نمونہ 'ہمالہ' نظم ہے۔ مثال کے لئے اس کا ایک بند یہاں پیش کیا جاتا ہے

لیلی شب کھولتی ہے آکے جب زلفِ رسا ‏ ‏ دامنِ دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا
وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو فدا ‏ ‏ وہ درختوں پر تفکر کا سماں چھایا ہوا
کانپتا پھرتا ہے کیا رنگ شفق کہسار پر ‏ ‏ خوشنما لگتا ہے یہ غازہ تیرے رخسار پر

اس کے علاوہ سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا، ترانہ ہندی، نیا شوالہ وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جس میں اقبال نے قومی ووطنی عظمت کے علاوہ ہندوستانی تہذیب وثقافت کا بہت ہی عالمانہ ڈھنگ سے تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً

ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے ‏ ‏ سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلادیں
شکتی بھی شانتی بھی بھکتوں کے گیت میں ہے ‏ ‏ دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے
اے آبِ رود گنگا، وہ دن ہیں یاد تجھ کو؟ ‏ ‏ اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا ‏ ‏ ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

آگے چل کر اقبال کے اندر رنگ ونسل کی تفریق اور قوم ووطن کا نظریہ تبدیل ہوگیا۔ انہوں نے بنی نوع انساں کے لئے اس نظریے کو مہلک تصور کیا۔ اگلے دور میں اقبال کے یہاں تہذیبی اقدار کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے جس کی مثال ان کی نظم شعاع امید سے دی جاسکتی ہے۔ اقبال کو اپنے قوم ووطن

سے انسیت تو باقی رہی مگر انہوں نے محسوس کیا کہ اسلام کا راستہ ہی ایسا لائحہ عمل ہے جس پر چل کر سکون اور امن وسلامتی کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ اقبال نے خود اپنے ایک خطبے میں کہا ہے کہ ’’تہذیب وتمدن کی وہ کیا دنیا تھی جس کا ظہور رسول کریم کی دعوت سے ہوا۔ ہمیں ثقافت کے سلسلے میں محض تہذیب وتمدن کی ظاہری رنگ پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ کون سی تصورات ہیں جن پر اسلامی تہذیب و ثقافت کی بنیادیں استوار ہوئیں‘‘۔ وہ مغربی تہذیب کو مسلم معاشرے کے لئے زہرِ ہلاہل سمجھتے تھے کیوں کہ اسی فرنگی تہذیب نے مسلم نوجوانوں کو خود فریبی اور خود فروشی کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا۔ انہوں نے اپنے بیٹے جاوید کے نام منظوم خط میں لکھا ہے

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر　　نیا زمانہ ، نئی صبح و شام پیدا کر
خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو　　سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر
اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں　　سفال ہند سے مینا و جام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے　　خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

اقبال یورپ کے سفر سے واپسی کے بعد مغربی تہذیب اور مغربی فکر سے بیزار نظر آتے ہیں اور اسلامی تہذیب وثقافت کو تہذیب انسانی کے لئے نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس کی مثال ان کی نظموں بلادِ اسلامیہ، تہذیب حاضر، رموزِ بے خودی وغیرہ سے دی جاسکتی ہے۔ فرنگی تہذیب میں رنگ وموسیقی کو شان امتیاز تصور کیا جاتا ہے اور فخر وانبساط کا ذریعہ۔ اقبال مغرب کے اس نظریے کو رد کرتے ہیں۔ ان کے اس نظریے کی تصدیق ان کی نظموں سے ہوتی ہے مثلاً نظم ’مصور‘ میں اس کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں

کس درجہ یہاں عام ہوئی مرگِ تخیل ہندی بھی فرنگی کا مقلد، عجمی بھی
مجھ کو تو یہی غم ہے کہ اس دور کے بہزاد کھو بیٹھے ہیں مشرق کا سرورِ ازلی بھی

اقبال کے یہاں انسانی تہذیب اورانسان کا احترام بہت ہی اہم ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ انسان میں احترام آدم کی صفت پیدا ہو جائے تو اس کا مقام بلند ہو جائے۔انسانی تہذیب کی بقا و فروغ میں عورتوں کا اہم مقام ہے۔چنانچہ مغربی معاشرے میں عورت کو بازار کی زینت بنانے پر وہ بہت ہی نالاں نظر آتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ نسوانیت کا تحفظ مرد پر لازم ہے اس لئے انہوں نے اپنے اس نظریے کی تصدیق میں ضرب کلیم میں 'عورت' کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے۔ان کا خیال ہے کہ

وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

3.5.4 اقبال کی شاعری کی فنی خوبیاں

اقبال کی شاعری میں وہ ساری خصوصیات موجود ہیں جو کسی شاعری کا طرہ امتیاز ہوتی ہیں۔ اقبال نے اپنی شاعری کی زبان کی خود ہی اختراع کی۔ان کی شاعری میں رمزیت و علامت نگاری، تشبیہات، تلمیحات وغیرہ کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں جو علامتیں استعمال کی ہیں وہ معمہ نہیں بلکہ تاریخ، تہذیب وثقافت اور مذاہب سے خصوصاً قرآن واحادیث سے لی گئی علامتیں ہیں جو اپنی جامعیت کے ساتھ ساتھ شاعری کے اسلوب میں ڈھلی ہوئی ہیں۔علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں زیادہ تر فلسفیانہ مضامین باندھے ہیں جو ان کی شاعری کی بنیادی علامت ہے۔ انہوں نے فلسفیانہ نظریات سے بڑے بڑے کام لئے ہیں۔متعدد نظموں میں انہوں نے واعظانہ و معلمانہ انداز استعمال کیا ہے لیکن شاعری کی خوبی کو، رنگینی کو بے کیف اور خشک نہیں ہونے دیا۔اقبال نے

اپنی شاعری میں نیچر، جذبات واحساسات اورتخیل کے ساتھ امید آفرینی پر بھی زور دیا ہے۔ وہ انسان کی حقیقی آزادی کے علمبردار ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے بہت سی تلمیحات اور استعارے استعمال کئے ہیں۔ اقبال نے اپنے تخیل کی بنیاد پر کئی ایسی نظمیں لکھی ہیں جو ڈرامائی اور مکالماتی انداز میں ہیں جن میں بچوں کی نظمیں بھی شامل ہیں مثلاً ایک پہاڑ اور گلہری، شمع، ایک مکڑا اور مکھی، شمع اور شاعر وغیرہ۔

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے — تجھے ہو شرم تو پانی میں جا کے ڈوب مرے
ذراسی چیز ہے ، اس پر غرور کیا کہنا — یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور کیا کہنا

تشبیہات، استعارے، کنایے اور دیگر صنعتوں کے استعمال میں اقبال کو کمال حاصل ہے۔ جس کی مثال ابلیس کی مجلس شوری، لینن خدا کے حضور میں، جگنو اور ایک آرزو وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔
نظم جگنو سے یہ بند مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے

جگنو کی روشنی ہے کاشانہ چمن میں — یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں؟
آیا ہے آسماں سے اڑکر کوئی ستارہ — یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں؟
یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا؟ — غربت میں آ کے چمکا، گمنام تھا وطن میں؟
تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا؟ — ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں؟

یا پھر یہ شعر

پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی — جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو
مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو — سرخی لئے سنہری ہر پھول کی قبا ہو
راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم — امید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو
بجلی چمک کے ان کو کٹیا مری دکھا دے — جب آسماں پہ ہر سو بادل گھرا ہوا ہو

یا پھر یہ شعر

حکمت و تدبیر سے یہ فتنہ آشوب خیز ٹل نہیں سکتا ، وقد کنتم بہ تستعجلون
کھل گئے ،یاجوج و ماجوج کے لشکر تمام چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف ینسلون

اقبال کی شاعری کی فنی خوبیوں،تشبیہات واستعارے کے نادرونایاب استعمال پر اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر یوسف حسین خان نے لکھا ہے

''یہ بات دعوے سے کہی جاسکتی ہے کہ اقبال نے اپنے کلام میں زندگی کی نسبت میں جس قدر تشبیہیں،استعارے اور ترکیبیں استعمال کی ہیں ان کی مثال فارسی اور اردو کے کسی شاعر کے یہاں نہیں ملتی''۔

ڈاکٹر یوسف حسین خان نے اس زمرے میں اپنی کتاب 'روحِ اقبال' میں تقریباً 120 نادرونایاب تشبیہیں اور تراکیب درج کی ہیں جنہیں اقبال نے اپنی شاعری میں استعمال کیا ہے۔اس کے ساتھ اقبال نے رمز وایما،سہل ممتنع اور تلمیحات کی بہترین مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ ہیئت ومعنی کے لحاظ سے ان کی بعض نظموں میں غزل کی خوبی پائی جاتی ہے اور بعض غزلوں میں نظم کی۔اس کی مثال ساقی نامہ،شمع وشاعر،ایک شام وغیرہ سے دی جاسکتی ہے۔چند مثالیں آپ بھی ملاحظہ کیجئے

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

اور 'شمع وشاعر' کا یہ شعر

تھا جنہیں ذوقِ تماشا، وہ رخصت ہوگئے لے کے اب تو وعدہ دیدار عام آیا تو کیا
انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اٹھ گئے ساقیا! محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا

پھر ان کی نظم 'ایک شام' کا یہ شعر

خاموش ہے چاندنی قمر کی — شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی
وادی کے نوافروش خاموش — کہسار کے سبز پوش خاموش
فطرت بے ہوش ہوگئی ہے — آغوش میں شب کے سوگئی ہے

اقبال کی شاعری میں جابجا اس طرح کی پر اثر اور فنی خوبیوں سے معمور اشعار مل جائیں گے۔ صرف فضا کی خاموشی کا تاثر قائم کرنے کے لئے یہ تین شعر اپنی مثال آپ ہیں۔عزیز طلبا! اقبال کی شاعری کو فکری، فنی و معنوی اعتبار سے معجزہ فن کہنا چاہیے۔

3.5.5 عہد اقبال کی انفرادیت

علامہ اقبال کا عہد کئی اعتبار سے انفرادی اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ اس دور میں ایسے شعرا و ادبا پیدا ہوئے جنہوں نے نظم ونثر کے تقریباً سبھی اصناف کی ترویج وترقی میں حصہ لیا۔اسی عہد میں شاعری کی بیشتر اصناف کو خاطر خواہ فروغ حاصل ہوا۔خاص طور سے صنف غزل گوئی میں متعدد قد آور شعرا نے شعری ادب کو متاثر کیا۔خود علامہ اقبال بھی ایک طرف نظم گو شاعر کی حیثیت سے معروف ومشہور ہوئے تو دوسری طرف انہوں نے اچھی غزل گوئی کی مثال بھی قائم کی۔اقبال کے دور میں غزل کے مختلف انداز کے غزل گو شعرا موجود تھے۔کہیں مسلسل اور روایتی غزل فروغ پا رہی تھی تو کہیں رنگین اور رومانوی غزل۔اسی زمانے میں متصوفانہ غزل اور مسائلی غزل نے بھی خاطر خواہ ترقی پائی۔غرض کہ غزل کا ہر رنگ عہد اقبال میں موجود تھا۔اس عہد میں فانی بدایونی، سیماب اکبرآبادی، یاس یگانہ چنگیزی، شاد عظیم آبادی، اصغر گونڈوی، ریاض خیرآبادی، جگر مرادآبادی، فیض احمد فیض، جمیل مظہری وغیرہ ایسے نام ہیں جن کی شاعری غزل اور نظم دونوں حیثیت سے انفرادیت کی حامل ہیں۔اس زمانے میں نظمیہ شاعری کو بھی خاطر خواہ فروغ حاصل ہوا۔خود اقبال نے بھی مثنوی کی ہیئت میں بہت ساری نظمیں کہیں۔اس

زمانے میں مرثیہ،قصیدہ، رباعی،قطعات کا چلن بھی عام تھا۔حالی،محمد حسین آزاد نے جس نیچرل شاعری اوراکبرالہ آبادی نے جس طنزیہ ومزاحیہ شاعری کی بنیاد رکھی تھی دیگر شعرانے عہداقبال میں اس روایت کو خاطر خواہ فروغ دیا۔شخصی مرثیہ اور وطنی و ملی شاعری کے علاوہ موضوعاتی نظمیں بھی خوب پروان چڑھیں۔ اقبال کے معاصر نظم گوشعرا میں اکبرالہ آبادی، برج نرائن چکبست ،نظم طباطبائی، جوش ملیح آبادی، اسماعیل میرٹھی، تلاک چند محروم اور حفیظ جالندھری نے نظم گوئی کو بہت فروغ دیا۔علامہ اقبال نے بھی نظم نگاری کی طرف خاطرخواہ توجہ کی اور متعدد موضوعات پر منفرد نظمیں لکھی۔اقبال نے تصورعشق، خودی، رموز بے خودی، تصورفقر، انسان کامل، وحدۃ الوجود وغیرہ فلسفیانہ نظریات کو اپنی موضوعی نظموں میں بہتر طریقے سے برتا۔ اسی زمانے کی شاعری میں نظم گوئی میں کئی ہیئتی تجربے ہوئے اور تکنیکی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔خودااقبال نے اپنی شاعری میں قوم وملت اورملکی وسیاسی مسائل کے علاوہ معاشی و معاشرتی مسئلوں پر بھی کھل کراظہارِخیال کیا۔اقبال اپنے معاصر شعرا سے متاثر بھی ہوئے اوران کومتاثر بھی کیا۔عہدِاقبال میں دبستان دہلی، دبستان لکھنؤ اور دیگر دبستانوں کے درباری شاعری کا عہد ختم ہورہا تھا۔اقبال کا کمال یہی ہے کہ انہوں نے کسی دبستان سے اپنے آپ کومنسلک نہیں کیا بلکہ سبھی دبستانوں کے شعرا کے اثر قبول کئے اورانہیں متاثر بھی کیا۔عہداقبال میں انگریزی شاعری سے اردو میں ترجمے کی روایت کومزیدفروغ حاصل ہوا۔خوداقبال نے بھی انگریزی کی بہت سی نظموں سے استفادہ کیا اورانہیں اردو کے قالب میں ڈھالا۔اقبال کے عہد میں اوراس سے ذرا پہلے مولانا الطاف حسین حالی،مولانا محمد حسین آزاد، برج نرائن چکبست وغیرہ سے انہوں نے استفادہ کیا۔اقبال کی مثنوی پرگلزارنسیم کی روایت کا اثر دیکھا جاسکتا ہے۔واسوخت کے طرز پراقبال کی نظموں میں 'شکوہ اورجواب شکوہ' کا جواب ہیں جو امیر مینائی کی لکھنوی شعری حسیت وواسوخت کا اثر تھا۔غرض کہ خوداقبال اپنے عہد کے شعرااوراس سے

پہلے کے شعری روایات سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی ایک الگ انفرادی شناخت قائم کی۔

3.5.6 شمع کے حوالے سے اقبال کا فن

عزیز طلبا! علامہ اقبال نے ایسی بہت سی نظمیں لکھی ہیں جس میں کوئی نہ کوئی فلسفیانہ نظریات پیش کیا گیا ہے۔ شمع بھی ایک معروف فلسفیانہ نظریے کو بنیاد بنا کر لکھی گئی مکالماتی نظم ہے۔ علامہ اقبال کو اسلامی تہذیب وثقافت کی بقا کا بے حد خیال تھا۔ وہ اسلامی تہذیب وثقافت کے عناصر کو عام کرنا چاہتے تھے۔ علامہ اقبال نے قرآن کریم کی مختلف آیتوں کو اپنی نظم میں تشریحی طور پر بیان کیا ہے۔ سفر یورپ کے واپسی کے بعد انہوں نے کئی ایسی نظمیں لکھیں جو اسلامی تہذیب اور ملت بیضا کے موضوع پر تھی۔ ان کے نزدیک تہذیب انسانی میں استقرائی عمل اور انسانی مساوات کا بہت عمل دخل ہے۔ مساوات کا نظریہ زندگی کی اعلی قدروں میں شامل ہے۔ علامہ اقبال کی نظم رموز بے خودی نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ظہور اسلام سے قبل کلیسا اور بادشاہت نے انسانیت کا استحصال کیا وہ نہایت ہی عبرتناک تھا۔ اسلام نے ان تمام امتیازات کو ختم کر کے مساوات اور ہمہ گیر اخوت کا درس دیا۔ اقبال کی نظر میں غلام کی حیثیت ایک ممولے کی سی ہے اور آزاد شخص کی حیثیت سہباز وشاہین کی طرح ہے۔ بقول اقبال

بہتر ہے کہ بیچارے ممولوں کی نظر سے　　پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات!
محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا　　ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات!
محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی　　موسیقی وصورت گری و علم نباتات

اپنے خیال کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی　　خراب کرگئی شاہین بچے کو صحبت زاغ
حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی　　خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

علامہ اقبال کے نظریے کے مطابق اسلامی فنون لطیفہ و مسلم حکمراں کی تعمیرات، ثقافتی وتہذیبی روایات، انسان کا دنیا کے لئے تب مثال بنتی ہے جب ان میں خون جگر شامل ہو ورنہ وہ فنون بہت دنوں تک باقی نہیں رہتے اور نہ ان کا اثر باقی رہتا ہے۔ بال جبریل کی نظم ’مسجد قرطبہ‘ ان ہی خیالات کی تصدیق کرتی ہے۔

تیرا جلال و جمال ، مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل، تو بھی جلیل و جمیل
عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

مسجد قرطبہ کے علاوہ علامہ اقبال کی اور بہت سی نظمیں ہیں جس میں ان کے نظریاتی اور تصوراتی اور فلسفیانہ خیالات کی کارفرمائی ہے۔ وہ ملی وتہذیبی ذہن سازی کے لئے قرآن مقدس کی سمجھ کو بہت ہی ضروری سمجھتے تھے۔ حرکت و عمل، پاکبازی، ضبط نفس، عالمی بھائی چارہ وغیرہ پر انہوں نے بہت سی نظموں میں اظہار خیال کیا ہے۔ ان کے نزدیک معاشرے میں جب مومن کی شان پیدا ہو جائے اور اس میں خودی کی تعمیر کی صفت پیدا ہو جائے تو معاشرہ خود بخود مثالی ہو جاتا ہے۔ مسلم نوجوانوں کی خودی اور صفت استغنا سے ہم کنار کرنے کے لئے انہوں نے ایک نظم ’ایک نوجوان کے نام‘ لکھی ہے۔ چند اشعار مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراج مسلمانی
عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہ ہو نومید، نومیدی زوال علم و عرفاں ہے
امید مرد مومن ہے خدا کے رازدانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

گویا ان کے نزدیک استغنا سے خودی مستحکم ہوتی ہے جس کے بدولت قوت ارادی اور حرکت و عمل میں اضافہ ہوتا ہے اور اس سے اسلامی تہذیب وثقافت کا فروغ ہوتا ہے۔ اقبال کا نظریہ زندگی جامد نہیں بلکہ ہمیشہ منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ اس کی تفصیل 'شمع' میں بھی ملتی ہے۔ ان کی فکر رسمی نہیں، ان کا شعور نقلی نہیں بلکہ ان کی فکر عقلی اور اصلی ہے۔ ان کے فلسفے میں حرکت وعمل ہے جو انسان کو معراج تک لے جاتا ہے۔ انسانی خودداری اور جہد مسلسل کو اقبال نے ترجیحات کے طور پر استعمال کیا ہے۔ خود انسان کو اپنی ذات میں سما کر غور وفکر کرنا چاہئے کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ اس کے فرائض کیا ہیں؟ اور اس کو پھر کہاں جانا ہے؟۔ اقبال کی نظموں کے اشعار بھی ان کے اس فکر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ مثلاً

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن
خودی کی جلوتوں میں مصطفائی کودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

علامہ اقبال کی نظمیں ہی نہیں غزلوں میں بھی انسانیت کی ہمہ گیر بھلائی اور رواداری کی اعلی مثالیں ملتی ہیں۔ اقبال کے نظموں کی انفرادیت کی طرح ہی غزل گوئی میں بھی انفرادیت نظر آتی ہے۔ نظم شمع میں جو وحدۃ الوجود کا فلسفہ پیش کیا گیا ہے وہ اقبال کی شاعری کی انفرادیت کی عمدہ مثال ہے۔

3.5.7 خلاصہ

عزیز طلبا! آپ نے اس سبق میں علامہ اقبال کے حوالے سے متحدہ ہندوستان کی تہذیبی و اقداری اہمیت اوران کے عہد میں ادبی تحریکوں اور نظم ونثر کی ترقی کے متعلق جانکاری حاصل کی ہے۔ آپ نہ یہ بھی سیکھا ہے کہ علامہ اقبال کو شاعری کے مختلف ادوار میں کس طرح کے رجحانات پیدا ہوئے

اور مختلف دور مین کن اقداری، سماجی، سیاسی اور مذہبی قوتوں نے ان کی شاعری کو متاثر کیا۔ خاص طور سے یورپ سے لوٹنے کے بعد انہوں نے یہ محسوس کیا کہ مغربی تہذیب مشرقی بالخصوص مسلم معاشرے و تہذیب کو کھوکھلا کر دے گی۔ اس لئے یہ بہتر ہے کہ مغرب کے چکا چوند تہذیب اور مادی ترقی کی طرف نہ جا کر مشرقی اقدار پر بھروسہ کیا جائے۔ علامہ اقبال کی شاعری کے مختلف نظریات بالخصوص عورتوں سے متعلق ان کی نظریات کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری کی فنی خصوصیات میں ان کی شاعری کے امتیازات مثلاً علامت نگاری، استعارات وتشبیہات ارتلمیحات کی جانکاری حاصل کی ہے۔ علامہ اقبال نے تاریخ، تہذیب، ثقافت اور مذاہب خصوصاً قرآن واحادیث جو علامتیں وتلمیحات اپنی شاعری میں استعمال کئے ہیں ان کے بارے میں آپ نے جانکاری حاصل کی ہے۔ مختلف فلسفیانہ نظریات سے جس طرح انہوں نے اپنی شاعری میں کام لیا ہے اس کے متعلق بھی آپ نے پڑھ لیا۔ اس مطالعے کے باعد یہ بات پختہ ہو جاتی ہے کہ جس قدر اچھوتے تشبیہات و استعارے اور ترکیبیں علامہ اقبال نے استعمال کی ہیں اردو اور فارسی کے کسی شاعر کے یہاں شاید ہی ملے۔ آپ نے یہ بھی جان لیا کہ علامہ اقبال کی بعض نظموں میں غزلیہ خصوصیات ار بعض غزلوں میں نظمیہ آہنگ پایا جاتا ہے۔ یہ علامہ اقبال کی انفرادیت کہی جا سکتی ہے۔ عہد اقبال میں مختلف طرح کے شعری اصناف کی ترویج و ترقی ہوئی۔ ان کے ہمعصروں میں سیماب اکبرآبادی، فانی بدایونی، یاس یگانہ چنگیزی، شادعظیم آبادی، اصغر گونڈوی، جگر مرادآبادی، ریاض خیرآبادی، فیض احمد فیض، جمیل مظہری کے نام بطور خاص لئے جا سکتے ہیں۔ اس سبق میں آپ نے نظم شمع کے حوالے سے اقبال کی فن کا مطالعہ بھی کیا بالخصوص علامہ اقبال کی فلسفیانہ نظریات سے متعلق نظموں کی جانکاری حاصل کی۔ ان کے نزدیک تہذیب انسانی میں استقرائی عمل اور انسانی مساوات کا بہت عمل دخل ہے۔ اسی لئے وہ مساوات کو زندگی کی اعلی قدروں میں شمار کرتے ہیں۔

علامہ اقبال نے اپنے مذکورہ نظریات کو جن نظموں میں تفصیل سے بیان کیا ہے وہ مسجد قرطبہ ہے۔ مسجد قرطبہ کا اہم مقام ہے۔ علامہ اقبال نے مسلم نوجوانوں کو استغنا و خودی کی طرف رجوع کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے مطابق اسی کے بدولت قوت ارادی اور حرکت و عمل میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان کا شعور نقلی نہیں بلکہ وشق اور عقل دونوں کی بنیاد پر ہے۔ ان کے مطابق خودداری اور جہد مسلسل انسان کو معراج تک لے جاتا ہے۔ علامہ اقال کی بہت سی نظموں میں ہمہ گیر انسانیت اور عالم گیر بھائی چارہ وروا داری کی اعلی مثالیں ملتی ہیں۔ نظم شمع بھی انہیں میں سے ایک منفرد و ممتاز نظم ہے۔

3.5.8 نمونہ امتحانی سوالات

1 علامہ اقبال کی ابتدائی نظموں پر اظہار خیال کیجئے۔

2 علامہ اقبال کی شاعری کے مختلف ادوار کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

3 علامہ اقبال کی بعض نظمیں قدرتی منظر نگاری کی شاہکار ہیں۔ اس قول کی وضاحت کیجیے اور مثالیں پیش کیجیے۔

4 عہد اقبال کی انفرادیت بیان کیجیے۔

3.5.9 فرہنگ

غازہ	خوشبودار پوڈر
باسی	باشندہ
بیر رکھنا	کینہ رکھنا، بغض رکھنا
لالہ	ایک قسم کا پھول جس کے اندر سیاہ داغ ہوتا ہے

سفال	ٹھیکرا، مٹی کا پیالہ
معما	پوشیدہ، مخفی
پیرہن	لباس، پوشاک
قبا	ایک قسم کا آگے سے کھلا ہوا کوٹ یا اچکن
کٹیا	جھونپڑی
خرد	عقلمند
زاغ	کوا
استغنا	بے نیازی

3.5.10 مزید مطالعہ کے لئے

1 اسلوب احمد انصاری، نقش اقبال، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، 2012

2 محمد عبدالسلام خاں، افکار اقبال، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، 2011

3 محمد اقبال، کلیاتِ اقبال

4 کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئ دہلی۔2008

5 پروفیسر محمد یوسف خاں سلیم چشتی، تعلیمات اقبال، دفتر اقبال اکیڈمی ظفر منزل تاج پورہ، لاہور

نظم 'شمع' میں اقبال کا پیغام

اکائی کی ساخت

3.6.1 تمہید

3.6.2 تعارف

3.6.3 اقبال بحیثیت فلسفی شاعر

3.6.4 کلام اقبال کی فکری پہلو

3.6.5 نظم 'شمع' میں اقبال کا پیغام

3.6.6 خلاصہ

3.6.7 فرہنگ

3.6.8 نمونہ امتحانی سوالات

3.6.9 مزید مطالعہ کے لئے

3.6.1 تمہید

عزیز طلبا! اب تک آپ نے اقبال اور اقبال کی شاعری سے متعلق اور ان کے فکری پہلو سے متعلق تین اسباق کا مطالعہ کیا ہے جس میں آپ نے علامہ اقبال کی ابتدائی زندگی، ان کی تعلیم و تربیت اور ابتدائی شاعری کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری کے فکری پہلوؤں کی بھی جانکاری حاصل کی ہے۔ نظم شمع کے حوالے سے اقبال کی شاعری اور ان کے فلسفیانہ نظریات کا مطالعہ بھی کیا ہے اور نظم شمع کی تشریحی و تنقیدی مطالعہ بھی کیا ہے۔ اس سبق میں نظم شمع کے حوالے سے اقبال کی شاعری کے پیغام سے متعلق جانکاری حاصل کریں گے۔

3.6.2 تعارف

عزیز طلبا! پچھلے اسباق کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اقبال کی شخصیت اور فکری رجحانات میں یورپ کے سفر کے بعد نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔ انہوں نے قیام یورپ کے دوران جو تحقیق و مطالعہ کیا اور یورپی معاشرے نے جوان پر اثر ڈالا آئندہ کی شاعری میں اس کا عکس نمایاں ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ سفر یورپ نے اقبال کی شاعری کے فکری پہلوؤں کو یکسر تبدیل کر دیا۔ علامہ اقبال نے مشرقی اور مغربی فلسفیانہ مکتب فکر کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور دونوں مکتب فکر کے فلسفیوں کے افکار ونظریات سے متاثر بھی ہوئے۔ ان فلسفیانہ نظریات کے مطالعے کے بعد ان کی فکری پہلو میں جو تبدیلی رونما ہوئی وہ یہ ہے کہ مغرب کا فلسفہ انسان کو مادیت کی طرف کھینچ رہا ہے اور اس میں اخلاقی و روحانی قدروں کا فقدان ہے جبکہ مشرقی فلسفے کی بنیاد ہی اخلاقی و روحانی قدروں کا فروغ ہے اور یہ بہت حد تک مادی دنیا پر انحصار کرنے سے دور رکھتا ہے۔ ان کے خیال میں مغربی عقلیت پسندی، مشینی ایجادات اور بے جا فخر ایسی چیزیں ہیں جو مغربی تمدن کا شیرازہ بکھیر دیں گی۔ ان کے مطابق اس کی وجہ

سے معاشرے میں روحانی اور اقداری اخلاق کا زوال ہو جائے گا۔ رنگ ونسل، وطنیت اور قومیت کو بنیاد بنا کر نوع انسانی مختلف گروہوں اور طبقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور طاقتور قومیں کمزور اقوام پر ظلم وزیادتی کریں گی۔ جمہوریت سرمایہ داروں کا کھلونا ہوگا اور سرمایہ دار غریبوں کا خون چوسیں گے۔ اس کے علاوہ اقبال مغربی اقوام کا مشرقی اقوام بالخصوص مشرق وسطی کے ممالک پر بے جا تسلط سے بھی فکر مند تھے۔ انہوں نے مسلم ممالک کی پستی اور زوال کی وجوہات بھی تلاش کرنے کی کوشش کی اور پایا کہ مسلم اقوام کے زوال کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو مغرب کا ان پر غلبہ اور نوجوان نسل میں مغرب کی بے جا پیروی اور دوم مسلمانوں کی اپنی مذہبی روایات اور تشخص سے بے تعلقی اور بیزاری۔ چنانچہ ان پہلوؤں کو موضوع بنا کر انہوں نے بہت سی نظمیں لکھیں مثلاً شکوہ جوابِ شکوہ، مسلم، شمع اور شاعر، خطاب بہ نوجوانان اسلام، ہلال عید، ترانہ ملی وغیرہ۔ عزیز طلبا! اس سبق میں علامہ اقبال کی شاعری کے فکری پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے گا اور نظم شمع کے حوالے سے اقبال کی نظموں میں ان کے پیغام کا جائزہ بھی پیش کیا جائے گا۔

3.6.3 اقبال بحیثیت فلسفی شاعر

عزیز طلبا! علامہ اقبال کی شاعری کے فکری پہلو میں بہت ہی فلسفیانہ نظریات کارفرما ہیں۔ کلام اقبال میں وطنیت، فطرت کی نقاب کشائی، وحدۃ الوجود، عظمت انسان، زندگی کا غیر فانی ہونا، خودی اور بے خودی کا تخیل، وحدۃ الشہود، تغیر کی حقیقت، انسان کامل وغیرہ ایسے فلسفیانہ پہلو ہیں جو ان کی شاعری میں عام طور سے دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ مذہبی اور عقلی تشبیہات، باطنی شعور، مادیت کا تصور، کائنات کی نوعیت، خودی، انا (Ego)، وجدان وعرفان وغیرہ ان کی شاعری میں مختلف طریقے سے پیش کئے گئے ہیں۔ علامہ اقبال نے جن مغربی فلسفیوں اور مفکرین سے اثر قبول کیا ہے ان میں لاک، برکلے، کانٹ، ہیگل، برگساں وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اقبال نے شعوری طور پر جن فلسفیانہ

خیالات کا اظہار اپنی شاعری میں کیا ہے بلکہ شاعری ہی نہیں اپنے خطبات میں کیا ہے ان اہم نکات میں خودی، بے خودی، عشق، فقر، جہد مسلسل، عمل اور مرد مومن خاص ہیں۔ بہت سے نقاد کا خیال ہے کہ اقبال کی شاعری کی بنیاد خصوصی طور سے فلسفہ خودی پر ہے۔ انہوں نے خودی کے لفظ کو غرور اور گھمنڈ کے معنی میں نہیں لیا ہے بلکہ ان کے یہاں خودی کا مفہوم احساس نفس اور تعین ذات ہے۔ ان کا خیال ہے کہ انسان میں اپنی ذات اور خودی کا شعور پایا جاتا ہے اس لئے یہ تمام مخلوقات میں سب سے برتر ہے اور اس کا یہی شعور اسے دوسری مخلوق سے منفرد و ممتاز کرتا ہے۔ ان کے یہاں انسانی ہستی حقیقی ہے۔ انسان اپنی منزل پانے کے لئے خود کو مستحکم کرتا ہے اور اسی کے استحکام کے لئے وہ طبعی ماحول سے مسلسل نبرد آزما رہتا ہے۔ اپنے لئے نئے مقاصد متعین کرتا ہے کیوں کہ وہ اپنی راہوں کی روکاوٹوں کو دور کرنا اور مشکلات پر قابو پانا اس کے حیات کا مقصد ہے۔ ایک مقصد کے حصول کے بعد دوسرے مقاصد کے حصول کے لئے لگاتار کوشش کرتا ہے اور راہ طلب میں آگے بڑھتا رہتا ہے۔ اقبال کے نزدیک جہد مسلسل اور سعی پیہم کا نام ہی زندگی ہے۔ سکون اور سکوت کو اقبال ٹھہرا ہوا پانی سمجھتے ہیں کہ انسانی زندگی کے لئے، اس کے جہد مسلسل کے لئے موت کا پیغام ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری میں ضبط نفس کو انسانی کمال سمجھتے ہیں اور اسی سے نیابت الٰہی کا حصول ممکن ہے۔ ضبط نفس کو خودی کے ارتقا میں نصب العین کی حیثیت حاصل ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری میں اجتماعی خودی پر بھی زور دیا ہے۔ اجتماعیت سے مراد ملت کی احساس خودی، روایات کو اور تاریخ کو قائم رکھنا ہے۔ اقبال نے جابجا اپنی شاعری میں خواہ وہ نظمیں ہوں یا غزلیں عقل کے مقابلے میں عشق کو ترجیح دی ہے مثلاً

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق　　　عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

ان کے خیال میں علم اور عقل انسان کو منزل کے قریب پہنچا سکتے ہیں لیکن عشق کے بغیر منزل

مقصود پر پہنچنا ممکن نہیں۔ان کے نزدیک عقل کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس میں ہمت کی کمی ہے۔عشق کی حوصلہ افزائی کے بغیر عقل ایک قدم آگے نہیں بڑھا سکتی۔یہ شعر بھی اس کی تصدیق کرتا ہے

خرد ہوئی ہے زمان ومکان کی زناری　　　نہ ہے زماں نہ مکاں، لا الہ الا اللہ

اقبال کے یہاں انا یا ego ایک دوہرا عمل ہے۔ایک طرف انسان انائے مطلق کی غیر محدود دسترس میں خود شریک ہوتا ہے تو دوسری طرف چاہتا ہے کہ اس کی خودی مجروح نہ ہو۔گویا انائے مطلق انسان کے مقدر کے تعین میں اس کی مددگار اور رفیق کار ہو جاتی ہے اگر وہ اپنے مالک حقیقی، خالق کائنات سے عشق حقیقی کا طالب ہو جائے تو پھر بقول اقبال یہ صورت حال پیدا ہو جاتی ہے

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ　　　غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زور بازو کا　　　نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اقبال کے نزدیک عشق کی دو منزلیں ہیں پہلی منزل جہد مسلسل اور سوز وگداز ہے، تلاش وجستجو ہے تو دوسری منزل لذت دیدار ہے اور اسی لذت دیدار کی وجہ سے وہ درد جدائی میں تڑپتا ہے۔اقبال نے اسی جدائی کو خودی کی وجہ حیات بتایا ہے۔غرض کہ اقبال کے یہاں سوز اور خلوص بہت ہی کارآمد ہیں۔انسان اس کی پرورش اپنے جذبے کی آغوش میں کرتا ہے۔اقبال کے مطابق اسی سوز سے اس کا ساز اور اس کا فن معجزہ بن جاتا ہے۔کلام اقبال میں جہد مسلسل کے علاوہ متعدد جگہوں پر عمل کی تلقین بھی ملتی ہے۔ان کے مطابق مقاصد چاہے جتنے بلند ہوں عمل کے بغیر بے معنی ہے۔انسان کی شخصیت عمل سے ہی سنورتی ہے۔نیکی کوئی بنی بنائی چیز نہیں بلکہ وہ انسانی عمل سے وقوع پذیر ہوتی ہے۔بقول اقبال

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

3.6.4 کلام اقبال کی فکری پہلو

عزیز طلبا! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ علامہ اقبال کی شاعری صرف شاعری ہی نہیں بلکہ پیغام ہے۔ ان کی شاعری کے ابتدائی ایام میں قومیت،حب الوطنی اور مناظر فطرت نمایاں ہے۔ بعض نظموں میں قومیت اور حب الوطنی کے علاوہ فطرت کی نقاب کشائی آرزو اور تمنا،عظمت انسان اور مشرق ومغرب کے فلسفیانہ تصورات پر بحث ملتی ہے۔آگے کی شاعر میں جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کئی فلسفیانہ نظریات و خیالات کو انہوں نے موضوع سخن بنایا ہے مثلاً خودی اور بے خودی کا تخیل، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود، دنیا کا تغیراتی نظام،انسانی زندگی کی بے ثباتی،انسان کامل کا تصور،اسلامی ثقافت، تقدیرامم،عشق و عاشقی کا نیا تصور، حیات و بقا کا استقرار، انسانی حیات کی حرکت وتغیر پزیری،انسانی اخلاقیات واقدار،حسن وقبح کی حقیقت وغیرہ۔اس کے علاوہ عہد اقبال کی سیاسی،سماجی اور معاشی پہلو بھی ان کی شاعری میں جابجا دیکھے جاسکتے ہیں مثلاً جمہوریت وسرمایہ داری،اشتراکیت،معاشرے میں عورت کی حیثیت،اس کی حفاظتی پہلو،مغربی ومشرقی سیاست کا موازنہ،پسماندہ اقوام پر ترقی یافتہ اقوام کی جبر وتشدد وغیرہ ایسے فکری پہلو ہیں جن کا علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ اقبال نے سیاست میں خود بھی سرگرم رول ادا کیا اور سیاست کے اہم پہلوؤں کو بھی اپنی شاعری میں جگہ دی۔سقراط،افلاطون وغیرہ کے سیاسی وسماجی نظریات، روسو، ہیگل اور مارکس کے نظریات کو بھی تفصیل سے پڑھا اور اپنی شاعری میں استعمال بھی کیا۔اقبال کے فکر میں خصوصا سیاسی فکر میں اسلامی ریاست کا تاریخی پس منظر،دعوت اسلامی، صالح اسلامی معاشرے کی تشکیل،اسلامی ریاست کا نصب العین،اس کے معاشی اور فلاحی پہلو،حقوق وفرائض،صلح و جنگ سبھی فکری پہلو ان کی شاعری میں نمایاں ہیں۔
اشتراکیت کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر انہوں نے کھل کر اظہار رائے کیا ہے مثلاً

اٹھو! مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امرا کے درو دیوار ہلا دو
گرماؤ غلاموں کا لہو سوز یقیں سے
کنجشک و فرومایہ کو شاہیں سے لڑادو
سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹادو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو
کیوں خالق ومخلوق میں حائل رہے پردے
پیران کلیسا کو کلیسا سے لڑادو

عزیز طلبا! علامہ اقبال کی نظموں اور غزلوں میں ان سب مذکورہ افہامی پہلوؤں کو مختلف طرح سے بیان کیا گیا ہے۔اقبال نے فکروعمل کو بھی اپنی شاعری میں اہم مقام دیا ہے۔اقبال صوفیانہ تصورات کے جن باطنی احوال و واردات سے متاثر ہیں اس میں انبیا اور رسول کی باطنی احوال و واردات اور وحی کو بہت اہم قرار دیا ہے۔اقبال نے جن باطنی پہلوؤں کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے ان باطنی افہام کے فکری پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے محمد عبدالسلام خاں نے 'افکار اقبال' میں لکھا ہے۔

''باطنی عرفان، حقیقت کا راست عرفان ہے، حسی مشاہدے اور صوفیانہ عرفان میں راستی و ناراستی کا فرق نہیں: دونوں کا معلوم اور مشہود براہ راست عظیم شے ہے۔فرق معلوم ومشہود کی نوعیت کا ہے: حسی مشاہدے کا معلوم ومشہود سامنے کے بیرونی کائنات ہے اور صوفیانہ عرفان کا مشہود ومعلوم ذات باری ہے۔ حسی مشاہدے سے ہم جس طرح خارجی محسوسات کو جانتے ہیں اسی طرح باطنی عرفان سے براہ راست ذات بای کو جانتے ہیں۔ذریعہ علم اور معلوم کا بے شک اختلاف ہے لیکن اس اختلاف سے شعور کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا''۔

محمد عبدالسلام خاں، افکار اقبال، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، 2011، ص 132

علامہ اقبال کی فکری نظریات کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی ذیل کے اشعار سے کی جاسکتی ہے۔

دین ہو، فلسفہ ہو، فقر ہو، سلطانی ہو
ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر

جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کرلیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

جمہوریت ایک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

غرض کہ اقبال کے اردو اور فارسی مجموعہ کلام میں ان سبھی فکری پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے جن کا مطالعہ آپ نے پچھلے صفحات میں کیا۔ خاص طور سے اقبال کے اردو مجموعہ کلام بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم اور ارمغان حجاز کی نظموں اور غزلوں میں ان کے فکری پہلوؤں کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔

3.6.5 نظم 'شمع' میں اقبال کا پیغام

عزیز طلبا! اقبال کی شاعری میں ان کا پیغام ان کی شاعری کے ادوار کے مطابق تبدیل ہوتا رہا۔ شروع میں 'ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا' کا پیغام دیتے رہے اور بہت سی ایسی نظمیں لکھیں جس میں ہندوستان کی تہذیب و ثقافت اور تاریخ کے گن گائے۔ اس کے جغرافیہ اور اس کے قدرتی مناظر کی تعریف کی لیکن یورپ کے دورے کے بعد ان کا نظریہ اور ان کا پیغام دونوں تبدیل ہوگیا۔ اب ان کا پیغام 'مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا' ہوگیا لیکن اقبال کی انفرادیت اور ان کی شاعری کی

افادیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی بلکہ ان کی شاعری میں آفاقیت اور عالم گیریت کا تصور ابھر کر سامنے آیا۔ یہ پیغام ان کی اردو شاعری سے زیادہ فارسی شاعری میں نظر آتا ہے۔ چوں کہ اقبال مذہب اسلام کے ماننے والے تھے اس لئے ان کی شاعری کا زیادہ تر مآخذ قرآن، حدیث، اسوہ حسنہ اور اسلامی تاریخ و تمدن سے ہے۔ اقبال اس خدا میں یقین رکھتے ہیں جو نار نمرود سے ابراہیم کو بچاتا ہے اور موسی سے ہم کلام ہوتا ہے اور سفینہ نوح کو کنارے لگاتا ہے یعنی نبیوں کا معجزہ اور خدا پر ان کے توکل کو ایک پیغام کے طور پر اقبال اپنی شاعری کے ذریعہ قاری کو دینا چاہتے ہیں۔

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں　　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اقبال عشق کو ازلی وابدی زندگی کا رہنما تصور کرتے ہیں اور یہ پیغام اپنی شاعری کے ذریعہ اپنے قاری کو بہم پہنچاتے ہیں۔ کلیات اقبال میں تقریباً ایک سو اشعار ایسے ہیں جن میں عاشق و عشق کا برمحل استعمال کیا گیا ہے اور اسے ایک پیغام کے طور پر پیش کیا ہے۔ گویا اقبال کے مختلف پیغاموں میں عشق کو فوقیت حاصل ہے اور اس کو کامیابی کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ چند شعر اس زمرے کا ملاحظہ کیجئے۔

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں　　　میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

عقل کو افکار سے فرصت نہیں　　　عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

عشق تیری انتہا، عشق مری انتہا　　　تو بھی ابھی ناتمام، میں بھی ابھی ناتمام

رلاتی ہے مجھے راتوں کو خاموشی ستاروں کی　　　نرالا عشق ہے میرا، نرالے میرے نالے ہیں

بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کراں مجھ کو　　　یہ میری خودنگہداری مرا ساحل نہ بن جائے

عزیز طلبا! عشق کے علاوہ اقبال کے یہاں فقر اور خرد بھی پیغام کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ ان کے یہاں عشق سے مراد شدید جذبہ یا کیفیت کا نام نہیں بلکہ ایک تخلیقی قوت ہے جو زندگی میں ہر سطح پر

سرگرم عمل ہے۔ برگساں کی طرح وہ بھی مادے کی برتری کو میکانکی انداز زندگی سمجھتے ہیں اور وجدان و عشق کو اصل یا حقیقت تصور کرتے ہیں۔ مثلاً

عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز دم بدم عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق

عزیز طلبا! اسی عشق کا نظریہ زیر مطالعہ نظم شمع میں بھی وحدۃ الوجود کے فلسفے کے ذریعے شمع سے مکالماتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ نظم شمع اقبال کے عشقیہ پیغام کی مدلل پیش کش ہے۔ اس طرح کی اور بہت سی نظمیں کلام اقبال میں مل جائیں گی جس میں علامہ اقبال نے عشق کے نظریہ کو پیغام کے طور پر استعمال کیا ہے۔ نظم شمع میں اقبال کا پیغام ذاتی شعور و آگہی سے شروع ہوتی ہے اور سوز و گداز، لذت فراق اور نالہ سحر گاہی سے گزرتے ہوئے انسان کی ذاتی اور امتیازی صفات کا پیغام بن جاتی ہے۔ یہ پیغام پوری طرح سے نظم کے آخری بند میں منظر عام پر آ جاتا ہے کہ اللہ کو جب منظور ہوا کہ وہ آدم کو پیدا کرے یا کوئی ایسی ہستی کو وجود میں لائے جو اس کے حسن جمال پر شیدا ہو، عاشق ہو تو اس نے کن کہہ کر کائنات کی تخلیق کی اور اپنی محبت کو، عشق کی آگ کو ابن آدم کے دل میں پوشیدہ کر دیا۔ اس کی صراحت کرتے ہوئے آخری بند میں اقبال کا پیغام واضح کرتا ہے کہ

صبح ازل جو حسن ہوا دبستان عشق آواز 'کن' ہوئی تپش آموز جان عشق
یہ حکم تھا کہ گلشن 'کن' کی بہار دیکھ ایک آنکھ لے کے خواب پریشاں ہزار دیکھ
مجھ سے خبر نہ پوچھ حجاب وجود کی شام فراق صبح تھی میری نمود کی

عزیز طلبا! نظم شمع میں اقبال کا پیغام یہ ہے کہ انسان دنیا کی حرص و ہوس اور لالچ میں اپنی منزل سے بھٹک گیا ہے۔ اسے اب اپنی حیات کے مقصد کو پالینے کا وقت ہے اور وہ جس وقت اپنے مالک حقیقی

سے مل جائے گا مقصد حیات کو حاصل کر لے گا۔ گویا اقبال کا پیغام یہ ہے کہ انسان جس کی قدر و قیمت پانی کے قطرے جیسی ہے دریا کے راستے سمندر میں مل جانا اس کے لئے ذریعہ نجات ہے۔

3.6.6 خلاصہ

عزیز طلبا! نظم 'شمع' سے متعلق اس چوتھے سبق میں آپ نے اقبال بحیثیت فلسفی شاعر، اقبال کی شاعری کے فکری پہلو اور نظم شمع میں اقبال کے پیغام سے متعلق جانکاری حاصل کی ہے۔ اس میں آپ نے جن خاص نکات کا مطالعہ کیا ان میں اقبال کی شاعری میں ان کے افکار و نظریات پر جن حالات اور شخصیات نے اثر ڈالا اور ان اثرات نے اقبال کی فکری رجحانات کو کس قدر متاثر کیا کی جانکاری حاصل کی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یورپ کے سفر کے بعد اقبال کی شاعری کے فکری پہلوؤں میں نمایاں تبدیلی رونما ہوئیں جس کے بعد حب الوطنی کا نظریہ بھی تبدیل ہو گیا۔ رنگ و نسل، وطنیت اور قومیت، انسانی معاشرے کا مختلف طبقوں اور گروہوں میں تقسیم اور طاقتور قوموں کا کمزور اقوام پر ظلم و زیادتی جیسے فکری پہلوؤں پر یورپ کے سفر کے بعد علامہ اقبال نے خاص طور سے غور و فکر کیا۔ جمہوریت و سرمایہ دارانہ نظام اور مشرق پر مغربی غلبہ کے رجحانات کی کھل کر اقبال نے تنقید کا نشانہ بنایا۔ عزیز طلبا! آپ نے پڑھا کہ اقبال فلسفی شاعر تھے اور انہوں نے اپنی شاعری میں ظاہری و باطنی شعور، عقلی شعور، مادیت کا تصور، کائنات کی نوعیت، خودی اور انا، وجدان و عرفان وغیرہ پر خصوصی توجہ دی۔ خودی کے معاملے میں ان کا نظریہ ہم عصروں سے الگ ہے۔ خودی ان کے نزدیک غرور اور گھمنڈ کا نام نہیں بلکہ خودی احساس نفس اور تعین ذات کا دوسرا نام ہے۔ انسان کے لئے جدوجہد اور طبعی ماحول سے اپنے استحکام کے لئے نبرد آزما رہنا اس کی زندگی کی دلیل ہے۔ عزیز طلبا! اس ضمن میں آپ نے ان کی شاعری سے مختلف طرح کے نظریات اور فلسفے سے متعلق اشعار بھی مثال کے طور پر مطالعہ کیا ہے۔ اقبال کے نزدیک اسلامی

ثقافت، بے ثباتی عالم، انسان کامل کا تصور، عشق حقیقی، حیات جاوداں، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے متعلق اقبال کے فکری پہلوؤں کا بھی آپ نے مطالعہ کیا ہے۔ انسانی حیات کے حرکت و عمل، اس کے تغیر پزیری، اخلاقیات و اقدار، سیاسی و سماجی اور معاشی پہلوؤں وغیرہ سے متعلق بھی آپ نے اقبال کی نظریات کا جائزہ لیا ہے۔ جمہوریت و سرمایہ داری، اشتراکیت، معاشرے میں خواتین کی حیثیت، ان کے حفاظتی پہلو، مغرب و مشرق کے سیاست کا موازنہ، پسماندہ اقوام پر ترقی یافتہ افراد کا جبر و تشدد وغیرہ ایسے فکری پہلو ہیں جن پر علامہ اقبال نے خصوصی توجہ صرف کیا ہے۔ اس کی مثال کے لئے آپ نے ان کے مجموعہ کلام سے متعدد اشعار کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ علامہ اقبال کے مختلف فکری و عملی پہلوؤں کو آپ نے سمجھ لیا ہوگا۔ زیر بحث اقبال کی نظم شمع میں اقبال کے خصوصی پیغام سے بھی آپ متعارف ہو چکے ہیں کہ اس نظم میں اقبال کا پیغام ذاتی شعور و آگہی سے شروع ہوتی ہے اور تخلیق کائنات کے مقاصد کی تفصیل بتاتے ہوئے انسانی حیات کے مقصد کی تکمیل کا اہم ذریعہ خالق کائنات میں انسانی روح کا ضم ہو جانا مقصد حیات کی تکمیل بتایا ہے اور اس کی مثال قطرے کو اپنے وجود کے لئے دریا اور سمندر میں مل جانا ضروری قرار دیا ہے۔

3.6.7 فرہنگ

لبِ بام	کوٹھے یا چھت کا کنارہ
زناری	زنار پہنے والا، ہندو
کاخ	محل
کنجشک	چڑیا، گوریا
دہقاں	کسان

سخن دلنواز	خوش گفتار
رخت سفر	سفر کا سامان، زادِ سفر
میر کارواں	سپہ سالار، جماعت کا امیر
نباتات	پیڑ، پودے
جمادات	بے جان چیزیں جیسے دھات، پتھر، پہاڑ وغیرہ
زیر و بم	اتار چڑھاؤ

3.6.8 نمونہ امتحانی سوالات

1 علامہ اقبال کے فلسفیانہ نظریات کا اجمالی جائزہ لیجئے۔

2 نظم شمع میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اس پر مختصر نوٹ لکھیے۔

3 اقبال کے نظریہ عشق کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ان کے اشعار سے مثال پیش کیجیے۔

4 فکر اقبال کے ارتقائی منازل سے بحث کیجیے۔

3.6.9 مزید مطالعہ کے لئے

1 اسلوب احمد انصاری، نقش اقبال، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، 2012

2 محمد عبد السلام خاں، افکار اقبال، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، 2011

3 محمد اقبال، کلیاتِ اقبال

4 کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی۔ 2008

5 پروفیسر محمد یوسف خاں سلیم چشتی، تعلیمات اقبال، دفتر اقبال اکیڈمی ظفر منزل تاج پورہ، لاہور

نظم 'علم' کی خصوصیات

اکائی کی ساخت

3.7.1	تمہید
3.7.2	تعارف
3.7.3	محروم کی حالات زندگی
3.7.4	محروم کی شاعرانہ خصوصیات
3.7.5	محروم کی نظم نگاری
3.7.6	نظم 'علم' کی خصوصیات
3.7.7	خلاصہ
3.7.8	نمونہ امتحانی سوالات
3.7.9	فرہنگ
3.7.10	مزید مطالعہ کے لئے

3.7.1 تمہید

اس سے قبل کے سبق میں آپ نے تلوک چندمحروم کی معروف نظم 'علم' کی تشریح وتجزیہ کیا ہے۔ آپ کو معلوم ہو گیا کہ تلوک چند محروم ایک عوامی شاعر تھے اور انہوں نے عام زندگی کے مسائل، خصوصیات، ترجیحات اور واردات قلبی کو اپنی نظم نگاری کا موضوع بنایا ہے۔ اکائی نمبر 3 کے یہ ساتویں سبق میں آپ ان نظم نگاری کی خصوصیات، ان کے حالات زندگی اور بالخصوص ان کی نظم جس کی آپ نے تشریح پڑھی ہے اس نظم کی خصوصیات کا مطالعہ کریں گے۔

3.7.2 تعارف

عزیز طلبا! آپ جانتے ہیں کہ مولانا محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی کی کوششوں سے اردو شاعری جدید دور میں باقاعدہ داخل ہوئی اور ان بزرگوں کے بعد ایک پورا قافلہ اس اردو نظم کی جدید شعری روایت کی بنیادوں کو مظبوط کیا اور آگے بڑھایا۔ سب کا ذکر تو موزوں نہیں لیکن جن شعرا کی بنائی ہوئی شاہراہ پر چل کر تلوک چند محروم نے اپنی شاعری کی بنیادوں کو مضبوط کیا ان میں مولوی اسماعیل میرٹھی، برج نرائن چکبست، سرور جہان آبادی، شوق قدوائی اور علامہ اقبال کا نام سب سے نمایاں ہے۔ محروم کی شاعری اور ہندوستان کی جدوجہد آزادی ایک ساتھ چلتی رہی۔ اس لئے محروم کی شاعری میں ذاتی غم ومسرت شعروں کے ساتھ ساتھ اس پرآشوب دور کا پورا اتار چڑھاؤ بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ محروم نے معاشی، معاشرتی اور قومی جذبات کو بیدار کرنے کے لئے بہت سی نظمیں لکھیں۔ محروم کی شاعری میں ہمہ جہت خوبیوں کا رنگ دیکھا جاسکتا ہے۔ ہندوستان کے مناظر، اس کی حسن کاری، دریاؤں اور پہاڑوں کے گیت، حسن وعشق کی وارداتیں، منظرکشی، اخلاق اور حکیمانہ موضاعات کی ساخت پر انہوں نے اپنی نظم میں علم ودانش کی رموز ونکات بھی بیان کئے ہیں۔ عزیز طلبا! تلوک چندمحروم

کی ایک ایسی ہی نظم جس میں علم کی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں ان کی خصوصیات کا مطالعہ اس سبق میں کریں گے۔

3.7.3 محروم کی حالات زندگی

عزیز طلبا! آپ جان چکے ہیں کہ تلوک کی پیدائش دریائے سندھ کے کنارے ایک چھوٹے سے گاؤں میں جو عیسی خیل ضلع میاں والی سابقہ بنو میں ہوا۔ ان کی تاریخ پیدائش دسمبر 1885 اور جولائی 1887 دونوں لکھا ہوا ہے۔ محروم نے جس گاؤں میں آنکھیں کھولی وہاں قدرتی مناظر، کسانوں کے گانے کی آوازیں، کھیتی کے ساز و سامان، گھنے باغ، ہرے بھرے کھیت اور دریا کا صاف نرم رو بہتا پانی، رات کی چاندنی، دن میں چمکتا ہوا سورج، اندھیری رات میں ٹمٹماتے ہوئے تارے یہ سب ایسے مناظر تھے جس میں تلوک چند محروم کا بچپن گزرا اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں ان مناظر کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ محروم کی مادری زبان ڈیرہ والی پنجابی تھی۔ ان کے والد کا نام بھگت رام دیال تھا۔ چھ سات سال کی عمر میں اسکول میں داخل کئے گئے۔ 1905 میں مڈل اسکول پاس کرنے کے بعد میاں والی کے ہائی اسکول میں داخلہ لیا۔ میٹرک کے امتحان کے بعد ٹریننگ کالج سے مدرسی کی تربیت حاصل کی اور ڈیرہ اسماعیل خان کے مشن اسکول میں مدرس ہو گئے۔ دوران ملازمت انہوں نے بی اے کے امتحانات پاس کئے اور مڈل اسکول کے ماسٹر ہو گئے۔ 1919 میں انہوں نے سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے ایس اے وی کا امتحان پاس کیا۔ تعلیمی حصول کے جدوجہد سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ کافی محنتی اور ذہین شخصیت کے مالک تھے۔ اس زمانے میں اس دورافتادہ جگہ پر رہ کو بی اے پاس کرنا ان کی لیاقت کی غمازی ہے۔ محروم نے زندگی میں بہت ساری مشکلوں کا سامنا کیا لیکن کبھی ہار نہیں مانی۔ اسکول کی ملازمت کے دوران محروم پر تعصب کا الزام بھی لگا اور وہ الزام سے باعزت بری بھی ہوئے جن میں ضلع میاں والی

ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکول مفتی احمد سعید کی ایماندارانہ کوششیں شامل تھیں۔ دوران ملازمت اس طرح کے مصائب کا سامنا کئی بار کیا لیکن اخلاق کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ کبھی بھی انہوں نے اپنے ماتحتوں کے ریشہ دوانیوں کا جواب نہیں دیا بلکہ حسن اخلاق سے پیش آئے۔

محروم صاحب کو خاک وطن بہت عزیز تھی۔ انہوں نے جدوجہد آزادی اور قومی و ملی موضوعات پر کئی نظمیں لکھیں لیکن سرکاری ملازمت کی وجہ سے ان نظموں پر اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ محروم جانتے تھے کہ قومی جذبہ اور حب الوطنی ان کی ملازمت کے لئے پریشانی کا باعث بن سکتا ہے۔ جگن ناتھ آزاد نے اس سلسلے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''نہ جانے یہ بات کیوں ان کی ذہن میں نہ آئی کہ اخبارات کی ڈاک سنسر بھی ہوسکتی ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ ڈاک ہر روز سنسر ہورہی تھی۔ والد کے خطوط کی نقل میاں والی کے خفیہ پولس کو بھیج دیا کرتی تھی اور ان کے بارے میں میاں والی ایک فائل تیار کر رہی تھی۔ لالہ لاجپت رائے کے انتقال پر انہوں نے ایک طویل نظم کہی۔ یہ نظم لاہور کے ایک پبلشر نے کتابچے کی شکل میں تیار کی تھی۔ والد کا نام اس نظم پر موجود تھا۔ اس نظم نے پولس کی فائل کو مکمل کر دیا اور یہ فائل ایک اور انکوائری کی شکل میں نو وارد ہوئی۔ اب کے معاملہ ڈپٹی کمشنر کے ہاتھ میں تھا جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ان کا نام رادھا کرشن تھا۔ حکومت کی جانب سے رائے بہادر کا خطاب بھی انہیں ملا ہوا تھا۔ اس انکوائری میں والد کے خلاف کسی قسم کے ثبوت کی ضرورت نہ تھی۔ ان کے اپنے خطوط کے نقول اور بعض حالات میں اصل خطوط اور اپنے ہاتھ کی لکھی نظمیں موجود

تھیں۔حکومت وقت کے خلاف بغاوت کا جرم ثابت تھا''۔

غرض کہ اس جرم میں حکومت تلوک چند محروم کو ملازمت سے برطرف کرسکتی تھی۔ان کے اس جرم میں حکومت تلوک چند محروم کو برطرف بھی کرسکتی تھی اور گرفتاری کا حکم بھی دے سکتی تھی۔رادھا کرشن نے تلوک چند محروم کو حالات سے آگاہ کیا، ان کو سمجھایا اور ثبوت بھی دکھائے۔مذہبی تشخص کی بنا پر ڈپٹی کمشنر نے سخت رویہ اختیار نہیں کیا اور تنبیہ کر کے تلوک چند محروم کو جانے دیا۔ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں ہوئی۔ایسے حالات تلوک چند محروم کی زندگی میں بار بار آتے رہے۔راولپنڈی میں ان کا تبادلہ ہوا جہاں ادبی سرگرمیاں بہت زوروں پر تھی۔وہاں جن ادبا وشعرا کا ساتھ ملا ان میں ابوالحکیم عدم، عطاءاللہ کلیم، عبدالعزیز فطرت، ضیا جالندھری اور اظہر امرتسری قابل ذکر ہیں۔یہاں محروم کا ادبی حلقوں میں بہت ہی پرخلوص استقبال ہوا۔1943 میں محروم 35 سال کی ملازمت کے بعد سبک دوش ہوئے اور پھر گارڈن کالج راولپنڈی میں اردو فارسی کے لکچرر مقرر ہوئے۔اپنے رٹائرمنٹ پر تلوک چند محروم نے شعر کی شکل میں تبصرہ کیا ہے۔بہت سے ادبا وشعرا نے ان کو خراج تحسین پیش کیا۔اس وقت کے پنجاب کے وزیر اعلیٰ سردار پرتاپ سنگھ نے لکھا ہے:

> ''وہ نہ صرف عظیم شاعر ہیں بلکہ انہوں نے وطن کو غلامی سے آزاد کرانے کے لئے جو وطن پرستانہ نظمیں گائے ہیں وہ ہندوستان کی تاریخ میں زندہ جاوید رہیں گے۔جدوجہد آزادی کو جن فنکاروں نے اپنی تحریروں سے جوش اور جذبہ بخشا ان میں سے تلوک چند محروم کا نام سرفہرست رہے گا''۔

3.7.4 محروم کی شاعرانہ خصوصیات

عزیز طلبا! آپ جانتے ہیں کہ اصناف ادب کا اصل سرمایہ نظم اور نثر ہیں۔تلوک چند محروم نے نظم

کے سرمایے میں خاطر خواہ اضافہ کیا ہے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اصناف نظم کی ایک اہم صنف رباعی ہے۔ تلوک چند محروم کی رباعیاں بھی اہم مقام رکھتی ہیں اور وہ ایک قابل ذکر رباعی گو شاعر میں شمار کیے جاتے ہیں۔ محروم کی غزل گوئی بھی قابل اعتنا ہے۔ محروم شاعری میں مقصدی شاعری کے ہمنوا تھے۔ وہ صرف ادب برائے ادب کے قائل نہیں تھے بلکہ ادب برائے زندگی ان کا مطمح نظر تھا۔ محروم نے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نئے انداز میں اپنی شاعری میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ شہری زندگی، دیہی تہوار، میلے ٹھیلے، قومی رہنماؤں اور لیڈروں کے حالات زندگی، حب الوطنی اور ہمدردی سے مملو نظمیں انہوں نے بڑے ہی اچھوتے انداز میں لکھی ہیں۔

عزیز طلبا! آپ جانتے ہیں کہ 1857 کے بعد کا زمانہ تاریخ ادب اردو میں نظم جدید کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جدید نظم کے بانیوں میں مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی اگر رہنما کہے جا سکتے ہیں تو ان کے کام کو، ان کے نظریات کو اور ان کے طرز شاعری کو پختگی بخشنے، آگے بڑھانے میں تلوک چند محروم کا اہم حصہ ہے۔ اسی طرح چکبست اور اقبال کی قومی اور وطنی شاعری کے جذبے کو مزید فروغ دینے میں بھی چکبست کا بڑا ہاتھ ہے۔ چکبست نے انگریزی ظلم و استبداد کے خلاف نظمیں لکھیں اور قومی رہنماؤں کے شان میں قصیدے اور مرثیے لکھے۔ تلوک چند محروم کے کلام کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اردو شاعری کے تقریباً تمام اصناف پر عبور حاصل تھا۔ خواہ وہ نظم ہو یا غزل، مرثیہ ہو یا رباعی سب میں وہ مستند درجہ رکھتے ہیں۔ چکبست نے بچوں کے لئے بالخصوص بچوں کے درسیات کے لئے بہت ہی رواں، سشتہ، شگفتہ اور بچوں کی نفسیات اور ان کی دلچسپی کے مطابق نظمیں لکھی ہیں۔ چنانچہ ادب اطفال میں بھی تلوک چند محروم کا اہم مقام ہے۔ ہیئت کے لحاظ سے تلوک چند محروم نے ظاہری تبدیلیوں کو قبول کیا مگر موضوعاتی لحاظ سے وہ ایک ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے مقبول

ہیں۔انہوں نے ہندوستانی تہذیب کی ہر ممکن تصویر کشی کی ہے۔

محروم کی غزلیں بھی اررو شاعری کا اہم سرمایہ ہیں۔عزیز طلبا! آپ جانتے ہیں کہ غزل گوئی ایشیائی شعرا کی اہم صنف سخن ہے۔محروم صاحب نے غزل گوئی میں بھی اہم مقام حاصل کیا۔محروم غزل گوئی میں نہ صرف ایک شعلہ بیان شاعر ہیں بلکہ ایک شعری انداز شاعر بھی ہیں۔ان کے کلام میں ادب و اخلاق، پندو نصح اور پاکیزہ جذبات وخیالات کی فراوانی ہے۔محروم کے کلام کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ وہ مضمون کو شاعرانہ نقطہ نگاہ رکھتے ہیں اور اظہار خیال میں سخن گفتارانہ انداز کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

عبدالحمید عدم نے ان کے مجموعہ کلام ’گنج معانی‘ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ’’مجھ سا خراب رنگ و بو انسان اپنے مزاق ہی کی کوئی چیز ان کے کلام میں تلاش کرے گا۔ مجھے یقیناً یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ کافی حصہ ان کے کلام کا بہار اور شباب کی وجہ وجدانی کیفیات کا حامل ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر زمانہ حضرت محروم کے دور مسرت کو محدود نہ کر دیتا تو ان کی خوشی زندہ دلی اور شگفتگی برقرار رہی تو ان کے کلام میں ہمیں جوانی اور حسن کی رنگ رلیوں کی دلفریب مناظر بھی فراوانی سے نظر آتے ۔ کیوں کہ قدرت سے وہ نہایت ہی لطیف ذوق نظر لے کر آئے تھے جو حسن کی طلسماتی کیفیتوں میں غرق ہو کر رہ جاتا یہ بہتر تھا۔
>
> عبدالحمید، گنج معانی، مرتب جگن ناتھ آزاد، صفحہ، 53-52 ، بحوالہ ڈاکٹر محمد یوسف انصاری، تلوک چند محروم: حیات اور شاعری، ص79۔

محروم کی غزلیات میں ان کی شخصیت کی جھلک اور انفرادیت کسی نہ کسی زاویے سے دیکھی جا سکتی

ہے۔شروع کے کچھ غزلوں کو اگر الگ کر دیں تو ان کی غزلوں میں سنجیدگی اور پاکیزگی بھی ہے اور وزن و وقار بھی۔محروم کی غزلیں وسعت وتنوع اور رنگارنگی سے بھری ہوئی ہیں۔کہیں متصوفانہ تصورات ہیں تو کہیں کائنات کے مختلف معاملات و اسرار موضوع غزل بنا کر پیش کیے گئے ہیں۔مثال کے لئے چند اشعار پیش کیے جاسکتے ہیں

نوجوانی میں تیرے رخ پہ یہ زردی محروم　　ہو نہ ہو عشق کا آزار نظر آتا ہے
یہ فطرت کا تقاضا تھا کہ چاہا خوب رویوں کو　　جو کرتے آئے ہیں انسان نہ کرتے ہم تو کیا کرتے

یہ کس سے آج برہم ہوگئی ہے کہ زلفیں یار پر خم ہوگئی ہیں
گیا دل سے اب خوف روز جزا قیامت تیرے چال میں آگئی

ٹپک پڑتے ہیں وقت صبح آنسو　　یہ عادت مثل شبنم ہوگئی ہے
مزے کی چیز ہے ترک تمنا اور عادت بھی　　مگر کچھ کم نہیں بے لذت درد محبت بھی
منکر ہزا ربار خدا سے ہوا بشر　　ایک بار بھی بشر سے خدائی نہ ہوسکی
اڑے لاکھ اوج فلک پہ یہ انساں　　مقام آخر کار زیر زمیں ہے
عبث نام ونشاں پہ ناز کرتے ہیں جہاں والے　　کہ ہو کر نقش باطل مٹ گئے نام ونشاں والے
مجھے کیا جو میں شیخ و برہمن کی طرح بھٹکوں　　بنا لیتا ہوں دل کو گاہ کعبہ گاہ بت خانہ

عزیز طلبا! محروم کا مقام اصناف رباعی میں بھی بہت اعلی ہے۔اردو رباعی گو شعرا میں میر انیس اور امجد حیدرآبادی قابل اعتنا شاعر ہیں۔تاہم محروم کی رباعیاں بھی اعلی پیمانے کی ہیں۔محروم نے مختلف موضوعات پر رباعیاں کہی ہیں مثلاً حمدیہ رباعی، مذہبی رباعیات، عارفانہ اور واعظانہ رباعیات، اخلاقی رباعیاں، فلسفیانہ رباعیات اور سماجی ومنظر نگاری پر مبنی رباعیاں۔محروم کی رباعی نگاری پر اظہار خیال

کرتے ہوئے فراق گورکھپوری نے لکھا ہے:

''اردو شاعری میں صنف رباعی کو بہت کم فروغ ملا ہے۔ رباعی کی تکنیک ہر شاعر کے بس کی بات نہیں۔ اردو اور فارسی رباعیات کا مجموعہ 'رباعیات محروم' اس صنف میں محروم صاحب کی قدرت اور کمال کا نمایاں ثبوت ہے۔ یہ ان شاعروں کے لئے رشک کا باعث ہوسکتا ہے جو شاعر تو اچھے ہیں لیکن رباعی پر قدرت نہیں رکھتے''۔

آثار محرومؔ 48، بحوالہ ڈاکٹر زینت اللہ جاوید، تلوک چند محروم: شخصیت اور فن، ص232

عزیز طلبا! مذکورہ اظہار خیال کے ثبوت میں چند رباعیاں پیش کی جاسکتی ہیں۔

☆ مذہب ہے فقط حسن عمل کا حامی
ہر گز نہیں وہ اہل و عصل کا حامی
دنیا کو پیام امن پھر دے گا کون
مذہب ہو اگر جنگ و جدل کا حامی

☆ ہر سانس اس کے حکم پر چلتی ہے
کہ زیست اسی کے رحم پر پلتی ہے
شاداب اگر نہ ہو کرم سے اس کے
کب شاخ حیات پھولتی پھلتی ہے

☆ فطرت کی دی ہوئی مسرت کھو کر
اوروں کو نہ کر ملعون غمگیں ہو کر
یہ عمر بہر حال گزر جائے گی
ہنس ہنس کر اسے گزار یا رو رو کر

☆ حیراں ہو ں میں حسن کی عریانی پر
ہنستا ہے حسن میری حیرانی پر
اس دور میں شکوہ بے حجابی کا ہے
مجوب بہت ہوں اپنی نادانی پر

بزم علم و ادب میں ماتم ہے بپا
بزم علم و ادب کا سردار گیا

غرض کہ محروم نے ہر موضوع پر حتی کہ ذاتیات اور اپنے ہم عصروں کے انتقال پر بھی اچھی رباعیاں لکھی ہیں۔منظر نگاری اور سماجی رباعیاں بھی محروم نے بہت ہی دلکش انداز میں لکھی ہیں۔ یہاں ہر طرح کی رباعیوں سے مثال دینا ممکن نہیں۔

3.7.5 محروم کی نظم نگاری

عزیز طلبا!اس سے قبل آپ محروم کی نظموں کے بارے میں عمومی مطالعہ کر چکے ہیں۔آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ نظم نگاری اور ان کے مزاج میں تعمیری اصلاح پسندی، حب الوطنی،انسان دوستی اور قدرت سے نزدیکی مشاہدہ شامل ہے۔ یہ بھی جان چکے ہیں کہ محروم نے اردو فارسی صنف سخن کے تقریبا تمام اصفاف پر طبع آزمائی کی۔محروم کے آٹھ مجموعے شائع ہوئے جن میں غزلوں اور نظموں کے مجموعے شامل ہیں۔محروم کے مجموعے کا نام گنج معانی، رباعیات محروم، کاروان وطن، نیرنگ معانی،شعلہ نوا، بہار طفلی، بچوں کی دنیا اور مہارشی درشن ہیں۔ جبکہ ان کا کچھ غیر مطبوعہ کلام بھی موجود ہے۔مجموعوں کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری میں منظر نگاری، حزنیہ نگاری، جذبات نگاری، مرثیہ نگاری، حب الوطنی، ادب اطفال وغیرہ کو زیادہ تر ترجیح دی ہے۔تلوک چند محروم اردو شعرا میں سے ایک ایسے شاعر ہیں جن کی شعری تخلیقات کے محرکات میں فطرت اور قدرتی مناظر کا اہم مقام ہے۔محروم کا فطرت سے رشتہ اوائل عمر سے ہی رہا ہے اور انہوں نے قدرتی ماحول میں بیٹھ کر نظمیں کہی ہیں۔ لہذا ان کی نظموں میں قدرتی منظر نگاری کے اعلی نمونے پائے جاتے ہیں۔مثلاً

دم تخیل کا نہیں گھٹتا یہاں ہے زمیں پھیلی ہوئی دور آسماں
دیکھ کر افکار جی جولانیاں گرد میں ہو تارے صحرا خود نہاں
ہے یہاں وسعت خیالوں کے لئے ہے یہ میداں فکر والوں کے لئے

محروم کی نظمیں خاص طور سے اہمیت کی حامل ہیں اور شاعرانہ صلاحیتوں کی عمدہ مثال ہیں جن میں محاکاتی طرز کا رنگ اور فطرت کے ہیبت و جبروت کی تصویر کھینچی گئی ہے۔مثلاً آفتاب، عالمتاب اور آندھی، مناظر فطرت کی طرح محروم کا رجحان فطری رہا اور انہوں نے مختلف طرح کی جاندار اور بے جان اشیا کے مناظر اور قدرتی مناظر کو بہت چابک دستی سے پیش کیا ہے۔سید اعجاز حسین نے محروم کی فطرت نگاری کا اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے

''محروم اکثر بے جان چیزوں اور مناظر فطرت کے معمولی کرشموں میں روحانی تعلیم و تسکین قلب کا سرچشمہ پاتے ہیں جس کا ذکر وہ نہایت پر کیف اور پر لطف طریقے پر بیان کرتے ہیں''۔

سید اعجاز حسین کے بیان کی تصدیق کے لئے 'یہ کس کے جلوے ہیں سارے' سے ایک بند ملاحظہ فرمایئے۔

چمن میں، دشت میں، وادی میں، کوہ و صحرا میں
گہر میں ، اولے میں، شبنم میں، ابرو دریا میں
شرر میں، شعلے میں، آتش میں، برق سینا میں
شمیم گل میں، مسرت افزا میں
یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں

محروم نے چوں کہ ایک ہمدرد دل پایا تھا اور ان کا دل انسانوں اور جانداروں کے تکلیف سے تڑپ اٹھتا تھا اور اس پر المیہ یہ ہے کہ ان کی جواں سال بیوی کا انتقال ہوا اور ان کی جواں سال بچی نے خودکشی کی۔ان حالات نے محروم کو واقعی محروم کر دیا اور ان کا مزاج حزنیہ اور المیہ نظمیں لکھنے کی طرف مائل

ہوگیا۔ چنانچہ محروم نے کئی نظمیں ایسی لکھی ہیں جن سے پہلے والا بھی اشک ریز ہوتا ہے۔ان نظموں میں ’روزے کے شبہ شد سحر و شام ندادر‘ نوحہ، اشک حسرت وغیرہ سے دی جاسکتی ہے خاص طور سے اپنی رفیق حیات کی دائمی مفارقت میں لکھی گئی نظمیں حزنیہ نظموں کی عمدہ مثال ہیں۔مثال کے لئے ’آتش کدہ غم‘ سے دوشعر پیش ہے

پہلے ہی عزا خانہ تھی وہ میری نظر میں افسوس کہ اب اور بھی برہم ہوئی دنیا
اے لخت جگر آہ! کہ جل مرنے سے تیرے میرے لئے ہی آتش کدہ غم ہوئی دنیا

محروم نے جذبات فطرت سے متعلق بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔ نیرنگ معانی میں ’جذبات فطرت‘ کے ذیلی عنوان کے تحت 42 نظمیں درج ہیں۔جن میں سے اکثر و بیشتر نظمیں جذبات نگاری اورحسن بیان کی تاثیر سے مزین ہیں۔رشید حسن خاں نے اپنے ایک مضمون میں محروم کی نظم نگاری پر اور بالخصوص جذبات فطرت پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے

”کاروان وطن کی نظموں کے مقابلے میں نیرنگ معانی کی نظمیں زیادہ قابل توجہ ہیں۔ نیرنگ معانی میں جو منظومات جذبات فطرت کے تحت درج ہیں ان میں بیشتر میں حسن بیان، زور بیان اور تاثیر و دلکشی کا رنگ نمایاں ہے“۔

رشید حسن خاں کے بیان کی تصدیق ان کی ایک نظم کے ایک حصے سے ہوتی ہے

عاشق کو آکے حسن کا جلوہ دکھا گئی دل آگیا کسی پہ تو بس موت آگئی
پروانے کے شکار کو شمع جلا گئی گل عندلیب چمن میں کھلا گئی
جھونکوں میں جب سموم خزاں کے سما گئی دم میں چراغ ہستی گل کو بجھا گئی
صیا دبن کے مرغ چمن زاد پر گری اور برق ہو کے خانہ صیاد پر گری

محروم نے نظم نگاری کے زمرے میں رثائی نظمیں بھی بہت اچھی لکھی ہیں جو خاص طور سے اپنے ہم عصروں کے انتقال پر لکھی گئی نظمیں ہیں۔عزیز طلبا! آپ جانتے ہیں کہ محروم بہت ہی رقیق القلب شاعر تھے اور ان کے سینے میں خدا نے ایک دردمند دل رکھا تھا جو تعصب سے بالکل پاک تھا۔انہوں نے بہت سے شعرا، ادبا اور تاریخی شخصیات پر رثائی نظمیں لکھی ہیں۔ان نظموں میں شہنشاہ جہاں گیر، ملکہ نور جہاں، مرزا غالب، اقبال، سالک اور سر عبدالقادر کو نظموں کے ذریعہ خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ان کے علاوہ پنڈت برج نرائن چکبست پر لکھا گیا نوحہ بھی بہت ہی معروف ہے۔اقبال کے انتقال پر محروم کی لکھی گئی رثائی نظم اس کی تصدیق کرتے ہیں

ظاہر کی آنکھ سے جو نہاں ہو گیا تو کیا　　احساس میں سما گیا دل میں اتر گیا
باغ جہاں میں صورت گل ہائے تر رہا　　باغ جناں میں مثل نسیم سحر گیا
'ہرگز نہ میسر نہ آں کہ دلش زندہ شد بعشق　　روشن تر اس حقیقت روشن کو کر گیا
محروم کیوں تیرے دل حرماں نسیم کو　　یہ وہم ہو گیا ہے کہ اقبال مر گیا

چکبست کی بے وجہ موت پر بھی جو نوحہ لکھا ہے وہ رثائی نظموں کا ایک اعلیٰ نمونہ کہا جا سکتا ہے

بپا زمیں سخن پر ہے محشر شیون　　گرا ہے آج کوئی آسمان اوج سخن
اماں کسی کو یوں تو نہیں زیر چرخ کہن　　فلک بلند خیالوں کا خاص ہے دشمن
مٹادیا اسے سفاک نے مٹانا تھا　　کہ زد پہ تیرِ ازل کا بڑا نشانہ تھا

محروم نے حب الوطنی سے لبریز متعدد نظمیں لکھی ہیں ان میں بہت سی نظمیں ایسی ہیں جو سرکاری ملازمت کی مجبوری کی وجہ سے کسی اور نام سے لکھی گئی ہیں۔محروم کی بہت سی نظمیں پابندیوں کی وجہ سے غیر مطبوعہ رہیں۔مثلاً زندانیوں کی عید، حسرت موہانی، ہری کشن کے بول، دیکھ اے ہلال شام، ایک

دوست کے قید ہو جانے پر اور ہندی نو جوانوں سے وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جو اس زمانے میں کسی اور نام سے شائع ہوئیں یا غیر مطبوعہ رہیں۔ ایسی نظمیں جو حب الوطنی کے جذبے تے تحت لکھی گئی تھیں 1960 میں ’ کاروان وطن‘ کے نام سے شائع ہوئیں۔فراق گورکھپوری نے’ کاروان وطن‘ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے

’’کاروان وطن کو بلا خوف تردید 1960 کا بہترین شعری مجموعہ قرار دیا جاسکتا ہے۔اس عرصے میں اس پائے کا ایک شعری مجموعہ بھی ہندوپاک سے شائع نہیں ہوا۔اس میں 188 نظمیں ہیں۔ یہ نظمیں کیا ہیں قومی بیداری، جہد آزادی، ہندوستان کی تحریک آزادی کی، روحانی تحریک کی جھلکیاں ہیں‘‘۔

حالاں کہ جس آزادی کی تمنا دیگر شعرا وادبا کے ساتھ محروم نے بھی کیا تھا وہ آزادی حاصل نہ ہوسکی اور وطن عزیز آزاد تو ہوا لیکن تقسیم ہوکر۔اس تقسیم سے مایوس ہوکر اور تقسیم کے نتیجے میں ہونے والے تشدد اور در بدری سے ملعون خاطر ہوکر انہوں نے کئی نظمیں لکھیں۔ چند اشعار مثال کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں

خد اکا شکر ہے وہ دور ابتلا گزرا ہمارے خون سے گو کھیلتا ہوا گزرا
خدا کا شکر کہ آزاد ہے وطن اپنا ہو ابھی تو بہار آشنا چمن اپنا
چراغ اب کی یہ صد کروفر جلائیں گے مکاں نہیں تو سر رہ گزر جلائیں گے

عزیز طلبا! اب مذکورہ طرز کی نظموں کے علاوہ تلوک چند محروم ادب اطفال بالخصوص بچوں کی نظموں کے لئے بہت ہی معروف ومشہور ہیں۔بچوں کی ذہنی تربیت اور تعلیمی نصاب کو سامنے رکھ کر ان کی دلچسپی اور استطاعت کے مطابق سبق آموز نظمیں لکھی ہیں۔محروم چوں کہ ایک طویل عرسے تک درس

وتدریس کے شعبے سے جڑے رہے اس لئے وہ بچوں کی نفسیات کو خوب سمجھتے تھے اور ان کے جذبات و احساسات، نفسیاتی کیفیات اور تعلیمی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے بہت سی سبق آموز نظمیں لکھی ہیں۔ ان کی نظم اس طرح کی نظموں کا مجموعہ 'بہار طفلی' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ بہار طفلی کی اہمیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے نصیر الدین ہاشمی نے لکھا ہے

> ''بہار طفلی ایسی نظموں کا مجموعہ ہے جو بچوں اور لڑکوں کے لئے کہی گئی ہیں۔ بچوں کی ذہنیت اور ان کی نفسیات بالکل جداگانہ ہوتی ہیں۔ ان کی ذہنی تربیت کے لئے ایسی نظمیں درکار ہیں جو صحیح معنوں میں بچوں کی طبیعت کے موافق ہوں اور ان کے سلیقے سے تربیت کر سکیں۔ حضرت محروم نے جو نظمیں کہی ہیں وہ بچوں کے ذہن اور نفسیات کے عین مطابق اور موافق ہیں۔ ان کو بچے نہ صرف شوق اور دل چسپی سے پڑھتے ہیں بلکہ یہ ان کی تربیت کا بہترین سبق ثابت ہوئی ہیں''۔

محروم نے بچوں کے لئے جن عنوانات کی نظمیں لکھی ہیں ان میں 'خدا کا شکر، خدا کی قدرت، ہمارا دیش، محنت، صفائی، دشمنی، ادب، اچھا آدمی، پہلے کام پیچھے آرام، اونچے ارادے، وقت کی پابندی، جیسی کرنی ویسی بھرنی، بدگمانی سے پرہیز کرو، تندرستی ہزار نعمت ہے، کون ہوتا ہے یار جھوٹے کا، بہت بولنا عیب ہے وغیرہ نظمیں بچوں کی ذہنی تربیت کے مقصد کے تحت لکھی گئی ہیں۔ بہار طفلی کے علاوہ محروم کی ادب اطفال سے متعلق دیگر نظمیں 'بچوں کی دنیا' میں بھی شائع ہوئی ہیں۔ بچوں کی نظموں سے چند اشعار مثال کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔ محروم کی ایک نظم 'میری کتاب' سے چند اشعار

آ میرے پاس آ مجھے عقل و شعور دے
دل کو سرور دے میری آنکھو کو نور دے

چھوٹی سی ہے، ذرا سی ہے دانا مگر ہے تو
بے جان ہے، بے زبان ہے گویا مگر ہے تو

دے دے مجھے بھی علم کے نور خدا ہے تو
میراث ِ انبیا ہے کسی نے کہا ہے تو

آ اے کتاب آ میری پیاری کتاب آ
آجلد میرے ہاتھ میں آجا شتاب آ

غرض کہ محروم کی نظموں میں بچوں کی اخلاقی تربیت کا پہلوتو نمایاں ہے،ہی ان کی نظموں کی زبان بھی صاف ستھری اور سلیس ہے۔ انداز بیان بھی سیدھا سادھا ہےاور کلام میں روانی کے ساتھ موضوعات میں بھی کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔

3.7.6 نظم ’علم‘ کی خصوصیات

عزیز طلبا! آپ نے اس سبق میں تلوک چند محروم کی شاعری، حالات زندگی اور ملازمت کی جدو جہد کے متعلق پڑھا۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت سے روبرو ہوئے اور بالخصوص ان کی نظم نگاری کا تجزیہ کیا۔ آیئے اب زیر بحث نظم ’علم‘ کی خصوصیات پر نظر ڈالتے ہیں۔ محروم کی شاعری پر بالخصوص ان کی نظم نگاری پر اگر ہم غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کی شاعری مختلف النوع موضوعات سے بھری پڑی ہیں۔ محروم کی یہ خصوصیت ہے کہ انہوں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اس کا حق ادا کر دیا خواہ وہ بچوں کی نظمیں ہوں، حب الوطنی کے گیت ہوں، رہنماؤں، علمی وادبی شخصیات ہوں یا پھر اپنی زندگی کے اتار چڑھاؤ اورغم شب وروز ہر موضوع پر انہوں نے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ چنانچہ زیر نظر نظم علم پر تقریباً ہر ایک نقطہ نظر سے اشعار کہے ہیں۔ علم کی تاریخی حیثیت، علم کی خوبیاں، علم کی مذہبی حیثیت، علم کے ذریعہ ایجاد اختراع اور انسانی علوم کا بھر پور تجزیہ نظم میں شامل ہے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ نظم ایک رباعی سے شروع ہوتی ہے اور علم خود اپنی زبانی اپنی خصوصیات بیان کرتا ہے۔ محروم کی اس بیانیہ نظم کو ان کے ہم عصروں نے

اوران کے بعد آنے والی نسلوں نے خوب خوب تعریفیں کیں اوراس سے فیض حاصل کیا۔اس نظم میں جو زور بیان نظر آتا ہے وہ محروم کی بیانیہ نظموں کا خاصہ ہے۔نظم کے آغاز سے آخر تک انداز بیان میں برمحل چستی اور سلاست نظر آتی ہے۔تفصیل وتخیل کی پختگی اوراختصار کا بھر پور خیال رکھا گیا ہے۔علم کو آب حیات سے تشبیہ دی گئی ہے۔گویا جس طرح جانداروں کے لئے آب حیات اوراس کے امر ہونے کی اور زندہ جاوید رہنے کی تمثیل ونشانی ہے اسی طرح علم دنیا کی کاروبار، ترقی، تبدیلی اور مختلف النوع ایجاد و اختراع کی بنیاد ہے۔علم کو تقریباً سبھی تعلیم یافتہ شخصیات نے روشنی سے تعبیر کیا ہے۔محروم علم کو صرف روشنی اوراسے تیرگی کو ختم کرنے کا ذریعہ ہی نہیں مانتے بلکہ علم کو خورشید معرفت گردانتے ہیں۔گویا خورشید سے علم کو تشبیہ دینا اس بات کی دلیل ہے کہ خورشید کبھی چھپتا نہیں، ڈوبتا نہیں اوراس کی روشنی ختم نہیں ہوتی، اس کا نور زائل نہیں ہوتا ٹھیک اسی طرح علم ہے کہ اسی سے معرفت ہے، کائنات کا ہر کام ہے، انسان کی تیرگی کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے اور ہر طرح کی کامیابی کا منبع ہے۔علم کو انبیا کی میراث بتایا ہے۔ یہاں محروم نے مذہب اسلام کی کتابوں یعنی قرآن وحدیث سے استفادہ کیا ہے۔انبیا کی میراث کا مطلب ہے جس طرح انبیا کو خصوصی علم حاصل ہوتا ہے، ان پر کتابیں اور وحی نازل کی گئیں جس کے ذریعہ وہ خالق کائنات تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے اسی طرح اگر انسان علم کو اپنا لے، اس کی خوبیوں سے فیض حاصل کرے، اس کی ہدایات پر چلے تو معرفت الٰہی حاصل کرسکتا ہے۔محروم نے تاریخی حوالوں کے ذریعہ ہندوستان میں علم کی روشنی اوراسی کے ذریعہ پوری دنیا میں علم کے پھیلاؤ کی طرف اشارہ کیا ہے۔کچھ اشعار تو علم کی توضیح وتشریح میں اسی طرح بیان کئے گئے ہیں کہ لگتا ہے کہ محروم نے دریا کو کوزے میں بند کردیا ہے۔اشارے اور کنائے میں جو باتیں کی ہیں اس کا اثر ظاہری ہدایات سے بھی زیادہ پراثر ہے۔مثلاً

بوڑھوں میں رکھتا ہوں میں جوانوں کی آن بان وہ ہاتھ ناتواں نہیں جس میں عصا ہوں میں
مفلس نہیں رہا کہیں طالب کوئی میرا میں کوہ زر ہوں، کان گہر، کیمیاں ہوں میں
اقبال جس کو کہتے ہیں پروردہ ہے میرا کیا سایہ ہما ہے، ہما کا ہما ہوں میں

ظاہر ہے کہ ان تین اشعار میں اشارتاً و کنایتاً علم کی بہت ساری تفصیلات کر دی گئی ہیں۔غرض کہ علم کی روشنی جہاں ہے خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی وہاں کی ظلمتیں دور ہو جاتی ہیں، خامیاں مٹ جاتی ہیں، نفرت وغرور اور کبر و کاہلی سے انسان نجات پا جاتا ہے۔محروم نے علم کو دنیا کے ہر خطے کی ترقی کا ضامن قرار دیا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس قوم میں علم کا جلال و جمال ہے وہی فرماں روا ہے، وہی رہنما ہے اور اسی کے پاس دولت و ثروت ہے۔علم ہی کی بدولت انسان نے مشکل ترین اور ناممکن کاموں مثلاً سمندر میں راستہ بنانا اور آسمان کی سیر کرنا سیکھا ہے۔ بڑے سے بڑے مسائل پر علم ہی کے ذریعہ قابو پایا جا سکتا ہے۔علم ہی نے بعض مفکرین کو فلسفی اور ریاضی داں، شاعر و نثر نگار، سائنس داں وعروض داں بنایا ہے۔غرض کہ اس عالم میں جو کچھ بھی ہے علم کی بدولت ہی ہے اور انسان اگر عالم ارواح میں جائے گا تو وہاں بھی علم کی فضیلت سے ہی مقام پائے گا۔

3.7.7 خلاصہ

عزیز طلبا! اس سبق میں آپ نے تلوک چند محروم کی حالات زندگی کے علاوہ ان کی شاعرانہ خصوصیات بالخصوص نظم نگاری میں تلوک چند محروم کی انفرادیت اور اردو نظم نگاری میں افادیت سے متعلق مطالعہ کیا ہے۔آپ جانتے ہیں کہ جدید اردو نظم کی بنیاد مولانا محمد حسین آزاد، اسماعیل میرٹھی اور الطاف حسین حالی نے رکھی۔تلوک چند محروم ان شعرا میں شامل ہیں جنھوں نے اس شعری روایت کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔تلوک چند محروم ایک ایسے شاعر ہیں جنھوں نے زندگی میں بہت جدوجہد کی۔

ملازمت کے دوران مختلف طرح کے مصائب کا سامنا کیا، جدوجہد آزادی اور حب الوطنی سے متعلق نظموں کو اس خوف سے اپنے نام سے شائع نہیں کرایا کہ حکومت وقت کی نظر میں آجائیں گے۔ ان سب کے باوجود انہوں نے اس شعری روایت کی بنیاد ڈالی جو ہندو پاک کے گنگا جمنی تہذیب کی شعری روایت ہے۔ محروم نے متعدد طرح کی نظمیں لکھیں، غزلیں بھی کہیں اور رباعیوں میں بھی اپنا انفرادی رنگ پیدا کیا۔ چنانچہ محروم کی رباعیاں مختلف عنوانات پر معروف و مشہور ہیں اور مختلف سطح کے نصابات میں بھی شامل ہیں۔ محروم کے متعدد مجموعہ کلام شائع ہوئے لیکن محروم بچوں کی ادب کے لئے جو کارنامے انجام دیئے وہ بہت دیر تک یاد رکھے جائیں گے خاص طور سے بچوں کی نظموں کا مجموعہ 'بہار طفلی'۔

عزیز طلبا! اس سے قبل آپ نے تلوک چند محروم کی معروف نظم علم کی تشریح کا مطالعہ کیا ہے اور اس سبق میں اسی نظم علم کی خصوصیات کا تجزیہ کیا۔ تلوک چند محروم نے جس موضوع پر قلم اٹھایا قلم برداشتہ لکھتے گئے اور اس موضوع سے حتی الامکان انصاف کیا ہے۔ اس نظم علم کی خصوصیت یہ ہے کہ نظم کے آغاز سے آخر تک اس کا انداز بیان اور سلاست و روانی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خواہ وہ تفصیل و تخیل ہو یا تشبیہات و استعارات کا استعمال۔ ہر لحاظ سے نظم علم اپنی خصوصیات سے قاری اور سامع کو بھرپور استفادہ کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ محروم نے علم کی تاریخی، مذہبی اور سماجی افادیت کے ساتھ ساتھ علم کی سائنسی، اختراعی اور فلسفیانہ اہمیت و افادیت کو نظم کے ذریعہ قاری اور سامع تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ مثالوں کے ذریعہ تشبیہات و استعارات کے ذریعہ اور تاریخی تلمیحات کے ذریعہ انہوں نے علم کی برکتوں کو، اس کے فیضان کو اور اس کے فوائد کو وضاحت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

3.7.8 نمونہ امتحانی سوالات

1 تلوک چند محروم کی نظموں کی انفرادیت بیان کیجئے

2 تلوک چند محروم کی حب الوطنی سے متعلق شعری خدمات کا جائزہ لیجئے

3 نظم علم کن خصوصیات کی بنا پر تلوک چند محروم کی نظموں میں اہمیت کی حامل ہے۔ وضاحت کیجئے

3.7.9 فرہنگ

ریشہ دوانی	سازش، شرارت
سبک دوش	ریٹائرمنٹ، ملازمت سے برطرفی
اعتنا	پرواہ، ہمدردی
مطمح نظر	مرکزی نگاہ، مقصد اصلی
تنوع	مختلف قسم کے، طرح طرح کے
خوب رو	حسین، جمیل، سندر
اوج	شان، رفعت، عروج
سیماب	پارہ
مفارقت	جدائی
جولانی	پھرتی، چستی
عندلیب	بلبل
سموم	زہریلی ہوا
رقیق القلب	نرم دل
زنداں	جیل، قید خانہ

اختراع	ایجاد
تیرگی	تاریکی، اندھیرا

3.7.10 مزید مطالعہ کے لئے

1 تلوک چند محروم، گنج معانی، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی

2 ڈاکٹر محمد یوسف انصاری، تلوک چند محروم حیات اور شاعری، شمسی فائن آرٹس، مومن پورہ، ناگپور

3 ڈاکٹر زینت اللہ جاوید، تلوک چند محروم: شخصیت اور فن، محروم میموریل لٹریری سوسائٹی، نئی دہلی

4 جگن ناتھ آزاد، تلوک چند محروم، ادارہ فروغ اردو، لکھنؤ

محروم کا فن بطور شاعر

اکائی کی ساخت

3.8.1 تمہید

3.8.2 تعارف

3.8.3 محروم کی شخصیت

3.8.4 محروم کی ابتدائی شاعری

3.8.5 محروم کی شاعرانہ انفرادیت

3.8.6 محروم کا فن بطور شاعر

3.8.7 خلاصہ

3.8.8 نمونہ امتحانی سوالات

3.8.9 فرہنگ

3.8.10 مزید مطالعہ کے لئے

3.8.1 تمہید

عزیز طلبا! اس پیپر میں تلوک چند محروم سے متعلق چار اسباق شامل ہیں۔ آپ نے یونٹ نمبر 1 کے سبق نمبر 3 میں تلوک چند محروم کی معروف نظم 'علم' کے تعارف کے ساتھ ساتھ اس کی تشریح بھی کی ہے اور اسی سبق میں تلوک چند محروم کے ابتدائی ایام اور ان کی شاعرانہ خصوصیات کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ باقی تین اسباق یونٹ نمبر 3 میں شامل ہیں۔ آپ نے سبق نمبر 7 میں محروم کے حالات زندگی، ان کی شاعرانہ خصوصیات اور سبق میں شامل نظم علم کی خصوصیات کا بھی مطالعہ کیا ہے جبکہ اسی یونٹ کے سبق 10 میں نظم علم کا تنقیدی مطالعہ بھی شامل نصاب ہے۔ یونٹ نمبر 3 کے سبق نمبر 8 یعنی زیر مطالعہ سبق میں آپ محروم کی شخصیت، ان کی ابتدائی شاعری، محروم کی شاعرانہ انفرادیت کے ساتھ ساتھ 'محروم کا فن بطور شاعر' کا مطالعہ کریں گے۔ امید ہے کہ زیر مطالعہ سبق میں اس سے پہلے پڑھے گئے اسباق ممد و معاون ثابت ہوں گے۔

3.8.2 تعارف

عزیز طلبا! تلوک چند محروم ایک ایسے شاعر ہیں جو مصائب کا سامنا کرنے، حکومتی پابندیوں کا مقابلہ کرنے اور ملازمت کی ناہمواریوں اور مشکلات کے باوجود جدید اردو نظم کو بہت سی لازوال نظمیں اور رباعیاں دی ہیں۔ پہلے پہل محروم کی نظمیں 'مخزن' اور 'زمانہ' میں شائع ہو کر مقبول ہوئیں اور پھر یکے بعد دیگرے ان کے مجموعے کلام شائع ہوتے رہے۔ محروم کی شاعری کا خاص وصف صلح کل و محبت کی تلقین ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ شاعری میں ان کے پیش نظر دنیا کے عظیم مذہبی پیشواؤں کے عفو و درگزر اور صلح کل کی خوبیاں تھیں۔ محروم کی نظموں میں کیف غم بھی ہے، بہار و خزاں کی چاشنی بھی ہے اور دردمندانہ طبیعت کی خوبی بھی۔ محروم کی جوان بیوی ایک ننھی سی بچی کو چھوڑ کر شادی کے چند سال بعد دنیا سے

رخصت ہوگئی۔ ننھی بچی کی بے بسی اور خانہ ویرانی کا محروم کی زندگی پر بہت گہرا اثر پڑا۔محروم نے اپنے معاصرین شعرا کے اثر قبول کئے اور ان پر اپنا اثر بھی ڈالا۔ خاص طور سے ان شعرا پر جن کے کلام معروف رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہے جیسے مولانا گرامی، طالب بنارسی، سرور جہان آبادی، نادر کاکوروی اور چکبست وغیرہ۔

عزیز طلبا! اس سبق میں خاص طور سے ان حالات اور ان شخصیات کا ذکر بھی شامل ہوگا جن کی وجہ سے محروم کی شاعرانہ انفرادیت قائم ہوئی۔اس سبق میں تلوک چند محروم کے فن کا ایک شاعر کی حیثیت سے جائزہ بھی لیا جائے گا۔آیئے اب پہلے ان کی ابتدائی شاعری پھر شاعرانہ انفرادیت اور ان کے فن شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں۔

3.8.3 محروم کی شخصیت

عزیز طلبا! آپ تلوک چند محروم کی شخصیت سے متعلق بہت کچھ پڑھ چکے ہیں ان کو دہرانے کی حاجت نہیں۔اب ان کی شخصیت کے کچھ اور پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔آپ جان چکے ہیں کہ مذہبی لحاظ سے محروم صاحب ایک آریہ سماجی منش تھے لیکن انہوں نے مذاہب عالم کا بغور مطالعہ کیا تھا اور ان مذاہب کی قدریں ان کی شخصیت میں نمایاں تھیں اور ان کی شاعری میں بھی اس کا پرتو دیکھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے مصائب کا مقابلہ کرنے کے ساتھ انہوں نے اپنی شاعری کو مجروح نہیں ہونے دیا بلکہ ان مصائب پر بھی انہوں نے نادر و نایاب نظمیں لکھیں۔خاص طور سے ان کی نظم پہلی صبح، دوسری صبح اور تیسری صبح جو اپنی رفیقہ حیات کی موت کے بعد اور اپنی دو سالہ بچی شکنتلا کی موت پر لکھی تھی۔محروم کی شاعری میں اور ان کی شخصیت میں بے بسی اور بے کسی، حالات کی ناہمواری اور حوادث کے ہجوم کا اثر دیکھا جاسکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی متعدد نظمیں حزنیہ پیراہن لئے ہوئی ہیں۔اس کی

مثال وددیا کی خودکشی پر تلوک چند محروم کے اشعار سے دی جاسکتی ہے

☆ شمسان کا نظارہ دکھائی ہے یہ دنیا　　افسوس اس شمسان میں کھائیں گے پیئیں گے
تو مرنے پر مجبور ہوئی مرگئی جل کر　　ہم جینے پر مجبور ہیں جل جل کے جئیں گے
☆ پہلے بھی عزا خانہ تھی وہ میری نظر میں　　افسوس کہ اب اور بھی برہم ہوئی دنیا
اے لخت جگر آہ کہ جل مرنے سے تیرے　　میرے لئے آتش کدہ غم ہوئی دنیا

چنانچہ گھریلو مصائب اور ملازمت کی ناہمواریاں محروم کی شخصیت پر اثر ڈالتی رہیں۔محروم میں قدرت نے جذبہ ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔وہ دوستوں، ہمنواؤں کے غم کے ساتھ ساتھ عام آدمی کے غموں میں بھی برابر کے شریک رہے۔محروم صاحب کی مشاعروں میں شرکت مشاعروں کی کامیابی کی ضمانت ہوا کرتی تھی۔شرکت اگر ناممکن ہوتو فوراً انکار کر دیتے اور اگر وعدہ کر لیتے تو چاہے جو کچھ ہو وہ وعدہ پورا کرتے۔محروم صاحب کی طبیعت پے درپے صدموں کے بعد نڈھال ہو چلی تھی لیکن انہوں نے انتہائی ضبط سے کام لے کر اپنے دوستوں پر اسے ظاہر نہیں ہونے دیا۔رتن ناتھ سرشار نے لکھا ہے کہ 'کسی انسان کی حقیقی عظمت اور خصلت کا اندازہ کرنے میں عام طور پر اس کی زندگی کے روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بڑی مدد ملتی ہے کیوں کہ ان میں کسی قسم کی تصنع اور بناوٹ سے کام نہیں لے سکتا۔جن لوگوں کو زندگی میں محروم صاحب سے کبھی واسطہ پڑا ہے وہ ان کی بلندی اخلاق اور عظمت کردار کے بے حد مداح تھے'۔

تلوک چند محروم استادی اور شاگردی کے تعلق سے بھی منفرد تھے۔ان سے جب یہ کسی نے پوچھا کہ شاعری میں استادی اور شاگردی کے تعلق سے آپ کا کیا خیال ہے۔فرمانے لگے میں نے اپنی زندگی میں یہ دھندھا کبھی اختیار نہیں کیا۔ایک بار دہلی ریڈیو اسٹیشن سے ایک پروگرام نشر ہوا جس میں ساٹھ سال

سے زائد کی عمر کے شعرا نے حصہ لیا۔ اس پروگرام میں شعرا نے اپنے کلام، استادی اور شاگردی کے بارے میں بھی گفتگو کی۔ اس موقع پر محروم نے کہا تھا میرا صرف ایک شاگرد ہے اور وہ جمنی سرشار ہے جو سونی پت میں رہتا ہے۔ مجھے اسے اپنا شاگرد کہتے ہوئے بہت خوشی ہوتی ہے۔ محروم صاحب کی شخصیت جتنی عظیم تھی اس کے لحاظ سے معاشرے اور حکومت نے ان کی قدر دانی نہیں کی۔ کچھ ارباب اقتدار ایسے بھی تھے جنھوں نے ان کی عظیم شخصیت کو اپنے ذاتی اخلاق کے پیمانے سے ناپنے کی کوشش کی۔ حالاں کہ ان کو مختلف موقعوں پر اعزازات بھی ملے اور خراج تحسین بھی پیش کیا گیا۔

3.8.4 محروم کی ابتدائی شاعری

عزیز طلبا! آپ کو تلوک چند محروم کی حالات زندگی پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہو گیا ہے کہ ان کی مادری زبان اردو نہیں تھی بلکہ ان کی مادری زبان ملتانی پنجابی تھی۔ محروم نے اردو شعر کہنا شروع تو کر دیا لیکن انہیں اتنا ضرور معلوم تھا کہ اردو زبان پر عبور حاصل کرنا بچوں کا کھیل نہیں۔ آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ محروم نے چھ سات سال کی عمر میں تعلیم کی ابتدا کی۔ اس زمانے میں پنجاب کے پورے خطے میں مولانا محمد حسین آزاد کی تالیف کردہ درسی کتاب نصاب میں داخل تھی اور پرائمری درجوں سے ہی محروم کو آزاد کے دلکش طرز بیان سے انسیت ہو گئی تھی۔ یہی نصابی اور درسی نظمیں ان کی شاعری کی ابتدا کی بنیاد بنیں۔ اسی زمانے میں ایک منظوم کتاب 'مجموعہ قصص' محروم صاحب کے ہاتھ لگی اس میں چند منظوم قصے سہل زبان اور آسان بحر میں نظم کئے ہوئے تھے۔ اس کو بار بار پڑھنے نے تلوک چند محروم کو خود نظم کہنے کی طرف راغب کیا اور پانچویں درجے میں پہنچتے پہنچتے وہ خود چھوٹی چھوٹی نظمیں ٹوٹی پھوٹی زبان میں کہنے لگے۔ مڈل اسکول میں محروم کو فارسی سے خاص دلچسپی ہوئی اور ہائی اسکول کے آخری درجے تک پہنچتے پہنچتے شعرائے قدیم اور استادان غزل میر، سودا، غالب اور مومن کے کلام کی طرف ان کی طبیعت مائل

ہوگئی۔ ساتویں درجے میں ہی ملکہ وکٹوریہ کے انتقال پر اسکول کے ماتمی جلسے میں انہوں نے مسدس کی صورت میں ایک مرثیہ پڑھا۔ اس کا ایک شعر یوں تھا

فرط غم سے غنچہ چپ ہیں گل ِ غریبان چاک ہیں
نو جوانان چمن بھی سر پہ ڈالے خاک ہیں

اس زمانے میں انہوں 'خدمت والدین' کے نام سے ایک نظم کہی جس کا مقطع تھا

گو ضعیف العمر ہیں پر حق نہیں ان کا ضعیف
ہے نصیحت کام کی محروم اس سے مت گزر

یہ نظم ریجنل انسپکٹر آف اسکول کے سالانہ معائنہ کے وقت پڑھی گئی۔ اسکول انسپکٹر نے نظم سن کر خوشی کا اظہار کیا اور محروم کی تعریف کے ساتھ انعام کے ذریعہ ہمت افزائی کی۔ ابتدا میں محروم نے جو شاعری کی اس میں صرف داخلی جذبات کا اظہار تھا۔ اسی طرح کی ایک اور نظم مثنوی کی شکل میں 'بارش' کے عنوان سے محروم نے کہی تھی جس کا ایک شعر آپ اس سے پہلے بھی پڑھ چکے ہیں

الٰہی تیری مہربانی ہوئی
کہ زمیں ساری پانی پانی ہوئی

ابتدا میں تلوک چند محروم ڈاکٹر اقبال اور سرور جہاں آبادی کی نظموں سے کافی متاثر تھے۔ ہائی اسکول میں محروم کو آب حیات پڑھنے کا موقع ملا۔ اس سے بھی محروم نے اپنی شاعری کے ابتدائی دنوں میں کافی کچھ سیکھا۔ دسویں درجے تک پہنچتے پہنچتے محروم کی نظمیں اس قدر معروف ومشہور ہونے لگیں کہ مشہور زمانہ رسائل وجرائد بالخصوص 'زمانہ' کانپور اور 'مخزن' لاہور میں شائع ہونے لگی۔ صرف 1908 سے 1916 تک کی نظموں سے محروم کی شہرت پورے ملک میں ہوگئی۔ دہلی اور لکھنؤ کے بڑے بڑے

اساتذہ شعرا نے ان کے کلام کی داد دی حتی کہ ڈاکٹر علامہ اقبال اور اکبر الہ آبادی نے بھی محروم کی شاعری کی بجا طور پر تعریف کی۔ اکبر الہ آبادی نے تو 'کلام محروم' پر ایک رباعی کی صورت میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا

لفظوں کا جمال اور معانی کا ہجوم ہے داد کا مستحق کلام محروم
ان کی نظموں کی بجا ہے ملک میں دھوم ہے ان کا سخن مفید و دانش آموز

یہ رباعی 'زمانہ' کانپور میں شائع ہوئی تھی۔ اس رباعی کے شکریے کے جواب میں محروم نے ایک رباعی کہی

تائید کلام قلب مضطر سے ملی طبع موزوں خدائے برتر سے ملی
جب داد سخن جناب اکبر سے ملی آیا مجھ کو یقین کہ شاعر ہوں

غرض کہ نوجوانی میں ہی اور آغاز شاعری ہی میں تلوک چند محروم نے اردو شاعری کے تقریباً سبھی صنف سخن میں طبع آزمائی کی اور بہتر سے بہترین کہنے کی کوشش کی۔

3.8.5 محروم کی شاعرانہ انفرادیت

عزیز طلبا! آپ جان چکے ہیں کہ تلوک چند محروم کی زندگی کن حالات میں گزری۔ گھریلو معاملات و حالات، ملازمت کی ناہمواریاں اور وطن عزیز کے سیاسی وسماجی ماحول نے تلوک چند محروم کے فن اور شخصیت دونوں پر اثر ڈالا۔ آپ سبھی جانتے ہیں کہ نہ تو کوئی شاعر اور نہ فنکار خلا میں پرورش پاتا ہے اور نہ تو اس کا فن اور نہ اس کی شاعری۔ چنانچہ تلوک چند محروم نے اپنی زندگی جس حال میں گزاری اس کا بالواسطہ اور بلاواسطہ اثر ان کی شاعری پر پڑا۔ عزیز طلبا! آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اسکول کے زمانے سے ہی تلوک چند محروم کا مزاج شاعرانہ تھا اور انہوں نے میٹرک سے قبل ہی کئی نظمیں کہی تھیں۔

اس کے بعد درسی وتدریسی ماحول میں انہوں نے اپنی بہت سی نظمیں کہیں اور وہ اس زمانے کے معروف و مشہور جریدوں اور رسالوں میں شائع ہوتے رہے۔تلوک چند محروم کی شاعرانہ انفرادیت میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ انہوں نے شاعری میں کسی سے اصلاح نہیں لی۔ بلکہ انہوں نے اپنی طبیعت کو ہی، اپنے ذہن رسا کو ہی اپنا رہبر مان لیا۔نویں جماعت کی ایک نظم 'بلبلہ' بہت معروف ومشہور ہوئی اور بعد میں یہ پنجاب کے نصاب تعلیم میں شامل کر لی گئی۔شاعری کے آغاز میں کچھ ایسی نظمیں تلوک چند محروم نے کہیں جن پر ان کو ان کے ہم عصروں بالخصوص اکبرالہ آبادی، ڈاکٹر اقبال اور بشیرالدین احمد خاں سے داد سخن ملی۔ان کا خیال تھا کہ اگر شاعری کی طرف کسی شخص کا فطری رجحان ہو اور اچھے اور اساتذہ شعرا کا بغور مطالعہ کرے تو اسے کسی کی شاگردی کی ضرورت نہیں۔

محروم کی اخلاقی، ادبی اور نیچرل نظموں کا پہلا مجموعہ 1916 میں شائع ہوا۔اس سے تلوک چند محروم کی شاعرانہ انفرادیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔گنج معانی، نیرنگ معانی رباعیات محروم، شعلہ نوا، کاروان وطن اور بہار طفلی سبھی مجموعہ کلام سے ان کی شاعرانہ عظمت وانفرادیت کی عکاسی ہوتی ہے۔عزیز طلبا! آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ تلوک چند محروم نہایت سنجیدہ مزاج اور خلیق تھے۔سب سے خندہ پیشانی سے ملتے اور خاص طور سے بچوں سے مل کر بہت خوش ہوتے۔انہیں بچوں کی بےفکری اور لاابالی پر بہت رشک آتا۔محروم کو مناظر قدرت اور فطری ماحول بہت پسند تھا۔محروم نے بےشمار مشاعروں میں اپنا کلام سنایا اور دادِ تحسین حاصل کی۔مشاعروں میں ان کی شرکت مشاعروں کی کامیابی کی ضمانت تھی۔سیکڑوں ادبی مجالس کی صدارت کی۔آل انڈیا ریڈیو پشاور اور دہلی سے آپ کی تقریریں نشر ہوتی تھیں اور ریڈیائی مشاعروں میں بھی تلوک چند محروم بطور خاص مدعو کئے جاتے تھے۔حالاں کہ محروم صاحب نے غزلوں کی طرف شروع سے ہی کم توجہ دی لیکن اس کے باوجود ان کی غزلوں کی انفرادیت کو دیکھتے ہوئے یہ احساس

ہوتا ہے کہ وہ اگر نظم کو چھوڑ کر صرف غزل کی طرف توجہ کرتے تو غزل کے میدان میں شہسوار کہے جا سکتے تھے۔ان کی غزلوں میں بہت اچھوتے مضامین ملتے ہیں۔مثال کے لئے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے

سرور عاشق بعد فنا بھی مونس جاں ہے
کہ صحرا کے بگولوں میں غبار قیس رقصاں ہے
خیال رنج و راحت میں عبث اے دل پریشاں ہے
نہ یہ قائم ، نہ وہ دائم یہ فراں و شتاباں ہے
چراغ زندگی روشن سر راہ بیاباں ہے
ہوائے دہر کا ایک جھونکا دشمن جاں ہے

یہ اشعار تلوک چند محروم کے ابتدائی ایام کے ہیں اوران ہی دنوں ان کے کلام میں اتنی ندرت تھی ،اتنی انفرادیت تھی کہ بعض نظمیں بھی غزل کے پیرائے میں لکھی ہیں اوران سے رنگ تغزل کی عکاسی ہوتی ہے۔ان میں جابجا وہی عاشقانہ تشبیہات ومضامین نظر آتے ہیں مثلاً

فریب دہر نے تدبیر جاں ستانی کی کہ شکل آگ نے کی اختیار پانی کی

عزیز طلبا! آپ نے تلوک چند محروم کی حالات زندگی کو پڑھا ہے۔انہیں اپنی زندگی میں بہت سے مصائب اورآلام کا سامنا کرنا پڑا۔اس کا پرتو ان کی شاعری میں دیکھا جا سکتا ہے مثلاً

اس بے وفا کے گیسوئے مشکیں کی کیا خطا محروم اپنے دل نے پریشان کیا مجھے
دامن عمر ہی پھٹ جائے گا جب تک کہ رفو چاک دل، چاک جگر، چاک گریباں ہوں گے
کثرت غم نے مٹادی کاوش احساس غم ہم نشیں اب ہم سے مشق گریہ وزاری رہی

محروم صاحب نے صوفیانہ مضامین کو بھی اپنی غزلوں میں جگہ دی ہے۔فلسفیانہ مضامین بھی

باندھے ہیں اور ان کی غزلوں بلکہ ان کی پوری شاعری میں انسانی دوستی کا جذبہ نظر آتا ہے۔ فلسفہ غم اور فلسفہ حیات ان کی نظموں، غزلوں اور رباعیات کا خاصہ ہیں جن سے ان کی شاعرانہ انفرادیت کی عکاسی ہوتی ہے۔

3.8.6 محروم کا فن بطور شاعر

عزیز طلبا! آپ دور جدید کے کئی شعرا کے متعلق اس پیپر میں پڑھ چکے ہیں۔ ان ہی جدید شعرا میں سے تلوک چند محروم بھی ایک اہم شاعر ہیں۔ تلوک چند محروم کے فن کا کینوس بہت وسیع ہے۔ انہوں نے بطور شاعر تقریباً سبھی صنف سخن میں طبع آزمائی کی۔ آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ تلوک چند محروم نظم نگاری کے میدان کے شہسوار ہیں اور انہوں نے نظم نگاری میں کئی اسلوب میں اور متعدد نقطہ نظر سے نظمیں لکھی ہیں مثلاً جب ہم محروم کی نظم نگاری کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی نظموں میں سب سے پہلا نمبر قدرتی مناظر اور دیگر منظر نگاری سے متعلق نظمیں ملتی ہیں۔ اگر ہم تلوک چند محروم کی نظم نگاری کو ان کے فن کے لحاظ سے تقسیم کریں تو کم سے کم چھ خانوں میں ان کی نظم نگاری کو تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا منظر نگاری سے متعلق نظمیں، دوسرا حزنیہ نظمیں، تیسرا جذبات فطرت سے متعلق نظمیں، چوتھا رثائی نظمیں، پانچواں سیاسی اور حب الوطنی سے متعلق نظمیں اور چھٹا ادب اطفال سے متعلق نظمیں۔

عزیز طلبا! آیئے ہم سب سے پہلے تلوک چند محروم کی نظموں میں منظر نگاری سے متعلق بات کرتے ہیں کہ ان کی نظم نگاری کی ابتدا فطری منظر نگاری سے ہوتی ہے۔ محروم کی نظموں پر اگر ہم شروع سے نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کا کینوس نظم نگاری کے لحاظ سے بہت وسیع ہے۔ محروم کی افتاد طبع اور میلان طبیعت منظر نگاری سے زیادہ قریب اور ہم آہنگ تھی اسے ہم محروم کی ذہنی آواز کہہ سکتے ہیں۔ حالاں کہ محروم کا نیرنگ اور تخیل کسی شے اور مقام کا پابند نہیں تاہم انہیں ایک عظیم فطرت

پسند شاعر کہا جاسکتا ہے کیوں کہ ان کی شعری تخلیقات میں فطری محرکات کا اہم مقام ہے۔محروم نے فطرت کو ہر رنگ میں اور ہر نقطہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی نظموں سے قدرت کے مختلف خدوخال اور نقش و نگار منقش ہوتے ہیں۔مولانا شبلی نعمانی اور مولانا الطاف حسین حالی نے تلوک چند محروم کی نظموں میں منظر نگاری کے لئے محاکات نگاری کی کھل کر تعریف کی ہے۔ چوں کہ محاکات کی کامیابی کے لئے مشاہدہ فطرت بہت ضروری ہے اور تلوک چند محروم کو یہ موقع بچپن سے ہی حاصل تھا۔ بقول ساذ تمکنت کے حضرت محروم اس فن سے واقف ہیں کہ کس طرح شبنم کا ذکر کیا جائے کہ قاری اپنے دل میں شبنم کی طراوت محسوس کرے۔اس کی تصدیق میں محروم کی نظم 'نسیم بہار' کا ایک بند ملاحظہ کیجئے اور صبح کے وقت نسیم بہار کی آمد کا منظر محسوس کیجئے کہ شاعر نے کس طرح سے منظر نگاری کے ذریعے قاری و سامع کی بصارت و سماعت میں نسیم بہار کی خوبیوں کا احساس دلایا ہے۔

تاروں کی چھاؤں میں جو تو آئی ہے باغ میں ٹھنڈک سی ڈال دیتی ہے لالے کے داغ میں
خوبان صحن باغ کی بزم فراغ میں بھرتی مئے نشاط ہے گل کے ایاغ میں
جھونکے تیرے ہیں ساقی سرشار اے نسیم شانہ جھوم جاتے ہیں اشجار اے نسیم

محروم کی محاکات نگاری کا یہ نمونہ آپ نے دیکھا جوان کی نظم نسیم بہار سے ماخوذ تھا۔ یہ نظم تلوک چند محروم کے مجموعہ کلام 'گنج معانی' میں شامل ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ محاکات کا اصل کمال یہ ہے کہ اصل سے مطابق ہو یعنی جس چیز کا بیان کیا جائے اس طرح کیا جائے کہ خود وہ شے مجسم ہو کر سامنے آجائے۔محروم کی بعض نظمیں شبلی کے قول کی سو فیصد تصدیق کرتی ہیں۔آیئے ان کی ایک نظم 'آندھی' کے ایک حصے سے تلوک چند محروم کی محاکات نگاری کی تصدیق کرتے ہیں

وہ گرد کا پہاڑ اٹھا پھر شمال سے
بالیدگی میں دو قدم آگے خیال سے
صورت میں ہے اگر چہ یہ باہر مثال سے
آتی ہے فوج دیو نظر چال ڈھال سے
روپوش اس کے خوف سے کوہِ گراں ہوا
ہیبت وہ ہے کہ زرد رخ آسماں ہوا
جڑ سے اکھڑ کر نخل تناور کہیں گرا
ٹہنا کسی غریب کے سر پر کہیں گرا
چھجہ اڑا کہیں سے تو چھپر کہیں گرا
دیوار سے اکھڑ کر کوئی در کہیں گرا

عزیز طلبا! آپ نے دیکھا کہ محروم نے کس طرح سے آندھی کی بے پناہ قوت، بڑھتی ہوئی افتاد اور اس سے ہونے والے نقصانات واثرات کو کس محاکاتی انداز سے پیش کیا ہے کہ آندھی کا مجسم چہرہ اس کی ہو بہو تصویر کھینچتی ہوئی سامنے آجاتی ہے اور قاری اپنے آپ کو آندھی کے روبرو پاتا ہے۔ اسے منظر نگاری کا بھرپور اور مکمل نمونہ کہا جا سکتا ہے۔

محروم نے بہت سی حزنیہ نظمیں لکھی ہیں۔ ان میں بھی نظم نگاری کی بہترین خوبی پائی جاتی ہے۔ تلوک چند محروم اپنے تخلص کی بہ نسبت غم پسند واقع ہوئے ہیں اور ان کی حزنیہ نظموں میں ان کے گھریلو ماحول کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ذاتی طور پر کئی بار محروم صدمات سے دوچار ہوئے ہیں۔ بقول جگن ناتھ آزاد ودیا کی خودکشی نے ان کی (محروم) زندگی سے ہمیشہ کے لئے مسرت چھین لی۔ اس کے علاوہ محروم نے کئی رثائی نظمیں بھی لکھی ہیں ان سے بھی ان کے روح غم کی تصدیق ہوتی ہے۔ حالاں کہ یہ نظمیں اپنے ہم عصروں اور عزیزوں کے انتقال پر لکھی گئیں۔ 'گنج معانی' کے دیباچے میں رثائی نظموں کے متعلق اور محروم کی درد بھری طبیعت وحزن وملال سے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے سر عبدالقادر نے لکھا ہے

"محروم کی درد بھری طبیعت دوسروں کے درد کو بھی معمول سے زیادہ محسوس کرتی ہے۔ انہوں نے اپنے بعض ہم عصروں کے بے وقت انتقال پر آنسو

بہائے ہیں جن میں سچی محبت اپنا جلوہ دکھا رہی ہے''۔

عزیز طلبا! آپ جان چکے ہیں کہ محروم نے اچھی غزلیں بھی کہی ہیں جو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہیں۔محروم کی غزلوں میں روداد محبت، صوفیانہ مضامین، فلسفیانہ نظریات وخیالات، انسانی ہمدردی کا جذبہ، فلسفہ غم اور فلسفہ حیات سے متعلق اشعار ملتے ہیں۔ چند اشعار مثال کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں

زندگی ناکامیوں کی ایک مسلسل داستاں　　موت کیا ہے زندگی کی داستاں کا خاتمہ
گھبرایئے کیوں زندگی بے کیف اگر ہے　　آخر شب تاریک کا انجام سحر ہے
جاگ اٹھتی ہے دامان شب سے صبح نو　　موت کیا ہے زیست کی تجدید ہے میرے لئے

محروم کی یہی وہ فنی انفرادیت ہے جو انفرادی اور داخلی کیفیات کو اجتماعی کیفیت سے بدل دیتی ہے اور اردو کے دائرہ غزل کو وسیع کرتی ہے۔

تلوک چند محروم نے مختلف موضوعات پر نظموں اور غزلوں کے علاوہ بہت اچھی رباعیاں بھی کہی ہیں۔ان رباعیوں میں اللہ تعالی کی تعریف، حمد ومناجات، مذہبیات سے متعلق رباعیاں، عارفانہ اور اخلاقیات سے متعلق رباعیات، معاشرے کی سدھار سے متعلق رباعیاں اور فطرت نگاری اور منظر نگاری سے متعلق رباعیاں شامل ہیں۔غرض کہ محروم نے جو رباعیاں کہی ہیں متصوفانہ اور اخلاقی نوعیت کی زیادہ ہیں۔ان کی رباعیوں میں فنی شعور، فکر وخیال، اسلوب بیان، صداقت وحقیقت اور تفصیل وایجاز غرض کہ تمام خصوصیات توازن کے ساتھ موجود ہیں۔یہی وجہ ہے کہ محروم کی رباعیوں میں فکر واحساس کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔مثال کے لئے صرف دو رباعیاں پیش کی جاتی ہیں

جو راستہ رہبر ازل دکھلائے
عقل اس پہ چلے تو ٹھوکریں کیوں کھائے
وہ عقل بچائے گی تمہیں کیا محروم
جو دام فریب نفس میں آجائے
ہے کار گہہ دہر میں مزدور انساں
ہستی پہ ہے اپنی پھر بھی مغرور انساں
مختار ہے ایک حد تک بے شک
لیکن حد سے سوا ہے مجبور انساں

3.8.7 خلاصہ

عزیز طلبا! یونٹ 3 کے سبق نمبر 8 میں جو آپ کے زیر مطالعہ رہا اس سبق میں آپ نے محروم کی شخصیت ،ان کی ابتدائی شاعری اور شاعرانہ انفرادیت کے ساتھ ساتھ محروم کی شاعری اور ان کے شاعرانہ فن کا مطالعہ کیا ہے۔آپ جان چکے ہیں کہ محروم ایک ایسے شاعر تھے جن کے اندر اخلاص ومحبت، عفودرگزر کی خوبیاں موجود تھیں۔محروم کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں،ان کی شاعرانہ انفرادیت،ان کے حالات زندگی کا نمایاں اثر دیکھا جاسکتا ہے بالخصوص عزیز واقربا کی ناگہانی موت اور ملازمت کی ناہمواریاں۔حتی کے ان مسائل نے ان کی صحت پر بھی مضراثر ڈالا۔تاہم ان کی شاعری پر ان مصائب کا مثبت اثر یہ پڑا کہ وہ غموں کے آگ میں تپ کر اور کندن ہوگئی۔تلوک چند محروم شاعری میں استادی اور شاگردی کے تعلق سے اپنا الگ خیال رکھتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص اساتذہ کا کلام اور مختلف طرح کی صنعتوں اور زبان کی کتابوں کا بغور مطالعہ کرے تو اسے کسی کی شاگردی کی ضرورت نہیں۔

عزیز طلبا! آپ جان چکے ہیں کہ محروم ثانوی تعلیم کے درمیان ہی چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھنے لگے تھے اور استادان غزل کے کلام کی طبیعت مائل ہوگئی تھی۔اسکول کے زمانے میں انہوں نے کئی اچھی نظمیں لکھیں جو اس عہد کے معروف ومشہور رسائل وفرائد میں شائع ہوئے۔محروم کی نظموں کا پہلا مجموعہ 1916 میں شائع ہوا۔اس کے بعد کئی مجموعے یکے بعد دیگرے شائع ہوتے رہے۔ان کے مجموعوں میں

گنج معانی، نیرنگ معانی، رباعیات محروم، شعلہ نوا، کاروان وطن اور بہار طفلی خاص ہیں جو محروم کی شاعرانہ عظمت اور انفرادیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ محروم نے اچھی غزلیں بھی لکھیں اور رباعیاں بھی۔ لیکن ان کی انفرادیت ان کی موضوعی نظموں سے ہے۔ ان کی غزلوں میں صوفیانہ مضامین، فلسفیانہ مضامین اور عشق و عاشقی کی تشبیہات انفرادیت کے ساتھ ملتے ہیں۔ محروم نے اپنی نظموں میں فطری منظر نگاری سے زیادہ کام لیا ہے۔ ان کی فطرت نگاری پر مولانا الطاف حسین حالی کا اثر دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کی نظموں، غزلوں اور رباعیوں میں فنی شعور، فکر و خیال، اسلوب بیان، صداقت و حقیقت اور تفصیل و ایجاز غرض کہ تمام خصوصیات توازن کے ساتھ موجود ہیں۔

3.8.8 نمونہ امتحانی سوالات

1 تلوک چند محروم کی ابتدائی شاعری پر اظہار خیال کیجیے

2 محروم کی شاعرانہ انفرادیت سے بحث کرتے ہوئے مثالیں پیش کیجیے۔

3 تلوک چند محروم کی فنی خوبیوں کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

4 ''محروم کی شاعری ان کی شخصیت کی عکاس ہے'' تبصرہ کیجیے

3.8.9 فرہنگ

صلح کل	وہ شخص جو ہر مذہب و ملت اور دوست سے یکساں سلوک رکھے
پرتو	سایہ، عکس، پرچھائیں، روشنی
آتش کدہ	وہ عمارت جہاں آگ کی پرستش ہوتی ہے
تصنع	بناوٹ، دکھلاوا

قلب مضطر	پریشان دل، بے چین دل
عبث	بے فائدہ، فضول، بیکار
طراوت	نمی، تری، رطوبت
مئے نشاط	فرحت بخش، شراب
حزنیہ	دردناک واقعہ
محاکات	باہمی بات چیت، باہمی داستان گائی
بالیدگی	افزائش، بڑھوتری
نخل تناور	مضبوط درخت، موٹا درخت

3.8.10 مزید مطالعہ کے لئے

1 تلوک چند محروم، گنج معانی، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی

2 ڈاکٹر محمد یوسف انصاری، تلوک چند محروم حیات اور شاعری، شمسی فائن آرٹس، مومن پورہ، ناگپور

3 ڈاکٹر زینت اللہ جاوید، تلوک چند محروم: شخصیت اور فن، محروم میموریل لٹریری سوسائٹی، نئی دہلی

4 جگن ناتھ آزاد، تلوک چند محروم، ادارہ فروغ اردو، لکھنؤ

جدید نظم کے فروغ میں مذکورہ شعرا کی خدمات

اکائی کی ساخت

3.9.1 تمہید

3.9.2 تعارف

3.9.3 مولانا الطاف حسین حالی

3.9.4 علامہ اقبال

3.9.5 تلوک چند محروم

3.9.6 جوش ملیح آبادی

3.9.7 فیض احمد فیض

3.9.8 اختر الایمان

3.9.9 ن م راشد

3.9.10 خلاصہ

3.9.11 فرہنگ

3.9.12 نمونہ امتحانی سوالات

3.9.13 مزید مطالعہ کے لئے

3.9.1 تمہید

عزیز طلبا! اب تک آپ نے جن شعرا کے متعلق، ان کی نظم نگاری کے متعلق گزشتہ اسباق میں عمومی جانکاری حاصل کی ہے اور ان کی بعض نظموں کا خصوصی مطالعہ کیا ہے اس سبق میں ان ہی شعرا کی خدمات کا جائزہ لیا جائے گا خاص طور سے نظم جدید کے فروغ میں ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے نظم نگاری میں ان کی خصوصیات کا تذکرہ کیا جائے گا۔ گزشتہ تینوں اکائیوں کے تقریباً سبھی اسباق میں ان شعرا کی گوناگوں خوبیوں اور اردو نظم نگاری کے فروغ میں ان کی خدمات کا اجمالی جائزہ لیا جائے گا۔ اس سبق میں جن نظم نگار شعرا کی خدمات کا جائزہ لیا جائے گا ان میں الطاف حسین حالی، محمد اقبال، تلوک چند محروم، جوش ملیح آبادی، فیض احمد فیض، اختر الایمان، اور ن م راشد شامل ہیں۔

3.9.2 تعارف

عزیز طلبا! آپ جانتے ہیں کہ اردو میں جدید نظم نگاری کا آغاز 1857 کی پہلی جنگ آزادی کے بعد شروع ہو گیا تھا۔ اصلاح پسند شعرا و ادبا نے ادب کے ذریعہ سماجی اصلاح کی جو کوشش کی اس کے نتیجے میں جدید نظم نگاری کا آغاز ہوا۔ اردو میں جدید نثر و نظم کے فروغ میں جن شعرا و ادبا نے کلیدی کردار ادا کیا ان میں ڈپٹی نذیر احمد، مولانا محمد حسین آزاد، سر سید احمد خاں اور مولانا الطاف حسین حالی پیش پیش نظر آتے ہیں۔ یہاں اردو نثر کا فروغ موضوع بحث نہیں لیکن جن جدید شعرا نے شعری خدمات انجام دیں جدید نظم کے فروغ کے حوالے سے ان کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس سبق میں جن جدید نظم گو شعرا کی خدمات کا تذکرہ ہوگا ان میں بالترتیب مولانا الطاف حسین حالی، محمد اقبال، تلوک چند محروم، جوش ملیح آبادی، فیض احمد فیض، اختر الایمان اور ن م راشد شامل ہیں۔ عزیز طلبا! اس سے قبل آپ مذکورہ شعرا کی نظموں کے حوالے سے ان سے متعارف ہو چکے ہیں۔

3.9.3 الطاف حسین حالی

الطاف حسین حالی کے بزرگوں کا تعلق خطہ ہرات موجودہ افغانستان سے تھا۔ان کے اجداد پانی پت میں آ کرسکون پزیر ہوئے وہیں 1837 میں حالی کی پیدائش ہوئی۔حالی کی تعلیم بے ترتیب ہوئی۔ سترہ سال کی عمر میں شادی ہوئی۔شادی کے بعد دلی آ کر تعلیم حاصل کی۔مختلف دفاتر میں معمولی تنخواہوں پر ملازمت کی۔1857 کے بعد لاہور پہنچے۔مولانا محمد حسین آزاد اور پنجاب بک ڈپو لاہور سے رابطہ ہوا۔وہیں حالی نے قلیل تنخواہوں پر ملازمت حاصل کی۔حالی کو یہیں مغربی زبان وادب سے باقاعدہ آشنائی ہوئی۔مغربی زبانوں کی معروف نظموں کا مطالعہ اور ترجمہ کیا اور یوں جدید نظم نگاری کی طرف رجوع ہوئے۔بعدازاں حالی نے تہذیب الاخلاق کے لئے مضامین لکھے۔سرسید کی شخصیت نے ان کو متاثر کیا۔دلی کالج میں استاد مقرر ہوئے۔نظام حیدرآباد سے ادبی وظیفہ ملنے کے بعد ملازمت ترک کردی اور اپنا پورا وقت تصنیف وتالیف کے لئے وقف کر دیا۔مولانا الطاف حسین حالی کی گراں ادبی خدمات کے اعتراف میں 1904 میں انہیں شمس العلما کا خطاب دیا گیا۔مولانا حالی نے جدید نظم کے فروغ کے ساتھ ساتھ جدید اردو نثر بالخصوص تنقید وسوانح نگاری کے فروغ میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ الطاف حسین حالی کا انتقال 1914 میں شہر پانی پت میں ہوا۔

عزیز طلبا! حالی کی ہمہ پہلو شخصیت کے بارے میں گزشتہ اسباق میں آپ پڑھ چکے ہیں۔جدید نظم نگاری کے فروغ میں حالی سالار کارواں کی حیثیت رکھتے ہیں۔قیام لاہور کے دوران انہوں نے جو مغربی شعروادب کا مطالعہ کیا وہ جدید اردو شاعری کے فروغ کی بنیاد بنا۔الطاف حسن حالی کو قوم وملت کی زبوں حالی کا بہت ہی دکھ تھا۔چنانچہ انہوں نے جدید نظم کے ذریعہ ملت کے نوجوانوں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا خاص طور سے نظم 'مدوجزر اسلام' لکھ کر انہوں نے نظم کے ذریعہ اصلاحی تحریک کی بنیاد ڈالی۔یہ نظم

مسدس حالی کے نام سے معروف ہے اور اسی نظم کے مقدمے نے اردو میں جدید تنقیدی نظریات کو فروغ دیا۔ سرسید مدوجزر اسلام (مسدس حالی) سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے اس کی تعریف میں کہا تھا 'بے شک میں اس کا محرک ہوا ہوں اور اس کو میں اپنے اعمال حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب خدا پوچھے گا کہ تو دنیا سے کیا لایا میں کہوں گا حالی سے مسدس لکھوالایا ہوں اور کچھ نہیں'۔

عزیز طلبا! جدید نظم نگاری میں حالی کی خدمات کا جائزہ لینے کے لئے اور ان کی نظموں کو سمجھنے کے لئے حالی کی ذات میں پیوستہ دردمندی وخلوص، غم گساری وقومی وملی احساس کو سمجھنا ضروری ہے۔ حالی کی نظموں میں مناجات بیوہ، برکھارت، مدوجزر اسلام وغیرہ لازوال نظمیں ہیں۔ اس کے علاوہ مناظر رحم وانصاف، نشاط امید، حب وطن بھی ان کی اہم نظموں میں شمار ہوتی ہیں۔ حالی نے اپنی نظموں کے عنوانات اور ان نظموں میں لفظیات، تشبیہات واستعارات، صنائع وبدائع اور تلمیحات اتنی آسانی سے استعمال کئے ہیں کہ ایک عام فہم اور سادہ لوح قاری بھی ان نظموں سے مستفید ہوجاتا ہے۔ حالی نے مقامی بولیوں اور ہندی کے عام الفاظ کو اپنی نظموں میں پراثر ڈھنگ سے استعمال کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حالی نے حقیقت پسندی اور نیچرل شاعری کی بنیادوں کو مضبوط کیا جو بلاشبہ حالی کو جدید نظم نگاری کا پیش رو اور امام ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ ان کی مذکورہ نظموں کے علاوہ چپ کی داد، برکت اتفاق، بیٹیوں کی نسبت، کلمۃ الحق اور جواں مردی کا کام وغیرہ بھی ایسی نظمیں ہیں جو جدید نظم نگاری میں اہم مقام رکھتی ہیں۔

3.9.4 محمد اقبال

عزیز طلبا! جدید نظم کے فروغ میں محمد حسین آزاد، مولانا الطاف حسین حالی اور اسماعیل میرٹھی کے بعد علامہ اقبال نے اس روایت کو تقویت بخشی۔ حالاں کہ جدید نظم کی بنیاد نظیر اکبرآبادی نے ہی ڈالی تھی۔

تاہم نظموں سے سماجی اصلاح کا کام لینا حالی نے شروع کیا۔ حالی کا دور مقصدی اور اصلاحی اور اخلاقی شاعری کا دور کہا جا سکتا ہے۔ اقبال کی ابتدائی نظموں پر اس دور کا خاص اثر نظر آتا ہے۔ اقبال کی پہلی نظم 'نالہ یتیم' ہے جسے انہوں نے 1899 میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے ایک جلسے میں پڑھی تھی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سماجی اصلاح اور ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ بلند کیا جا رہا تھا۔ علامہ اقبال نے اسی جذبے کے تحت کئی نظمیں لکھیں جنہیں وطن دوستی اور حب الوطنی کی مثال کہی جا سکتی ہے۔ انہوں نے اپنی قومی شاعری خالص ہندوستانی تہذیب وتمدن کا تصور پیش کیا اور یہ بتانے کی کوشش کی کہ مختلف عقائد، مذاہب اور فرقوں کے موجودگی کے باوجود بھی ہندوستان میں وحدت ممکن ہے۔ علامہ اقبال کی اردو نظم نگاری میں ابتدائی نظمیں ہمالہ، نیا شوالہ، ترانہ ہندی، تصویر درد، ایک پرندے کی فریاد اور ہندوستانی بچوں کا قومی گیت قومی وحدت کے جذبے کو پیش کرتی ہیں۔ علامہ اقبال کے ابتدائی نظموں کی مذکورہ خصوصیت کے علاوہ مناظر قدرت کی منظر نگاری، جذباتی انداز فکر اور رومانوی انداز کی نظمیں بھی نظم نگاری کے فروغ میں اہم مقام رکھتی ہیں مثلاً ماہ نو، گل رنگیں، ابر، گل پژمردہ، جگنو، چاند، آفتاب، آفتاب صبح، ابر کہسار، صبح کا ستارہ، کنار راوی اور موج دریا وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جو ان کی شاعری میں منظر نگاری کی بہترین مثالیں پیش کرتی ہیں۔ اقبال نے ایسی شاعری بالخصوص نظم نگاری کی طرز بیان خود ہی اختراع کی۔ ان کی شاعری میں علامت نگاری، تشبیہات وتلمیحات اور استعارات کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔ انہوں نے اپنی نظموں میں جو علامتیں استعمال کی ہیں وہ بعید از قیاس نہیں بلکہ ہماری تاریخ وتہذیب اور ثقافت کا حصہ ہیں۔ حالاں کہ علامہ اقبال کے دوسرے اور تیسرے دور کی شاعری میں زیادہ تر فلسفیانہ مضامین سے کام لیا گیا ہے تاہم انہوں نے واعظانہ ومعلمانہ انداز کے باوجود شاعری کی خوبی کو اور شعر کی رنگینی کو بے کیف اور خشک ہونے نہیں دیا۔ علامہ اقبال کی نظموں میں کئی ایسی نظمیں ہیں جو ڈرامائی اور مکالماتی

انداز میں لکھی گئی ہیں۔ یہ نظمیں ان کی ابتدائی ایام کی نظموں میں اور آخری ایام کی نظموں میں بھی شامل ہیں۔ علامہ اقبال کی مکالماتی اور نیچرل وموضوعی نظموں میں پہاڑ اور گلہری، شمع وشاعر، ایک مکڑا اور مکھی اور ایک آرزو اس کی مثالیں پیش کرتی ہیں۔ علامہ اقبال کی نیچرل شاعری اور موضوعی نظموں سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں تا کہ اردو نظم کے فروغ میں ان کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکے۔

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے　　تجھے ہو شرم تو پانی میں جا کے ڈوب مرے
ذراسی چیز ہے ، اس پر غرور، کیا کہنا　　یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور، کیا کہنا
نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں　　کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں
(ایک پہاڑ اور گلہری)

لیلی شب کھولتی ہے آ کے جب زلف رسا　　دامن دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا
وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو فدا　　وہ درختوں پر تفکر کا سماں چھایا ہوا
کانپتا پھرتا ہے کیا رنگ شفق کہسار پر　　خوشنما لگتا ہے یہ غازہ ترے رخسار پر
(ہمالہ)

ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے　　سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلادیں
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے　　دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے
(نیا شوالہ)

اے آب رود گنگا وہ دن ہیں یاد تجھ کو　　اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا　　ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا
(ترانہ ہندی)

ہندوستانی تہذیب وثقافت اور مختلف جغرافیائی خطوں کی خوبیوں کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال نے قدرتی مناظر کو بھی اپنی نظموں کا موضوع بنایا ہے۔ کچھ نظمیں بے حد موثر اور اردو نظم نگاری کے فروغ میں اہم مقام رکھتی ہیں۔ دو نظموں سے تین تین شعر مثال کے لئے پیش کئے جاتے ہیں

جگنو کی روشنی ہے کاشانہ چمن میں — یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
آیا ہے آسماں سے اڑ کر کوئی ستارہ — یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں
یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا — غربت میں آکے چمکا گمنام تھا وطن میں

(جگنو)

پانی کو چھورہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی — جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو
مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو — سرخی لئے سنہری ہر پھول کی قبا ہو
راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم — امید ان کی میر اٹوٹا ہوا دیا ہو

(ایک آرزو)

3.9.5 تلوک چند محروم

عزیز طلبا! اردو شاعری میں جدید نظم کے فروغ میں مذکورہ شعرا کے ساتھ ساتھ ایک ایسا شاعر بھی شامل ہے جس نے طالب علمی کے زمانے سے ہی شعر کہنا شروع کیا اور جس میں زندگی کی مختلف ناہمواریوں کے باوجود شاعری کی تقریباً تمام اصناف میں اچھے اشعار کہنے کا ہنر تھا۔ میری مراد تلوک چند محروم سے ہے جنہوں نے گھریلو مسائل، حکومتی پابندیوں اور ملازمت کی ناہمواریوں اور مشکلات کے باوجود جدید اردو نظم کو بہت ہی لازوال نظمیں عطا کیں۔ محروم کی پیدائش دسمبر 1885 میں دریائے سندھ کے کنارے ایک چھوٹے سے گاؤں عیسی خلیل ضلع میاں والی میں ہوئی۔ محروم کی مادری زبان اردو نہیں

تھی۔انہوں نے مولانا محمد حسین آزاد کی تالیف کردہ درسی کتابوں سے فیض حاصل کیااور آسان قصے کہانیوں کومنظوم کرنے لگے۔اسکول کے زمانے میں ہی چندایسی نظمیں کہیں جو اس وقت کے اہم ادبی رسالوں میں شائع ہوئے۔تلوک چندمحروم محمداقبال اورسرور جہاں آبادی کی نظموں سے کافی متاثر تھے۔ میٹرک تک پہنچتے پہنچتے محروم کی بعض نظمیں اس قدرمعروف ہوئیں کہ عصری رسائل و جرائد بالخصوص 'زمانہ' کانپوراور 'مخزن' لاہور میں شائع ہونے لگیں۔1908 سے 1916 تک کی ابتدائی نظموں نے ہی دلی اورلکھنؤ کے بڑے اوراساتذہ شعرا سے دادتحسین حاصل کیا۔تلوک چندمحروم کی شاعرانہ انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے کبھی کسی استاد سے شاعری میں اصلاح نہیں لی اوراپنی طبیعت اورذہن رسا کوہی رہبر مان لیا۔محروم کی اخلاقی اورنیچرل نظموں کا پہلا مجموعہ 1916 میں شائع ہوا۔گنج معانی، نیرنگ معانی، رباعیات محروم،شعلہ نوا، کاروان وطن اور بہار طفلی ان کے ایسے مجموعہ کلام ہیں جن سے ان کی شاعرانہ عظمت اورانفرادیت کی عکاسی ہوتی ہے۔محروم کومناظر فطرت اورنیچرل ماحول بہت ہی پسند تھا۔مشاعروں میں ان کی شرکت مشاعروں کی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔تلوک چندمحروم آل انڈیا ریڈیو پشاوراوردہلی سے منسلک رہے۔ریڈیائی مشاعروں میں خصوصی طور پرتلوک چندمحروم کومدعوکیا جاتا تھا۔مولاناشبلی نعمانی اورالطاف حسین حالی نےتلوک چندمحروم کی نظموں میں منظرنگاری اورمحاکات نگاری کی تعریف کی ہے۔محروم نے بہت اچھی اور لازوال نظمیں لکھیں جن میں قدرتی مناظر، پندونصح،علم و فلسفہ وغیرہ کی بہترین عکاسی کی گئی ہے۔محروم کی ایک نظم نسیم بہار سے چنداشعاراس کی تصدیق کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔

تاروں کی چھاؤں میں جوتو آئی ہے باغ میں ٹھنڈک سی ڈال دیتی ہے لالہ کی داغ میں
خوباں ذہن باغ کی بزم فراغ میں بھرتی مے نشاط ہے گل کے ایاغ میں
جھونکے تیرے ہیں ساقی سرشار اے نسیم شانہ جھوم جاتے ہیں اشجار اے نسیم

محروم نے مختلف قدرتی مناظر پر مبنی موضوعاتی نظمیں لکھی ہیں۔ ان کی نظموں میں صوفیانہ مضامین، فلسفیانہ خیالات ونظریات، انسانی ہمدردی کا جذبہ اور فلسفہ حیات سے متعلق مختلف نظمیں ملتی ہیں۔عزیز طلبا! آپ نے اس اکائی میں محروم کی ایک معروف ومشہور قدرے طویل نظم 'علم' کا مطالعہ کیا ہے جس میں علم کی اہمیت وافادیت، تاریخی و مذہبی حیثیت کے علاوہ عصر جدید میں اس کے کارناموں کو بہت ہی عمدہ ڈھنگ سے تشبیہات واستعارات اور تلمیحات کے پیرایے میں بیان کیا ہے۔ دو بند مثال کے لئے پیش کئے جاتے ہیں

بزم جہاں میں ساغر آب بقاہوں میں آزارِ مرگ کیا ہے کہ خاک شفا ہوں میں
میرے ہی دم سے ہے گلِ ہستی میں رنگ و بو ابرِ بہار ہوں میں ، نسیمِ صبا ہوں میں
رونق طلسم خانہ امکاں کی مجھ سے ہے ہوں وہ طلسم ہوش کہ حیرت فزا ہوں میں
وہ میری کہنگی ہے، فدا جس پہ تازگی دورِ قدیم سے ہوں ، مگر نت نیا ہوں میں
سب شوخیاں ہیں عالمِ ایجاد میں میری میرے ہیں سب کرشمے، جدھر دیکھتا ہوں میں

تلوک چند محروم نے ادب اطفال میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔انہیں بچوں کے شاعر اور ادیب کے طور پر بھی یاد کیا جاتا ہے۔انہوں نے بچوں کے لئے لازوال نظمیں لکھی ہیں جو تقریباً ہر دور کی نصابی کتابوں میں شامل رہی ہیں۔

3.9.6 جوش ملیح آبادی

عزیز طلبا! جدید اردو نظم نگاری کے فروغ کے ضمن میں جوش ملیح آبادی کا نام بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ جوش ملیح آبادی کا پورا نام شبیر حسن خان تھا اور جوش ان کا تخلص۔ جوش ملیح آبادی کو شاعر انقلاب کے نام سے بھی جانا جاتا ہے جبکہ ان کی رومانی شاعری اور فطری شاعری بھی بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ جوش نے متعدد ایسی نظمیں لکھی ہیں جو اردو شاعری کی تاریخ میں بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ جوش کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی پھر بالترتیب انہوں نے سیتا پور، لکھنؤ، علی گڑھ اور آگرہ وغیرہ میں تعلیم حاصل کی۔ جوش کا تعلق معروف و مشہور شاعر اور ادب کے نوبل انعام یافتہ شخصیت رابندر ناتھ ٹیگور سے بھی رہا۔ جوش نے فلموں کی دنیا میں بھی کچھ دنوں کے لئے کام کیا۔ دہلی سے کلیم نام کا ادبی رسالہ جاری کیا۔ ادبی جریدے 'آجکل' کی ادارت کی اور آل انڈیا ریڈیو کے ایڈوائزر بھی رہے۔ جوش کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ یہ رہا کہ 1955 میں وہ ترک وطن کر کے پاکستان ہجرت کر گئے اور پوری زندگی وطن عزیز کی یاد میں تڑپتے رہے۔ پاکستان میں کسی بھی قدر سکون میسر نہیں ہوا۔ جوش ملیح آبادی نے اپنی معروف و مشہور خودنوشت سوانح 'یادوں کی بارات' میں اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ جوش ملیح آبادی نے اپنی شاعری کی ابتدا غزل سے کی لیکن بہت جلد ان کی طبیعت نظم نگاری کی طرف مبذول ہوگئی۔ جوش نے غزلیں، نظم، مرثیہ، سلام، گیت، رباعیاں اور قطعات بھی لکھے لیکن نظم میں ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف سبھی نے کیا ہے۔ جوش کی نظموں میں حسن و محبت کے موضوعات پر جو نظمیں شامل ہیں وہ انہیں ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔ جوش بیک وقت شاعر انقلاب اور شاعر شباب کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ انہوں نے حسن و عشق کی واردات قلبی کے اظہار کے ساتھ ساتھ سماجی فلاح و بہبود کے حق میں اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف کئی نظمیں لکھی ہیں۔ ان کی نظمیں منظر نگاری کی خوبیوں کے لئے بھی مشہور ہیں۔

جوش کی نظموں میں حب الوطنی اور انگریزی حکومت کے جبر واستبداد کے خلاف بہت ہی بلند آہنگ ملتی ہے۔ان کے انقلابی نظموں میں کسان، ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں کے نام اہم ہیں جبکہ گرمی، دیہاتی بازار، رات اور ریل، پیغمبر فطرت، گلبدنی اور فتنہ خانقاہ ایسی نظمیں ہیں جو جوش کی شاعرانہ انفرادیت کا ثبوت پیش کرتی ہیں۔ان کے شعری مجموعوں میں روح ادب، نقش ونگار، شعلہ وشبنم، فکر ونشاط، حیات و نغمات، عرش وفرش، سنبل وسلاسل، سیف وسبو، موجد ومفکر، الہام وافکار اور سرود وسروش خاص اہمیت کی حال ہیں جبکہ نثری سرمایے میں ان کی خودنوشت سوانح یادوں کی بارات سوانح نگاری اور نثری ادب کا بے بہا سرمایہ ہے۔ جوش نے اگست 1947 میں ایک نظم ترانہ آزادی وطن لکھی جس میں پہلی آواز، دوسری آواز اور تیسری آواز کی شکل اپنے احساسات و جذبات کو پیش کیا۔نظم پہلی آواز میں مسرت و شادمانی اور نغمہ سرشاری ہے جبکہ دوسری آواز وطن عزیز کے عام عوام اور دبے کچلے لوگوں کے دلوں کی آوازیں ہیں۔ تیسری آواز میں جوش نے بحث وتمحیص کے سلسلے سے آگے نکلتے ہوئے ہندوستان میں ایک متوازن معاشرہ اور مضبوط تہذیبی فضا قائم کرنے کی بات کہی ہے۔دو بند مثال کے لئے پیش کی جاتی ہے۔

یہ مفلسوں کی گم رہی، یہ منعموں کی رہزنی　　　فراز کے یہ قہقہے، نشیب کی یہ جاں کنی
یہ بے دلی، یہ بے رخی، یہ برہمی، یہ بدظنی　　　امید کی وہ شعلگی، کشیدگی وہ دشمنی
غبار حرب وضرب ہے خروش کی وہ دار ہے　　　خزاں کہیں گے پھر کسے اگر یہی بہار ہے

اس ناامیدی کے بعد اسی نظم کی تیسری آواز امید کی کرن دکھائی دیتی ہے۔ایک بند مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے۔

بھٹک کے جو بچھڑ گئے ہیں راستے پر لائیں گے　　　لپک کے ایک دوسرے کو پھر گلے لگائیں گے

بہم دیگر حریف تھے یہ بات بھول جائیں گے   ہنسیں گے، مسکرائیں گے، کھیلیں گے، گنگنائیں گے

یہ آرزوئے دہر ہے یہ حکم روزگار ہے   بہار پھر بہار ہے، بہار پھر بہار ہے

جوش نے اسلامی تاریخ، تہذیب وثقافت کے علاوہ عقائد کی تفریق کو بھی اپنی نظم کا موضوع بنایا۔انہیں عقائد کی تفریق بالکل پسند نہیں تھی۔ چنانچہ شعلہ وشبنم میں سلسلہ، اسلامیات، آوازحق اور متولیان وقف، حسین آباد سے خطاب اور فتنہ خانقاہ جیسی نظمیں ان کے اس فکر ونظریات کی عکاسی کرتی ہیں۔

زاہد حدوودِ عشق خدا سے نکل گئے   انسان کا جمال جو دیکھا پھسل گئے

ٹھنڈے تھے لاکھ حسن کی گرمی سے جل گئے   کرنیں پڑیں تو برف کے تودے پگھل گئے

القصہ دین، کفر کا دیوانہ ہوگیا

کعبہ ذرا سی دیر میں بت خانہ ہوگیا

3.9.7 فیض

اردوشاعری کی تاریخ میں جس شاعر نے سماجی مسائل کوانقلابی آہنگ اور جمالیاتی احساس کواپنی شاعری کا موضوع بنایااس کا نام فیض احمد فیض ہے۔فیض نے بڑے خوش اسلوبی سے عشقیہ واردات کو معاشرتی مسائل اور معاشرتی مسئلے کوعشقیہ آہنگ عطا کردیا۔فیض نے غزل اورنظم دونوں میں اپنی انفرادی حیثیت منوائی۔اس لئے بعض تجزیہ نگاروں نے فیض کی شاعری کواردوشاعری کاایک نیامکتبِ فکر New School of Thought کہا ہے۔اس قول کی تصدیق ان کے آٹھوں مجموعہ کلام سے کی جاسکتی ہے۔جدید شاعری کی اس معتبر آواز کے شاعرفیض احمد فیض کی پیدائش سیالکوٹ میں 1911 میں ہوئی۔ان کا اصل نام فیض احمد خان تھااور والد کا نام سلطان محمد خان تھا۔ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں

حاصل کی۔ 1927 میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ 1931 میں بی اے اور 1933 میں ایم اے انگریزی کی ڈگریاں حاصل کی۔ فیض نے جن اساتذہ سے علم وادب کا گر سیکھا ان میں شمس العلما سید میر حسن، پروفیسر یوسف سلیم چشتی، احمد شاہ پطرس بخاری، صوفی غلام مصطفیٰ تبسیم، مولوی محمد شفیع، ڈاکٹر تاثیر، مولانا عبدلماجد سالک، مولانا چراغ حسن حسرت اور ہری چند اختر کے نام بطور خاص شامل ہیں۔ 1936 میں وہ ترقی پسند مصنفین کے پنجاب شاخ کے بانی وسکریٹری بنائے گئے۔ ادب جدید کی ادارت کی۔ امروز کے ایڈیٹر رہے۔ پاکستان یونین فیڈریشن کے نائب صدر رہے اور عالمی امن کونسل کے رکن کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ 1951 سے 1955 تک انہیں راول پنڈی سازش کیس میں گرفتار کر کے جیل میں رکھا گیا پھر 1957 میں دوبارہ قید کیا گیا۔ فیض احمد فیض پاکستان آرٹ کونسل کے سکریٹری اور نائب صدر کے ساتھ ساتھ وزارت تعلیم میں امور ثقافت کے مشیر کی حیثیت سے بھی اپنی خدمات انجام دیئے۔ فیض کو ان کی ادبی وسماجی خدمات کے لئے کئی اعزازات وانعامات سے نوازا گیا جس میں لینن ایوارڈ اور ایفروایشیائی لوٹس انعام بھی شامل ہے۔ فیض نے متعدد بین الاقوامی یونیورسٹیوں میں خطبات بھی پیش کئے۔

عزیز طلبا! فیض کی تقریباً سبھی نظمیں ان کی کلیات نسخہ ہائے وفا میں شامل ہیں جو وقتاً فوقتاً شعری مجموعے کے طور پر شائع ہوتے رہے۔ ان کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ 'میزان' 1962 میں شائع ہوا۔ خطوط کا مجموعہ 'صلیبیں میرے دریچے میں' 1971 میں، ہماری قومی وراثت 1976 میں اور مہ وسال آشنائی 1980 میں شائع ہوئے۔ 19 نومبر 1984 کو فیض پر دمے کا شدید دورا پڑا اور 20 نومبر کو نظم کا ترقی پسند شاعر اور انسانیت کا ہمدرد ادیب ہمیشہ کے لئے اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

فیض نے اپنے کلام میں زندگی کی رمز شناسی، انسانی تجربات ومشاہدات کی معنویت، عصری

حسیت کے ادراک کو بہت ہی اچھوتے ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ ان کی نظموں میں اکثر وبیشتر جبر واستبداد اور عدم مساوات کے خلاف آواز بلند کی گئی ہے۔فیض ہر حال میں ظلم واستبداد کے خلاف آواز بلند کرنے کا اور جابر وظالم حاکموں سے حکم کی عدم تکمیل پر سوال کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں خواہ اس کے لئے انہیں کتنی مصیبت جھیلنی پڑے۔بقول فیض

متاع لوح وقلم چھن گئی تو کیا غم ہے　　　　کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے

فیض کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی شاعری میں انسانی جذبات، سماجی سروکار اور انسانیت کے کرب و الم کو سمیٹ لینا چاہتے ہیں۔

عاجزی سیکھی، غریبوں کی حمایت سیکھی　　　　یاس وحرماں کے دکھ درد کے معنی سیکھے

زیردستوں کے مصائب کو سمجھنا سیکھا　　　　سرد آہوں کے رخِ زرد کے معنی سیکھے

فیض کا عہد قومی وعالمی سطح پر بہت ہی اتھل پتھل کا عہد تھا۔عالمی سطح پر سماجی اقدار اور تہذیب و ثقافت میں تیزی سے تبدیلی ہورہی تھی۔دنیا نے دو جنگ عظیم کے نتائج دیکھ لئے تھے اور سماجی ونظریاتی طور پر دنیا دو بلاکوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔فیض کی شاعری بالخصوص نظم نگاری ان سبھی حالات وحوادث کا احاطہ کرتی ہیں۔فیض کے ذہن ودل پر وطن عزیز کی تقسیم کا بھی اور اس کے بعد کے ہولناک صورت کا بھی گہرا اثر پڑا۔ چنانچہ ان کی نظموں میں ان سب حالات و واقعات کی عکاسی ہوتی ہے۔ان کی ایک معروف نظم کے ایک حصے سے اس کی مثال دی جارہی ہے۔'مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ' دوسرا حصہ

جسم نکلے ہوئے امراض کے تنوروں سے پیپ بہتی ہوئی گلتے ہوئے ناسوروں سے
لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجئے اب بھی دلکش ہے ترا حسن مگر کیا کیجئے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ

3.9.8 اختر الایمان

عزیز طلبا! جن شعرا نے اپنی فکری وشعری رویے سے اردو شاعری بالخصوص اردو نظم نگاری میں اپنی راہیں خود متعین کیں ان میں ایک معروف نام اختر الایمان کا ہے۔ اختر الایمان جدید اردو نظم نگاری میں اپنا منفرد پہچان اور لب ولہجہ کی وجہ سے اپنی ایک الگ شناخت رکھتے ہیں۔ اختر الایمان کی پیدائش موضع راؤکھیڑی ضلع بجنور میں 12 نومبر 1915 کو ہوا۔ اختر الایمان کا اصل نام حافظ فتح محمد ہے۔ ان کی ابتدائی تعلیم یتیم خانوں اور مدرسوں میں ہوئی۔ بچپن نہایت تنگی میں گزرا۔ دہلی میں مدرسہ موئید الاسلام اور پھر فتح پوری مسلم ہائی اسکول سے ثانوی تعلیم حاصل کی اور اینگلو عربک کالج میں داخل ہوئے۔ اختر الایمان نے کچھ رسالوں کے لئے افسانے لکھے۔ ساغر نظامی کی ایما پر میرٹھ سے 'ایشیا' کی ادارت کی۔ میرٹھ یونیورسٹی میں ایم اے فارسی میں داخلہ لیا لیکن تکمیل نہ کر سکے۔ دہلی ریڈیو اسٹیشن میں ملازمت کی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایم اے اردو کے پہلے سال میں امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کی لیکن اسے بھی نامکمل چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ بعد ازاں شالیمار اسٹوڈیو سے منسلک ہوئے اور متعدد فلموں کے لئے مکالمے اور کہانیاں لکھیں۔ اختر الایمان نے اپنے ہم عصروں جوش ملیح آبادی، مخدوم محی الدین، علی سردار جعفری، ساحر لدھیانوی، کیفی اعظمی، فیض احمد فیض، مجاز، احمد ندیم قاسمی، جاں نثار اختر، ن م راشد، میراجی اور جذبی جیسے ادبا وشعرا میں کافی مقبول رہے۔ اختر الایمان کی شاعری میں ان کی ماضی

کی یادوں کا بڑا عمل دخل ہے۔ ان کی متعدد نظمیں ان ہی ماضی کی یادوں کا عکس معلوم ہوتی ہیں۔ اختر الایمان کی شعری مجموعے 'یادیں' کی نظمیں اس دعوے کی دلیل پیش کرتی ہیں۔ اختر الایمان کی معروف مشہور نظم جس کا مطالعہ آپ نے کیا ہے ایک لڑکا بھی اسی ماضی کی بازیافت کے لئے لکھی گئی ہے۔ اس نظم میں اختر الایمان کی ماضی، حال اور مستقبل کی عکاسی ہوتی ہے۔ اختر الایمان نے 1942 سے 1947 تک ترقی پسند تحریک کے عروج کے دنوں میں فعال کردار ادا کیا۔ 1949 میں اشتراکیت پسندوں کے جلسے کے اہتمام کے جرم میں اختر الایمان ممبئی کے آرتھر جیل میں قید رہے۔ اختر الایمان ادبی اور فلمی مصروفیات کی غرض سے متعدد شہروں اور ملکوں کا دورہ کیا۔ انہوں نے تقریباً پچاس سالہ قیام ممبئی کے دوران لگ بھگ سو فلموں کی کہانیاں اور مکالمے لکھے۔ جن فلموں نے اختر الایمان کو شہرت دوام بخشی ان میں نغمہ، رفتار، زندگی اور طوفان، مغل اعظم، قانون، وقت، باغ، شبنم، ضمیر، آدمی اور انسان اور اپرادھ قابل ذکر ہیں۔ اختر الایمان کے نثری فن پاروں میں ان کی خودنوشت 'اس آباد خرابے میں' بہت ہی مشہور ہے۔ اختر الایمان کے شعری مجموعے گرداب، سب رنگ، تاریک سیارہ، آب جو، یادیں، بنت لمحات، نیا آہنگ، سروسامان اور زمستان سرد مہری بطور خاص شامل ہیں۔ اختر الایمان کو متعدد قومی و بین الاقوامی انعامات و اعزازات سے نوازا گیا۔ 1960 میں ان کے شعری مجموعے 'یادیں' کے لئے ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ انہیں سروسامان، نیا آہنگ، بنت لمحات وغیرہ کے لئے اترپودیش، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش، دہلی کے اردو اکیڈمی اور غالب انسٹی ٹیوٹ نے انعام سے نوازا۔ جنوری 1986 میں دل میں درد کی شکایت ہوئی۔ ممبئی کے مختلف اسپتالوں میں زیر علاج رہے پھر بوسٹن لے جایا گیا جہاں ان کی بائی پاس سرجری ہوئی۔ ادبی اور فلمی مصروفیات کو کم کرنے کے باوجود بھی صحت بگڑتی گئی اور 9 مارچ 1996 کو اختر الایمان نے فانی دنیا کو الوداع کہا۔

اختر الایمان کی نجی زندگی بہت ہی نشیب وفراز سے پر رہی اور اسی نشیب وفراز نے ان کے احساس وشعور کو پختہ کیا۔ شاعری میں انہوں نے اپنی ایک انفرادی پہچان بنائی جس کی وجہ سے اختر الایمان کو اردو شاعری کی تیسری آواز کہا جاتا ہے۔ اختر الایمان کی شخصیت شعور اور شاعری کے متعلق ان کی شریک حیات سلطانہ ایمان نے کلیات اختر الایمان کے پیش لفظ میں لکھا ہے:

''یہ واقعہ جب وجود میں آیا میں انہیں نہیں جانتی تھی البتہ میں جب ان سے ملی اور شادی ہوئی تو وہ باشعور انسان تھے۔ شعور کی شدت انہیں مسلسل بے چین رکھتی تھی اور اسی بے چینی کے عالم میں وہ نظم لکھتے تھے۔ نظم کہہ چکنے کے بعد بے چینی قدرے خوشی میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ مگر بہت قلیل عرصے کے لئے یعنی جب تک دوسری نظم نہ ہو اور یہ مسلسل یوں ہی جاری رہا۔ میرے خیال میں شعور اور شدت احساس ہی اختر الایمان کی شاعری ہے''۔

اختر الایمان کی متعدد نظموں میں انسانی ناآسودگی، تنگ دستی و بے چارگی اور بے بسی اور بے کسی کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔ دوسرے شعرا کی طرح انہیں بھی آزادی کے بعد عام آدمی کے حالات سدھرنے کی امید تھی لیکن وہ امید بر نہیں آئی اور ان کے مطابق عام آدمی حقیقی آزادی سے کوسوں دور رہا۔ اختر الایمان کی شخصیت اور شاعری کے ثبوت میں ان کی نظم کے ایک دو بند پیش کئے جاے ہیں۔

یک بیک شور ہوا ملک نیا ملک بنا
اور ایک آن میں محفل ہوئی درہم برہم
آنکھ جو کھولی تو دیکھا کہ زمیں لال ہے سب
تقویت ذہن نے دی ٹھہرو، نہیں ، خون نہیں
پان کی پیک ہے جو اماں نے تھوکی ہوگی

(کل کی بات، بنت لمحات)

مری تنہائیاں مانوس ہیں تاریک راتوں میں
میرے رخنوں میں ہے الجھا ہوا اوقات کا دامن
میرے سایے میں حال و ماضی رک کر سانس لیتے ہیں
زمانہ جب گزرتا ہے بدل لیتا ہے پیراہن
خراب وشور آلودہ زمیں خاموش رہتی ہے
یہاں جھنگر نہ جانے کس زباں میں بات کرتے ہیں
یہاں چو ہے متاع زندگی سے سرخرو ہو کر
مہذب بستیوں میں اکثر جا کر لوٹ آتے ہیں

(پرانی فصیل)

3.9.9 ن م راشد

عزیز طلبا! آپ جانتے ہیں کہ جدید نظم نگاری کا آغاز مولانا محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی اور اسماعیل میرٹھی وغیرہ سے ہوئی۔ حالاں کہ اردو میں موضوعی نظمیں قلی قطب شاہ اور نظیرا کبرآبادی کی شاعری میں بھی ملتی ہیں۔ جدید نظم نگاری کو ان شعرا نے خاص طور سے تقویت بخشی ان میں اقبال، فیض، جوش، اختر الایمان، حفیظ جالندھری، اختر شیرانی وغیرہ کے نام خصوصیت سے لیا جاسکتا ہے۔ ان ہی جدید نظم گوشعرا میں ن م راشد کا شمار بھی ہوتا ہے۔ ن م راشد کی پیدائش ضلع گجراں والا کے قصبے اکال گڑھ میں اگست 1910 کو ہوئی۔ راشد کے والد کا نام راجا فضل الٰہی چشتی تھا۔ راشد کا اصل نام نذر محمد حضر محمد تھا جو آگے چل کر ن م راشد کے نام سے مشہور ہوا۔ ن م راشد کی ابتدائی تعلیم اپنے ہی قصبے میں ہوئی۔ 1926 میں گورنمنٹ ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا اور گورنمنٹ کالج لائل پور سے ایف اے اور گورنمنٹ کالج لاہور سے ن م راشد نے بی اے پاس کیا۔ انہوں نے ایم اے اقتصادیات کا امتحان 1932 میں پاس کیا۔ اسکول کے زمانے سے ہی راشد نے ادبی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا تھا۔ اس زمانے میں انہوں نے چند حمد و نعت اور غزلیں لکھیں جو 'تفریح' بجنور اور 'کائنات' پانی پت میں

شائع ہوئے۔ راشد کالج کی ڈگریوں کے ساتھ ساتھ فرانسیسی زبان سیکھی۔ انہیں فیض احمد فیض اور آغا عبدالحمید جیسے دوست اور احمد شاہ پطرس بخاری جیسے اچھے استاد ملے۔ 1932 سے 1936 تک راشد نے ملتان کے ایک نیم ادبی رسالے نخلستان کی ادارت کی۔ 1934 میں ن م راشد نے مولانا تاجور نجیب آبادی کی ایما پر ان کے رسالے شاہکار کی ادارت کی۔ ملتان میں کمشنر کے دفتر میں کلرک رہے اور پھر ان کا تقرر آل انڈیا ریڈیو میں نیوز ایڈیٹر کی جگہ ہوا۔ 1943 میں آل انڈیا ریڈیو کو چھوڑ کر فوج میں عارضی کمیشن حاصل کیا اور بیرون ملک چلے گئے۔ بیرونی ملکوں میں عراق، ایران اور مصر میں کچھ دن گزارنے کے بعد 1947 میں فوجی ملازمت ترک کر کے دوبارہ آل انڈیا ریڈیو سے منسلک ہوئے۔ 1949 میں ریڈیو پاکستان کراچی کے ڈائرکٹر پبلک ریلیشنز اور پشاور ریڈیو اسٹیشن کے ریجنل ڈائرکٹر رہے۔ 1952 میں وہ اقوام متحدہ سے منسلک ہوئے اور نیو یارک، جکارتا اور کراچی میں اپنی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد انہیں تہران میں اقوام متحدہ کے مرکز اطلاعات کا ڈائرکٹر مقرر کیا گیا۔ 1974 میں ن م راشد ایران سے اپنے عہدے سے سبک دوش ہوئے اور لندن میں مستقل طور پر قیام کیا۔ 19 اکتوبر 1975 کو یہیں ان کا انتقال ہوا۔

عزیز طلبا! آپ جان چکے ہیں کہ ن م راشد اسکول اور کالج کے زمانے سے ہی ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ آگے چل کر ان سرگرمیوں کو مزید آگے بڑھایا۔ بیرون ممالک کے قیام کے دوران عالمی سطح کے شعرا و ادبا کی تخلیقات اور شخصیات کے مطالعے نے ان کی ادبی صلاحیتوں کو مزید جلا بخشی۔ ہندوستان کی جدوجہد آزادی، ملک کی تقسیم، پہلی اور دوسری جنگ عظیم، اقتصادی بحران اور سیاسی خلفشار نے راشد کی طبیعت اور نظریہ حیات کو کئی سطحوں پر متاثر کیا جن کا اثر راشد کی نظموں پر برملا دیکھا جا سکتا ہے۔ 1941 میں راشد کی نظموں کا پہلا مجموعہ 'ماورا' کے نام سے شائع ہوا۔ راشد کی

نظموں کا دوسرا مجموعہ 'ایران میں اجنبی' کے نام سے 1955 میں شائع ہوا۔ ان کا تیسرا مجموعہ 'لا=انسان' کے نام سے 1969 میں شائع ہوا اور ان کا چوتھا اور آخری مجموعہ کلام 'گمان کا ممکن' ان کی وفات کے بعد 1976 میں شائع ہوا، ان مجموعوں کے علاوہ راشد نے فارسی شعرا کے حالات زندگی اور ان کی نظموں کے تراجم کو جدید فارسی کے نام سے ترتیب دیا جسے مجلس ترقی لاہور نے شائع کیا ہے۔ ن م راشد اپنا پانچواں مجموعہ کلام 'شہر وجود اور مزار' کے نام سے ترتیب دے رہے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ جدید فارسی الفاظ و تراکیب کی ایک گلوسری بھی اردو میں مرتب کرنا چاہتے تھے لیکن یہ دونوں کام ادھورے رہ گئے۔ اردو نظم میں راشد نے اپنا ایک منفرد راستہ اختیار کیا ہے جس میں اردو شاعری کی روایات سے حسب ضرورت انحراف کیا لیکن یہ انحراف نہ تو فکر وفن کے اعتبار سے اور نہ موزوں اسلوب کے اعتبار سے اتنا زیادہ ہے کہ بغاوت کہا جاسکے۔ راشد کی شاعری دراصل جدید اردو شاعری کی بتدریج فکری وفنی ارتقا کی منفرد منزل ہے۔ مثال کے لئے ان کی نظم دریچے کے قریب، شباب گریزاں، سبا ویراں، اندھا کباڑی، حسن کوزہ گر وغیرہ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

3.9.10 خلاصہ

عزیز طلبا! آپ نے اس سبق میں یونٹ نمبر ایک اور دو میں جن نظم نگار شعرا کا مطالعہ کیا ہے اور ان کی بعض نظموں کا تجزیہ وتشریح کیا ہے ان ہی شعرا کی خدمات کا جائزہ لیا گیا۔ آپ جانتے ہیں کہ جدید نظم نگاری کا آغاز 1857 کی پہلی جنگ آزادی کے بعد اصلاح پسند شعرا کے ذریعہ ہو گیا تھا۔ ان اصلاح پسند شعرا میں مولانا محمد حسین آزاد، مولانا الطاف حسین حالی، مولوی اسماعیل میرٹھی وغیرہ پیش پیش تھے۔ تاہم بعد کے متعدد شعرا نے ان کے نظریات اور اصلاح پسند شاعری کو آگے بڑھایا۔ ان میں سے جن نظم کے شعرا کا آپ نے مطالعہ کیا ہے ان میں الطاف حسین حالی کے علاوہ محمد اقبال، تلوک چند محروم، جوش ملیح

آبادی، فیض احمد فیض، اختر الایمان اور ن م راشد شامل ہیں۔

عزیز طلبا! آپ نے مولانا الطاف حسین حالی جن کی پیدائش پانی پت کے ایک معزز گھرانے میں ہوئی تھی ان کی نظم نگاری کی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے خاص طور سے مدو جزر اسلام (مسدس حالی) مناجات بیوہ، برکھارت، مناظر رحم و انصاف، نشاط امید اور حب وطن جیسی نظمیں لکھ کر اردو میں نیچرل شاعری کی بنیادیں مضبوط کی۔ حالی کے بعد محمد اقبال نے اسی راہ پر چلتے ہوئے بہت سی ایسی نظمیں لکھیں جو نیچرل شاعری اور جدید شاعری کی بنیادوں کو مضبوط کرتی ہیں۔ علامہ اقبال کی ابتدائی نظموں میں ہمالہ، نیا شوالہ، ترانہ ہندی، تصویر درد، پرندے کی فریاد، ہمدردی اور ہندوستانی بچوں کا قومی گیت خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ تقریباً اسی زمانے میں تلوک چند محروم جن کی پیدائش 1885 میں ہوئی تھی اخلاقی اور نیچرل شاعری کی بنیادوں کو مضبوط کیا اور جدید نظم نگاری میں اپنی الگ راہ بنائی۔ ان کی نظموں کے مجموعوں میں گنج معانی، نیرنگ معانی، شعلہ نوا، کاروان وطن اور بہار طفلی انفرادیت کی حامل ہیں۔ جوش ملیح آبادی جن کی ایک اہم نظم فتنہ خانقاہ کا مطالعہ آپ نے کیا ہے جدید نظم نگاری کی راہ میں ایک الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی نظمیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں کے نام دیہاتی بازار، رات او ریل، پیغمبر فطرت، گلبدنی اور فتنہ خانقاہ جیسی نظمیں جدید نظم نگاری میں اہم حیثیت رکھتی ہیں۔ فیض احمد فیض جو بیک وقت اردو غزل اور نظم میں یکساں انفرادیت کے حامل شاعر ہیں ان کے آٹھ مجموعہ کلام شائع ہوئے۔ انہوں نے غم دوراں اور غم جاناں کو اپنی نظموں میں ایک ساتھ پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ مذکورہ شعرا کے علاوہ اختر الایمان جدید اردو نظم نگاری میں اپنی منفرد پہچان اور لب ولہجہ رکھتے ہیں۔ ان کی ابتدائی زندگی مصائب سے بھرپور رہی جس کا ان کی شاعری پر بہت ہی گہرا اثر دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کی بعض نظموں میں ماضی کی یادوں کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ ان کی ایک معروف ومشہور نظم

ایک لڑکا کا مطالعہ آپ نے کیا ہے۔انہوں نے تقریباً سو فلموں کی کہانیاں اور مکالمے لکھے۔اس سبق میں آپ نے ان جدید نظم گو شعرا اور اصلاح پسند شعرا کے ساتھ ساتھ ایک معروف ترقی پسند شاعر ن م راشد کی نظم نگاری کی خدمات کا جائزہ بھی لیا ہے۔ن م راشد کا اصل نام نذر محمد حضر محمد ہے۔راشد ملازمت کے سلسلے میں بہت سے ممالک کا دورہ کیا اور بعض ملکوں میں انجمن اقوام متحدہ کے ذریعہ مختلف طرح کی خدمات انجام دیئے۔راشد کی نظموں پر یورپی زبان وادب اور فارسی زبان وادب کا خاص اثر دیکھا جا سکتا ہے۔ان کا پہلا مجموعہ 1941 میں 'ماورا' کے نام سے شائع ہوا۔ایران میں اجنبی، لا=انسان اور گمان کا ممکن ان کے دیگر مجموعہ کلام ہیں۔

3.9.11 فرہنگ

لیلی شب	سیاہ رنگ، کالی رات
شفق	سرخی
ہستی	وجود، قیام، موجودگی
حرب وضرب	لڑائی، جنگ
متاع	پونجی، اثاثہ
زیردست	کمزور، عاجز، ماتحت
خلفشار	گڑبڑ۔کھل بلی
زلف رسا	لمبی زلف
سفیر	ایلچی، قاصد
طلسم	جادو، سحر

فراز	بلندی، اونچائی
حریف	دشمن، بدخواہ
لوح وقلم	خدا کے احکام کی تختی اور اس کے لکھنے کا قلم
پیراہن	لباس، پوشاک
انحراف	انکار، پھر جانا، برخلاف

3.9.12 نمونہ امتحانی سوالات

1 جدید نظم کے فروغ میں مولانا الطاف حسین حالی کی خدمات کا جائزہ لیجیے

2 فیض احمد فیض اور اختر الایمان پر ایک مختصر نوٹ لکھئے

3 تلوک چند محروم کی نظموں کی خوبیاں بیان کیجیے

4 جوش ملیح آبادی سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجیے

3.9.13 مزید مطالعہ کے لئے

1 کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک

2 ن م راشد، کلیات راشد

3 جوش ملیح آبادی، یادوں کی بارات

4 فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا

نظم 'علم' کا تنقیدی مطالعہ

اکائی کی ساخت

3.10.1 تمہید
3.10.2 تعارف
3.10.3 تلوک چند محروم کا سوانحی خاکا
3.10.4 تلوک چند محروم کی تخلیقات
3.10.5 محروم بحیثیت بچوں کے ادیب
3.10.6 نظم 'علم' کا تنقیدی جائزہ
3.10.7 خلاصہ
3.10.8 نمونہ امتحانی سوالات
3.10.9 فرہنگ
3.10.10 مزید مطالعہ کے لئے

3.10.1 تمہید

عزیز طلبا! اس سے قبل آپ نے تلوک چند محروم اوران کی شاعرانہ خصوصیات نیز ان کے حالات زندگی کے کچھ پہلوؤں کا مطالعہ کیا ہے اوران کی ایک معروف نظم 'علم' کا تجزیہ، تشریح اور خصوصیات کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ اس سبق میں تلوک چند محروم کی شاعرانہ انفرادیت کے ساتھ ساتھ ان کی اسی نظم علم پر تنقیدی نظر ڈالیں گے۔

3.10.2 تعارف

عزیز طلبا! آپ پڑھ چکے ہیں کہ تلوک چند محروم کی شاعری ہندوستان کی تحریک آزادی کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی رہی۔ چنانچہ ان کی شاعری میں ان کی ذاتی تجربات، مسرتوں اور غموں کے ساتھ ساتھ اس پر آشوب دور کا پورا لیکھا جوکھا دیکھا جا سکتا ہے۔ یوں تو تلوک چند محروم کی شاعری ہمہ جہت او ہمہ رنگ کہی جا سکتی ہے جس میں انہوں نے ہندوستانی تاریخ وتہذیب کے گن بھی گائے ہیں، ہندوستانی مناظر کے حسن کی تعریف بھی کی ہے، یہاں کے پہاڑوں اور دریاؤں کے گیت بھی گائے ہیں۔ حسن وعشق کی باتوں اور وارداتوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ انسان اور انسان کی حرمت، معاشرے میں ان کے وقار، انسانی اخلاقیات اور اپنے ملک کو ایک آزاد اور خوشحال مملکت دیکھنے کی تمنا بھی کی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ تلوک چند محروم نے علم ودانش کے رموز ونکات بھی بیان کئے ہیں۔ مذکورہ آرزو اور تمنا ہی ان کی شاعری کی جان ہے۔ ان کی بہت ساری نظمیں ثانوی اوراعلیٰ تعلیم کی درسیات میں شامل ہیں۔

عزیز طلبا! علم ودانش کی تعریف، توضیح اور حقائق پر مبنی ایک نظم جس کے کئی پہلوؤں کا مطالعہ آپ پچھلے دو اسباق میں تشریح اور خصوصیات کے ضمن میں کر چکے ہیں اس سبق میں اس نظم 'علم' کا تنقیدی مطالعہ کریں گے اور ساتھ ساتھ تلوک چند محروم کی ادبی انفرادیت اور شاعرانہ خصوصیات کا بھی تنقیدی

جائزہ لیں گے۔

3.10.3 تلوک چند محروم کا سوانحی خاکہ

عزیز طلبا! آپ پڑھ چکے ہیں کہ تلوک چند محروم کا وطن مالوف عیسی خیل ضلع میاں والی صوبہ پنجاب ہے جو اب پاکستان میں واقع ہے۔آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ جولائی 1887 میں تلوک چند محروم کی پیدائش ہوئی۔میٹرک پاس کرنے کے بعد ڈیرہ اسماعیل خاں عیسی خیلل اور کلور کوٹ میں بطور مدرس اپنے فرائض انجام دیئے۔راولپنڈی کے کنٹونمنٹ بورڈ اسکول سے سبک دوش ہوئے اور اس کے بعد راولپنڈی میں ہی گارڈن کالج میں اردو اور فارسی کے استاد مقرر کئے گئے۔1945 میں سجاد ظہیر جب ترقی پسند تحریک کے سلسلے میں راولپنڈی گئے تو اس وقت محروم صاحب راولپنڈی کے اردو ادبی حلقوں میں بہت ہی معروف ومشہور ہو چکے تھے۔گارڈن کالج کے اردو سوسائٹی کی جانب سے ترقی پسند ادب کی تحریک پر ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔جلسے کی صدارت محروم نے کی۔سجاد ظہیر کا کہنا ہے کہ اس وقت ان کی عمر تقریباً ساٹھ سال کی رہی ہوگی ایسے زبان زاد اور قدیم مکتب خیال اور قابل احترام استاد کے سامنے زبان کھولتے ہوئے مجھے کافی جھجھک محسوس ہو رہی تھی۔سجاد ظہیر مزید کہتے ہیں میں بڑی احتیاط سے بولا۔میری تقریر کے خاتمے پر محروم صاحب نے فرمایا میں ترقی پسند ادب تحریک کے بارے میں دوسرے خیالات رکھتا تھا لیکن اس کے مقاصد وہی ہیں جو اس جلسے میں بیان کئے گئے تو اس سے بھلا کسے اختلاف ہوسکتا ہے۔سجاد ظہیر کہتے ہیں کہ محروم صاحب کی اس جملے کو ترقی پسند ادب تحریک کے لئے اور خود اپنے لئے بھی باعث برکت سمجھا۔

1946 تک محروم صاحب راولپنڈی میں ہی اپنی خدمات انجام دیتے رہے لیکن 1947 میں تقسیم وطن اور جنون کشت وخوں میں انہیں ایک بار پھر دربدر ہونا پڑا۔محروم اس مشکل وقت میں ایک

فرشتہ صفت کپتان عبدالحمید کی مدد سے بخیریت لاہور پہنچے۔ پھر وہاں سے کئی پریشانیوں اور دشواریوں کا مقابلہ کرتے ہوئے امرتسر کے راستے جالندھر تک آئے۔ انہوں نے وہاں جالندھر سے اپنے بیٹے جگن ناتھ آزاد جو ان دنوں دہلی میں مقیم تھے ایک خط لکھا کہ میں بہت مشکلوں کا سامنا کرتے ہوئے جالندھر تک تو پہنچ گیا لیکن یہاں سے دہلی پہنچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی ہے۔ ہر طرف ایک افراتفری اور کسم پرسی کا عالم ہے۔ بہر حال وہ بڑی مشکلوں کا سامنا کرتے ہوئے دہلی پہنچے۔ محروم کی زندگی کے کچھ گوشوں کو منظر عام پر لاتے ہوئے ان کے لائق بیٹے جگن ناتھ آزاد نے ان کی شخصیت کے حوالے سے ایک مبسوط مقالہ 'میرے والد' کے عنوان سے لکھا ہے۔ اس مقالے میں ان کی شخصیت کے اہم گوشوں کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ آزاد کا خیال ہے کہ محروم صاحب کو دوران ملازمت مسلمانوں نے بے حد پریشان کیا مگر ان کی امداد بھی مسلمانوں نے ہی کی۔ بقول جگن ناتھ آزاد 'بعض مسلمانوں نے بر بنائے تعصب ان کی مخالفت کی اور امداد کس نے کی؟ مسلمانوں نے ہی۔ اب یہ غیر مسلم شاعر کی زندگی کا یہ گوشہ پڑھنے والوں کے سامنے کیوں نہ آئے۔ اس سے بڑی وجہ ایک شاعر کی داستان حیات لکھنے کی وجہ اور کیا ہوسکتی ہے؟ اور پھر جتنی قدردانی ہوئی وہ کن لوگوں نے کی؟ کیا ان میں بیشتر مسلمان نہیں تھے؟ تو گویا یہ تو تاریخ ادب کا ایک ایسا باب ہے جو آج سے بہت پہلے سے بہت پہلے معرض وجود میں آ جانا چاہئے تھا'۔

محروم صاحب آریہ سماج کے معتقد تھے لیکن مذہبی احکام پر عمل کرنا ان کے لئے بہت ہی مشکل کام تھا اور وہ مذہبی بحث و مباحثہ کو بھی غیر ضروری اور بے کار سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں مذہب کو کسی قوم اور ملک کی جاگیر نہیں ہونا چاہئے۔ س معاملے میں وہ عالم گیریت کے قائل تھے۔ حالاں کہ آریہ سماج اور سوامی دیانند کی تعریف میں جو کچھ لکھا ہے وہ 'مہارشی درشن' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ آریہ

سماجی ہوتے ہوئے بھی تلوک چند محروم ایک کھلے دل اور عمدہ اخلاقی قدروں کے علمبردار تھے۔ جس کی وجہ سے ان کو بطور استاد اور بطور شاعر قدر دانوں، دوستوں میں اور فنکاروں میں ہندو اور مسلمان یکساں شریک تھے۔ عزیز طلبا! آپ جان چکے ہیں کہ تلوک چند محروم کے والد کا 1909 میں انتقال ہوا۔ 1910 میں محروم کی پہلی شادی ہوئی اور پہلی بیوی کا انتقال 1915 میں ہو گیا۔ 1916 میں ان کی دوسر شادی ہوئی اور 1918 میں ان کے بیٹے اور معروف و مشہور ادیب و شاعر جگن ناتھ آزاد کی پیدائش ہوئی۔ گھریلو الجھنوں میں پوری زندگی پریشان رہنے کے باوجود تلوک چند محروم نے اپنے انتقال کے بعد جو شعری سرمایہ چھوڑا ہے اس پر اردو ادب کو اور اردو شعرا کو ہمیشہ ناز رہے گا۔

3.10.4 تلوک چند محروم کی تخلیقات

عزیز طلبا! اس سے قبل آپ تلوک چند محروم کی ادبی کاوش بالخصوص شعری مجموعوں کے بارے میں سرسری مطالعہ کیا ہے۔ محروم کا پہلا مجموعہ کلام 'کلام محروم' حصہ اول کے نام سے 1916 میں شائع ہوا تھا۔ اس مجموعے کا دوسرا اڈیشن 1931 میں شائع ہوا جبکہ 'کلام محروم' حصہ دوم اور کلام محروم حصہ سوم بالترتیب 1920 اور 1923 میں شائع ہوئے۔ 1932 میں لاہور کے ایک اشاعتی ادارے کپور اینڈ سنس نے محروم کا ایک ضخیم مجموعہ کلام 'گنج معانی' کے نام سے شائع کیا۔ گنج معانی کا دوسرا اڈیشن 1957 میں شائع ہوا۔ تیسرے اشاعت کو ان کے بیٹے پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے مرتب کیا۔ 'رباعیات محروم' کا پہلا اڈیشن 1947 میں لاہور سے شائع ہوا تھا۔ رباعیات محروم کا دوسرا اڈیشن رسالہ 'بیسویں صدی' نئی دہلی نے شائع کیا اور اس کا تیسرا اڈیشن ترمیم و اضافے کے ساتھ مکتبہ جامعہ نئی دہلی نے شائع کیا۔ مکتبہ جامعہ نے 'کاروانِ وطن' 1960 میں شائع کیا جو تلوک چند محروم کی وطنی اور قومی شاعری کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ تلوک چند محروم کا چوتھا مجموعہ کلام جو نظموں پر مشتمل ہے 'نیرنگ معانی' کے نام سے پروفیسر جگن ناتھ

آزاد کی تمہید اور پروفیسر عبدالقادر کے دیباچے کے ساتھ شائع ہوا۔ 'شعلہ نوا' محروم کا پانچواں مجموعہ کلام ہے جس کا پہلا اڈیشن 1960 اور دوسرا ادیشن 1965 میں شائع ہوا۔ 'بہار طفلی' جو بچوں اور طالب بالغان کے لئے لکھی گئی نظموں کا مجموعہ ہے 1960 میں شائع ہوا۔ 'بچوں کی دنیا' اسکولوں کے طلبا کے لئے اور درسی کتابوں کو سامنے رکھ کر لکھی گئی نظموں کا مجموعہ ہے 1967 میں شائع ہوا۔ اس کا دیباچہ مشہور ماہر تعلیم ڈاکٹر سلامت اللہ نے لکھا اور اس پر حکومت ہند کی طرف سے 1000 روپے کا انعام ملا تھا۔ تلوک چند محروم نے آریہ سماج اور سوامی دیانند کی تعریف میں جو نظمیں لکھی تھیں وہ مہارشی درشن کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ 'شعلہ نوا' کے نام سے تلوک چند محروم کی غزلیات کا مجموعہ پہلی بار 1960 اور دوسری بار 1965 میں شائع ہوا۔ تصانیف اور مجموعہ کلام کے علاوہ بہت سی ایسی نظمیں رہ گئی تھیں جو کسی مجموعہ کلام میں شامل نہیں ہوئیں اسے بعد میں پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے شائع کیا۔ 'گنج معانی' جوان کا ضخیم مجموعہ کلام ہے چودہ حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں کلام معرفت، دوسرے حصے میں جذبات فطرت، تیسرے میں مناظر قدرت کی عکاسی، چوتھے میں رامائن کی سین، پانچویں میں پندونصائح، چھٹا حصہ سیر گلستاں کے نام سے، ساتواں حصہ نکات شکسپئر، آٹھواں یادرفتگاں، نواں طوفان غم، دسواں تقریبات، گیارہواں تضمینات، بارہواں قطعات، تیرہواں حصہ عاشقانہ کلام اور چودھواں حصہ قید فارسی پر مشتمل ہے۔ واضح رہے کہ چودھواں حصہ قید فارسی، فارسی زبان میں کہی گئی غزلوں، تضمینات اور قطعات پر مشتمل ہے۔ عزیز طلبا! کاروان وطن جو 1960 میں شائع ہوئی میں قومی اور وطنی نظموں کا مجموعہ ہے۔ اس کے دو حصے ہیں پہلا حصہ 'فریادِ جرس' اور دوسرا حصہ 'منزل' کے عنوان سے ہے۔ فریاد جرس میں عہد غلامی یعنی 1906 سے 1947 تک کی نظمیں شامل ہیں جبکہ دوسرے حصے منزل میں آزادی کے بعد کا کلام شامل ہے۔

3.10.5 محروم بحیثیت بچوں کے ادیب

عزیز طلبا! ہر ترقی یافتہ زبان میں بچوں کے ادب کا اہم مقام ہوتا ہے جس میں نئے نئے تجربات ، بچوں کی دلچسپی اور اخلاقیات واقدار سے متعلق خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ بہت دنوں تک اردو میں بچوں کے ادب کی طرف سنجیدگی سے توجہ نہیں دی گئی تھی لیکن بعد میں بچوں کے متعلق معیاری رسالے شائع ہونے لگے جن میں ایسے شعرا وادبا کی تخلیقات شائع ہوئیں جنہیں معیار و مزاج کے لحاظ سے بچوں کا ادب کہا جاسکتا ہے۔ بچوں کے شاعروں میں تلوک چند محروم کا اہم مقام ہے۔تلوک چند محروم نے بچوں کی دنیا اور بہار طفلی میں بچوں کے لئے لکھی گئی ساری نظمیں شامل کی ہیں۔تلوک چند محروم نے بچوں کی نظموں کو ان ہی کی زبان میں لکھی ہے۔ مطلب یہ کہ ان نظموں کی زبان نہایت سادہ اور سلیس ہے اور ان کے اسلوب میں بھی جدت ہے۔ ان نظموں کے ذریعہ بچوں کی تعمیری ذہن اور خیالات کو وسعت دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان میں زندگی کی خبروں کو ابھارنے اور آگے بڑھانے کی طرف توجہ دی گئی ہے۔ محروم کو قومی اور سیاسی تحریکات اور واقعات سے گہری دلچسپی تھی۔ وطن سے ہمدردی اور حب الوطنی کا جذبہ وہ بچوں میں بھی پیدا کرنا چاہتے تھے چنانچہ ان موضوعات پر بھی انہوں نے بچوں کے لئے نظمیں لکھی ہیں۔ بچوں کے لئے لکھی گئی نظموں میں حمدیہ، دعائیہ اور نشو ونما، رحم دلی، انصاف، ہمدردی، ایثار و قربانی اور اپنے ملک کی تعریف و توصیف، اس کی تاریخ و تہذیب و تمدن وغیرہ کو موضوع بنا کر بچوں کے لئے نظمیں لکھی ہیں۔ خالق کائنات کی عظمتوں کا بیان کی مثال کے لئے اس حمدیہ نظم کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے

وہ خالق دو عالم یعنی خدا ہمارا ہر ایک پیاری شے سے ہے جس کا نام پیارا

جس نے زمیں بنائی، جس نے جہاں بنایا جس نے بنائے تارے اور آسماں بنایا

کرتا ہے پیار ہم سے وہ باپ ہے ہمارا | اور ہر گھڑی نگہ باں وہ آپ ہے ہمارا
حاضر ہیں تیرے در پر پروردگار ہم بھی | ہے رحم اور کرم کے امیدوار ہم بھی
وہ علم دے ہو جس سے دانش کا نور دل میں | پرور دگار دیکھیں تیرا ظہور دل میں

بچوں کی شاعری سے محروم صاحب کی والہانہ رغبت پر اظہار خیال کرتے ہوئے ہنس راج رہبر نے کہا ہے

''محروم صاحب نے اپنی ساری زندگی دیش کے بچوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح میں بسر کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں انہوں نے بڑوں کی اصلاح و تربیت کے لئے شاعری کی ہے،، بچوں کی نفسیات کو خوب سمجھتے ہیں اور اس راز سے بخوبی واقف ہیں کہ بچوں کے لئے کون سے موضوع مفید ہیں اور ان کی بھلائی کس بات میں مضمر ہے''۔

محروم صاحب نے بچوں کے لئے جن موضوعات کو انتخاب کیا اس میں بچوں کی توجہ بنائے رکھنے کے علاوہ ان کے اخلاق سدھارنے، انہیں ایک اچھا شہری بنانے، وطن سے محبت کا جذبہ پیدا کرنے اور وطن کا سچا سپاہی بننے کی ترغیب دی تھی۔ اس کے علاوہ محروم نے محنت، جہد مسلسل اور بچوں میں پوشیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی طرف بھی توجہ دیتے ہوئے تعمیری نظمیں لکھیں۔ محروم نے تعمیری پہلوؤں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی تخلیق میں بچوں کی سخن فہمی کی استعداد کو بھی پیش نظر رکھا۔ ان کی نظموں میں بچوں کو جدو جہد اور محنت کی طرف رغبت دلانے میں بہت ہی کامیاب ہے جسے پڑھنے کے بعد بچوں کے دل میں محنت کرنے کی امنگ اور محنت سے انسیت پیدا ہوتی ہے۔ چند شعر ملاحظہ کیجئے

تم کو خیال محنت گر صبح و شام ہوگا | کہتے ہیں بخت جس کو آکر غلام ہوگا

جو دل کا مدعا ہے حاصل تمام ہوگا　　　محنت سے کام ہوگا، محنت سے کام ہوگا

محنت کرو عزیزو محنت سے کام ہوگا

محنت بغیر جینا ممکن نہیں جہاں میں　　　محنت سے وہ بنا ہے رہتے ہو جس مکاں میں

محنت کا پھل ہیں پودے جتنے ہیں گلستاں میں　　　محنت لگی ہوئی ہے بلبل کے آشیاں میں

محنت کرو عزیزو محنت سے کام ہوگا

محروم کی شاعرانہ عظمت اور بچوں کے متعلق محروم کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے سعید ہاشمی دہلوی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے

> ''اقبال جدید شاعری میں تعمیری پہلو کا سب سے زیادہ کامیاب شاعر تھا۔اس نے نظریہ یہ ظاہر کیا تھا کہ زندگی ایک مسلسل کشمکش اور جدو جہد کا نام ہے اور اگر زندگی کے لمحات میں حرکت نہ ہوتو اس کا وجود بے کار ہے۔اس نظریے کی تائید اور پیروی محروم نے بھی کی ہے۔انہوں نے متعدد تعمیری پہلوؤں پر مضامین نظم کیے ہیں''۔

محروم نے کام سے جی چرانے والوں کو عبرت ناک بتا کر بچوں میں کام کا لگن پیدا کرنے کی اورعزم وحوصلہ دینے کی کوشش کی ہے۔تعلیم وتربیت کے بنیادی اصول یہ ہیں کہ بچوں میں پاکیزہ عقائداور نیک حوصلہ پیدا کئے جائیں۔محروم نے ان موضوعات پر بھی بہت سی نظمیں لکھی ہیں جن سے بچوں کوحوصلہ ملتا ہے۔غرض کہ وہ سارے مضامین اور موضوعات جو بچوں کو ایک اچھا انسان اور ایک ذمہ دارشہری بنانے میں ممد و مددگار ہوں ان سبھی موضوعات پر محروم نے بچوں کے لئے پر اثر نظمیں لکھی ہیں

3.10.6 نظم 'علم' کا تنقیدی جائزہ

تلوک چند محروم نے بہت سی طویل نظمیں لکھی ہیں ان میں سے علم بھی ایک ہے۔ گو کہ محروم نے علم کی بہت ساری برکتیں، نشانیاں اوران کی افادیت واہمیت بتائی ہے تاہم فی زمانہ علم کی افادیت میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ لہذا اب اس کی افادیت اوراس دور میں لکھی گئی افادیت سے کم ہوگئی ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ جس طرح سے تلوک چند محروم نے علم کی افادیت واہمیت، اس کی تاریخی، تہذیبی ومعاشرتی پس منظر بیان کرنے کی کوشش کی ہے وہ اپنے آپ میں ایک کامیاب کوشش ہے خواہ وہ ادبی پہلو ہو یا معاشرتی یا تاریخی پہلوؤں کی نشاندہی ہو یا پھر تہذیبی وتمدنی نظم میں بھر پور وضاحت اورافادیت بیان کی ہے۔ نظم کے پہلے دواشعار

بزم جہاں میں ساغر آب بقا ہوں میں　　　آزارِ مرگ کیا ہے، خاک شفا ہوں میں
میرے ہی دم سے گل ہستی میں رنگ و بو　　　ابر بہار ہوں میں، نسیم صبا ہوں میں

یہاں شاعر علم کو آب بقا یعنی آب حیات کے ساغر سے تشبیہ دی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ میں اس جہاں میں جہاں ہوں وہاں موت نہیں ہے یعنی علم موت کے آزار سے آزاد ہے۔ علم کو بقااور شفا سے تشبیہ دی گئی ہے کہ گل ہستی میں اس کی بقااور شفا سے بھی رنگ وبو ہے۔ حالاں کہ نظم کی روانی میں کوئی کمی نہیں ہے لیکن بعض جگہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ کا تکرار ہے جو شاعری کی مزاج کو مجروح کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ایسے بھی لفظ ہیں جو بار بار استعمال ہوئے ہیں۔ ممکن ہے کہ شاعر کے نزدیک اس کی اہمیت ہو لیکن ایک ہی لفظ کا نظم میں بار بار استعمال ہونا بہتر نہیں۔ کچھ ایسے اشعار ہیں جو عام قاری کی سمجھ سے آگے کی چیز ہوسکتی ہے مثلاً

اقبال جس کو کہتے ہیں پروردہ ہے میرا　　　کیا سایہ ہما ہے، ہما کا ہما ہوں میں

یا پھر یہ شعر

خاک، آب و باد و آتش سرکش بدیں جلال　　　سب میرے زیرِ حکم ہیں فرمانرواہوں میں

یہ دونوں اشعار اور ان کے علاوہ اور کئی شعر خیالات کی بازی گری معلوم ہوتے ہیں۔ بندش الفاظ میں کوئی کمی نہیں۔ مطالب کی فراوانی ہے لیکن عام قاری کے لئے مشکل ہے۔ نظم علم میں بہت سی سماجی، تہذیبی اور معاشرتی اصطلاحوں کے علاوہ سائنسی، تاریخی اور تمدنی اصطلاحیں بھی استعمال کی گئی ہیں۔ علم کی قدر و قیمت، افادیت اور جوہر کو قاری کے سامنے لانے میں شاعر نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے۔ شاعر نے اپنے مادر وطن کی علمی، تہذیبی اور تاریخی خوبی، بڑائی اور نشانیوں کو بیان کیا ہے لیکن کئی نشانیاں، کئی خوبیاں اور بعض اہم مذہبی اور سماجی مصلح اگر علم کے حوالے سے موضوع سخن بنتے تو اس نظم کی افادیت کو مزید بہتر کیا جاسکتا تھا مثلاً نانک، چشتی، گوتم بدھ اور دیگر قدیم سائنس داں، ریاضی داں و ماہر طب وغیرہ کا تذکرہ اگر ہوتا جیسا کہ محروم نے والمیکی اور شیکسپیئر کا تذکرہ کیا ہے تو مزید بہتر عکاسی ہوتی۔ بہر حال علم کی افادیت، اہمیت، تاریخی، معاشی و معاشرتی حیثیت کو جس قدر شاعر نے شعر کے قالب میں ڈھالا ہے وہ قابل تحسین ہے اور قابل مطالعہ بھی۔

عزیز طلبا! اس نظم کے سرسری مطالعے کے بعد آپ کو چاہئے کہ نظم میں استعمال کی گئی اصطلاحیں، استعارے، تشبیہات، تاریخی و تہذیبی تلمیحات کا بغور مطالعہ کریں اور ان کی مفصل جانکاری حوالوں کی کتابوں سے حاصل کرکے اپنے مطالعے کو مزید مستحکم کریں۔

3.10.7 خلاصہ

عزیز طلبا! اس سبق میں آپ نے تلوک چند محروم کی ایک اہم نظم علم کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ تلوک چند محروم طالب علمی کے زمانے سے ہی شاعری میں دلچسپی رکھتے تھے اور میٹرک پاس ہونے سے

قبل ہی اپنی کئی نظمیں لکھیں جو اس زمانے کے معروف ومشہور رسائل وجرائد میں شائع ہوئے۔آپ نے یہ بھی پڑھا کہ وہ محکمہ تعلیم میں استاد کی حیثیت سے پینتیس سال تک ملازمت کی اور ریٹائرمنٹ کے بعد راولپنڈی میں ہی گارڈن کالج میں اردو فارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ 1947 میں تقسیم وطن کے بعد وہ دہلی میں آکر مقیم ہو گئے جہاں ان کے فرزند پروفیسر جگن ناتھ آزاد پہلے سے قیام پزیر تھے۔تلوک چند محروم ایک غیر متعصب اور انسان دوست شخصیت کے مالک تھے۔ لہذا ان کے دوستوں اور ہم عصروں میں ہر طبقے اور ہر مذہب کے لوگ شامل تھے۔تلوک چند محروم کے متعدد مجموعہ کلام شائع ہوئے۔1916 میں' کلام محروم' کے نام سے پہلا مجموعہ کلام شائع ہوا اور اس کے بعد وقفے وقفے سے 1965 تک متعدد شعری مجموعے شائع ہوتے رہے۔ ان کے معروف شعری مجموعوں میں گنج معانی، رباعیات محروم، شعلہ نوا، بہار طفلی، بچوں کی دنیا، مہارشی درشن اور نیرنگ معانی خاص ہیں۔

عزیز طلبا! تلوک چند محروم بچوں کے شاعر و ادیب کے نام سے بھی معروف ہیں اور ان کی متعدد نظمیں بچوں کی درسی کتابوں میں شامل نصاب ہیں۔یہی نہیں تلوک چند محروم کی بعض اہم نظمیں اور غزلیں اعلی تعلیم کی درسی کتابوں میں شامل کی گی ہیں۔ان ہی نظموں میں سے ایک معروف ومشہور نظم 'علم' بھی ہے جس کا تنقیدی جائزہ آپ نے اس سبق میں لیا ہے۔اس نظم میں تلوک چند محروم نے علم کی اہمیت و افادیت سے متعلق بہت کارآمد وضاحتیں پیش کی ہیں جسے انہوں نے تشبیہات واستعارات اور تلمیحات کے پیرائے میں بیان کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔تلوک چند محروم نے علم کو آب حیات کے ساغر سے تشبیہ دی ہے۔ گویا کوئی شخص، کوئی جاندار آب حیات پی لے تو وہ بقائے دوام کا حامل ہو جاتا ہے۔ یہی حال علم کا ہے کہ جس شخص میں علمیت پیدا ہو جاتی ہے اور مختلف علوم وفنون کا جب وہ حامل ہوتا ہے تو وہ زندہ جاوید ہو جاتا ہے کبھی مرتا نہیں۔تلوک چند محروم نے شکسپیئر اور والمیکی کی تلمیحات سے اس کی

طرف اشارہ کیا ہے۔علم کی برکتوں کے سلسلے میں انہوں نے سائنسی، تاریخی، تہذیبی اور معاشرتی ترقیوں کی ضمانت علم کو ہی بتایا ہے۔نظم علم کے مطالعے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ تلوک چند محروم کے ذہن و دل میں علم کے تئیں اور اس کی رفعتوں اور برکتوں کے تئیں کتنا اہم مقام تھا۔

3.10.8 نمونہ امتحانی سوالات

1 تلوک چند محروم کی شاعری فطری ماحول کی عکاسی کرتی ہے۔تجزیہ کیجئے

2 محروم کی شعری تخلیقات کا جائزہ پیش کیجئے

3 تلوک چند محروم کے ادب اطفال پر ایک مختصر نوٹ لکھیے

4 نظم 'علم' پر تنقیدی تبصرہ پیش کیجئے

3.10.9 فرہنگ

کشت وخوں	جنگ وجدال
مبسوط	پھیلا ہوا، کشادہ، فراخ
ضخیم	بڑا، موٹا
تضمینات	ملانا، شامل کرنا
فریادِ فرس	گھنٹے کی آواز
استعداد	لیاقت، قابلیت، صلاحیت
آزار مرگ	موت کی بیماری، موت کی سختی
آبِ بقا	آب حیات، امترجل

فرمانروا	حکمراں، حاکم، بادشاہ
فراوانی	زیادتی، افراط
فروگزاشت	کوتاہی، کمی، بھول
دقیقہ	کوئی بہت چھوٹی چیز، معمولی بات
سایہ ہما	ایک فرضی پرندہ ہما کا سایہ، جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس کا سایہ جس پر پڑ جائے وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔

3.10.10 مزید مطالعہ کے لئے

1 تلوک چند محروم، گنج معانی، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی

2 ڈاکٹر محمد یوسف انصاری، تلوک چند محروم حیات اور شاعری، شمسی فائن آرٹس، مومن پورہ، ناگپور

3 ڈاکٹر زینت اللہ جاوید، تلوک چند محروم: شخصیت اور فن، محروم میموریل لٹریری سوسائٹی، نئی دہلی

4 جگن ناتھ آزاد، تلوک چند محروم، ادارہ فروغ اردو، لکھنؤ

اردو میں نیچرل شاعری کا تعارف

اکائی کی ساخت

3.11.1 تمہید

3.11.2 تعارف

3.11.3 نیچرل شاعری کے اولین نقوش

3.11.4 انجمن پنجاب اور اردو نظم

3.11.5 علی گڑھ تحریک اور اردو نظم

3.11.6 نیچرل شاعری کے نمائندہ شعرا

3.11.7 خلاصہ

3.11.8 نمونہ امتحانی سوالات

3.11.9 فرہنگ

3.11.10 مزید مطالعہ کے لئے

3.11.1 تمہید

عزیز طلبا! نظم جدید کے اس پیپر میں اب تک آپ نے جن شعرا کے متعلق جانکاری حاصل کی ہے اوران کی جن نظموں کا تجزیہ وتشریح کیا ہے ان میں زیادہ تر کا تعلق نیچرل شاعری کی نظم نگاری سے ہے۔ آپ یہ جان چکے ہیں کہ 1857 کی ناکام جنگ آزادی کے بعد ہندوستانی معاشرے میں کئی نہج پر تبدیلی رونما ہوئی۔ یہ تبدیلی ہندوستانی زبانوں کے ادبی اصناف پر بھی واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ اردو میں سماجی، معاشی اور سیاسی تبدیلی کے دور رس نتائج سامنے آئے۔ کئی اصلاحی تحریکیں وجود میں آئیں اور نظم ونثر پر ان تحریکوں نے اپنا اثر مرتب کیا۔ اردو میں جو شاعری پہلے سے ہو رہی تھی اس کا تعلق تفنن طبع سے زیادہ تھا یعنی ادب برائے ادب ہی تھا اور ادب برائے اندگی کا کوئی تصور نہیں تھا۔ مختلف تحریکات کے زیر اثر اردو نثر و نظم میں جو تبدیلی رونما ہوئی اسے ادب میں جدیدیت کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اردو نظم نگاری میں جدید نظم نگاری کا رجحان پیدا ہوا اور متعدد شعرا نے شاعری کی پرانی روش سے ہٹ کر سماجی اصلاح کے مقاصد کے لئے نظمیں لکھیں۔ مختلف قسم کی موضوعی نظمیں لکھی جانے لگیں جن کا تعلق جغرافیائی حالات، موسم، معاشرتی اصلاح، قدرتی مناظر اور سماجی موضوعات سے تھا۔ اردو نظم نگاری کی تاریخ میں اسے نیچرل شاعری کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس سبق میں آپ اردو میں نیچرل شاعری کے متعلق جانکاری حاصل کریں گے۔

3.11.2 تعارف

عزیز طلبا! اردو زبان میں جدید رجحانات کے لئے دو تحریکات انجمن پنجاب اور علی گڑھ تحریک نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ نظم اور نثر دونوں کی مقاصد میں تبدیلی رونما ہوئی۔ نثر میں ادھر ڈپٹی نذیر احمد نے اردو میں ناول کو متعارف کرایا اور معاشرتی اصلاح کے لئے کئی ناول لکھے جبکہ نظم میں مولانا محمد

حسین آزاد نے اپنی خطابیہ نظموں کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کا کام کیا۔ مولانا الطاف حسین حالی، قلق میرٹھی، مولوی اسماعیل میرٹھی، الطاف علی اوران کے ہم نوا شعرانے اردو نظم نگاری میں نیچرل شاعری کی ارتقائی منزلوں پر نمایاں خدمات انجام دیں۔ آگے چل کر علی گڑھ تحریک نے اس نظریے کے فروغ کے لئے مزید کام کیا۔ سرسید اور ان کے ہم نواؤں نے نیچرل شاعری کے رجحانات کو مزید تحریک بخشی خاص طور سے انجمن پنجاب کے شاعروں کی تہذیب الاخلاق کے ذریعہ بھرپور حمایت کر کے۔ عزیز طلبا! اس سبق میں اردو میں نیچرل شاعری کے طور پر مختلف تحریکوں اور شعرا کے کارناموں کے متعلق جانکاری حاصل کریں گے اور نیچرل شاعری کے تحت کہی گئی نظموں کا اجمالی جائزہ بھی لیں گے۔

3.11.3 نیچرل شاعری کے اولین نقوش

1857 کو گورنر جنرل لارڈ کینن نے الہ آباد میں ملکہ وکٹوریہ کا شاہی فرمان پڑھا جس کی رو سے ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ختم ہوئی اور برطانوی حکومت کا ہندوستان پر باقاعدہ و باضابطہ تسلط قائم ہو گیا۔ انقلاب کی ناکامی اور ہندوستان پر برطانوی حکومت کا تسلط ایسے واقعے تھے جنہیں بھلایا نہیں جاسکتا۔ اس سے قبل ہی اصلاحی تحریکیں شروع ہو گئی تھیں اور اس کے بعد ان اصلاحی تحریکوں نے مزید زور پکڑا۔ 1857 سے قبل ہی ہندوستان کی تہذیبی و ثقافتی اور معاشرتی زندگی پر مغربی طرز زندگی اثر انداز ہونے لگی تھی۔ راجا رام موہن رائے، گوپال کشن گوکھلے، سید احمد دہلوی، مولوی محمد اسماعیل دہلوی وغیرہ مغربی تہذیب کے اثر انداز ہونے کو لے کر کافی فکر مند تھے اور انہیں ایک ایسے راہ کی تلاش تھی جس کے ذریعہ آنے والی نسلوں کو اور موجودہ جوان نسل کو راہ سے بھٹکنے سے روکا جاسکے اور اچھی راہ پر چلنے کی ترغیب دی جاسکے۔ چنانچہ انجمن اسلام پنجاب اور علی گڑھ تحریک نے ایسی فکر رکھنے والے ادبا و شعرا کی رہنمائی کی اور اردو ادب میں ان تحریکوں کی وجہ سے ادب برائے زندگی کی طرف رجوع کیا جانے لگا۔

اردوشاعری پران حالات کا اثر زیادہ ہی نظر آتا ہے۔خود غالب نے انقلاب کے حالات اوراس سے پیدا شدہ مصائب کا اپنی شاعری میں ذکر کیا ہے۔منیرشکوہ آبادی کی ایک نظم 'داغ غم' بھی اس زمرے کی ایک نظم ہے جوانقلاب کے بعد ہندوستانیوں کی تہذیب وثقافت اور میراث واقدار کے پامال کی تصویر کشی کہی جاسکتی ہے۔انہیں اس کی سزا بھگتنی پڑی اور کالا پانی بھیج دیا گیا۔خود بہادر شاہ ظفر کی شاعری میں اس شدت کا بیان جابجا ملتا ہے۔

گئی یک بیک جو ہواپلٹ نہ دل کو میرے قرار ہے
کروں میں اس ستم کا کیا بیان میرا غم سے سینہ فگار ہے
سبھی جاہ و ماتم سخت ہے، کہو کیسی گردش بخت ہے
نہ وہ تاج ہے، نہ وہ تخت ہے، نہ وہ شاہ ہے، نہ وہ دیار ہے

انیسویں صدی کے نصف دوم کا زمانہ اردونثر ونظم کے جدید دور کے آغاز کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔عزیز طلبا! آپ جانتے ہیں کہ 1857 سے قبل کا اردوشعروادب بہت حدتک فارسی شعراوادبا کے زیراثر رہااور اردوشاعری کا بیشتر سرمایہ غزلوں یا پھر قصیدوں،مرثیوں،مثنویوں پر مشتمل تھا۔موضوعی نظم نگاری تقریباً نہیں کے برابر تھی۔حالاں کہ قلی قطب شاہ اورنظیرا کبرآبادی نے متعدد موضوعات پر نظمیں لکھیں بالخصوص نظم نگاری کے میدان میں نظیرا کبرآبادی کو سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔علی گرھ تحریک کے علم برداروں نے نظیرا کبرآبادی کے نظم نگاری کے پیرایے کو استعمال بھی کیا اور آگے بھی بڑھایا۔سرسید احمد خاں بھی ادب بالخصوص شاعری کے افادی پہلو سے آشنا تھے اور شاعری کو قوم کی اصلاح کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے۔

عزیز طلبا! نیچرل شاعری کے اولین نقوش کے ضمن میں قلی قطب شاہ کو اہم حیثیت حاصل اس

لئے ہے کہ انہوں نے موسموں، تہواروں، ہندوستانی پھولوں پھلوں، رسم و رواج وغیرہ کو موضوع بنا کر نظمیں کہی ہیں۔ان کی نظموں میں ہندوستانی تہذیب کی مکمل تصویر کشی ملتی ہے۔ حالاں کہ ان نظموں میں مقصدیت کی گیرائی، گہرائی نہیں۔ تاہم نظم نگاری کی ابتدائی نقوش کی کوششوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ شمال میں جعفر زٹلی نے کچھ نظمیں کہی ہیں جن میں خارجی حقائق کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ان کی ایک نظم انقلاب زمانہ اس ضمن میں اہمیت کی حامل ہے۔شمال میں معروف ومشہور شعرا کی کئی نسلیں موجود ہیں لیکن ان میں سے زیادہ تر کا تعلق غزل، مثنوی، قصیدہ اور مرثیہ سے تھا اور نظیر اکبرآبادی کے علاوہ کسی شاعر کو نظم گو شاعر کی حیثیت سے نہیں جانا جاتا۔ نظیر کی شاعری میں سیاسی وسماجی پس منظر کے علاوہ ہندوستانی سماج کا تنوع نظر آتا ہے اور یہی تنوع آگے چل کر بہت سے نظم نگار شعرا کی راہیں ہموار کرتا ہے۔عزیز طلبا! آپ کو معلوم ہے کہ نظیر اکبرآبادی کا انتقال 1830 میں ہوا۔ان کے انتقال کے بعد اور مولانا محمد حسین آزاد، مولانا الطاف حسین حالی اور اسماعیل میرٹھی وغیرہ کے منظر عام پر آنے درمیان بہت بڑا خلا نظر آتا ہے۔ گویا نظیر نیچرل شاعری کے پس منظر میں اولین حیثیت رکھتے ہیں۔

3.11.4 انجمن پنجاب اور اردو نظم

انجمن پنجاب کا قیام 21 جنوری 1965 کو پنڈت من پھول کی صدارت میں ہوا۔انجمن کے ابتدائی اجلاس میں حکومت کے عہدیداروں نے بھی اس میں حصہ لیا۔ کرنل ہالرائڈ اس انجمن کے سرپرست تھے اور ان ہی کی صدارت میں 1867 میں پہلی بار جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا محمد حسین آزاد نے نظم اور کلام موزوں کے حوالے سے ایک اہم لیکچر پیش کیا۔عزیز طلبا! انجمن پنجاب کے قیام کے اہم مقاصد میں قدیم مشرقی علوم کا احیا، صنعت وتجارت کا فروغ، باشندگان ملک میں دیسی زبان کے ذریعہ علوم مفیدہ کی اشاعت، علمی وادبی، معاشی ومعاشرتی مسائل پر بحث، صوبے کے بارسوخ اہل

علم طبقات اور افسران حکومت سے رابطہ اور پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے خطوں کے ساتھ تعلقات کی استوارگی۔ تاہم اس سبق میں انجمن پنجاب کے اردو نظم کے فروغ کے حوالے سے بہت زیادہ مفید ہے۔ اس اردو نظم میں اردو شاعری اور موضوعاتی نظموں کے حوالے سے 1874 سے اس میں زیادہ کار آمد اجلاس ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آزاد اور حالی نے یہ محسوس کیا کہ زندگی کے بے شمار ایسے موضوعات اور مسائل ہیں جنہیں شاعری کا موضوع بنایا جاسکتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ جس طرح انگریزی شاعری میں مختلف موضوعات پر نظمیں کہی جاتی ہیں اسی طرح انگریزی شاعری کے زیر اثر اردو میں نظم گوئی کی شروعات ہونی چاہئے۔ چنانچہ انجمن پنجاب کے مشاعروں میں شب قدر، برسات، زمستان وغیرہ نظمیں پہلے پڑھی گئیں بعد میں حب وطن، امن، انصاف، مروت، تہذیب اور اخلاق کے زیر عنوان مشاعرے منعقد ہوئے اور یوں انجمن پنجاب کے موضوعی مشاعروں کی شہرت پورے ملک میں پھیل گئی۔ ان مشاعروں کے شعرا میں محمد حسین آزاد، انور حسین ہما، مرزا اشرف بیگ خان، اشرف دہلوی، مولوی قادر بخش، الہی بخش رفیق، ولی دہلوی، مولوی مقرب علی انیس اور مولوی عطاء اللہ خاں عطا ابتدائی شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ انجمن پنجاب کے مشاعروں کا ملک کے دیگر شہروں میں بھی مثبت اثر ہوا۔ چنانچہ اس کی تقلید میں میرٹھ میں نظم سوسائٹی اور دہلی میں دہلی لٹریری سوسائٹی کے نام سے انجمنیں قائم ہوئیں۔ مولانا محمد حسین آزاد کی نظمیں جدید اردو شاعری اور نیچرل شاعری کے ابتدائی مثالی نمونے کہے جاسکتے ہیں جن میں مضامین اور موضوعات کی رنگا رنگی بھی تھی اور شاعرانہ فنکاری بھی۔ آزاد کی نظم کا ایک حصہ مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے

آ، اے شب سیاہ کہ لیلی شب ہے تو　　عالم میں شہزادی مشکیں نسب ہے تو
آمد کی تیری شان تو زیب رقم کروں　　پر اتنی روشنائی کہاں سے بہم کروں

ہونا وہ باد شام شفق سے عیاں تیرا　　اڑنا وہ آبنوس کا تخت نوا تیرا
چمکے گالشکر اب جو تیرا آسمان پر　　فرماں نشان بھی اڑے گا جہان پر
تا صبح ہووے کار گہ روزگار بند　　آرام حکم عام ہوا اور کار بار بند

اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ انجمن پنجاب کے روح رواں مولانا حسین آزاد تھے اور انہوں نے اپنی تقریروں، تحریروں اور اپنی نظموں کے ذریعہ جدید طرز کے مشاعروں کی بنیاد ڈالی جس سے جدید شاعری کی تحریک کو نئی راہ ملی لیکن ان کی اس تحریک کو دور دور تک پہنچانے اور نوجوان نسل کو اس طرف راغب کرنے کا اہم کام مولانا الطاف حسین حالی کے سر ہے۔ وہ ایک طرف انجمن پنجاب کے مقبول شاعر تھے تو دوسری طرف مقدمہ شعروشاعری لکھ کر شاعری میں اصلاح پسندانہ رویے کا آغاز کیا۔ مقدمہ شعروشاعری کو جدید اور نیچرل شاعری کا مینوفیسٹو کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ انجمن پنجاب کی تحریک پرانے طرز کی شاعری اور مشاعرے کی مبالغہ آمیز تصنع، بناوٹ، لفاظی اور آرائش کے خلاف پہلی فعال او منظّم تحریک تھی جس نے نیچرل شاعری کی بنیادوں کو مضبوط کر کے اسے ایک سمت عطا کیا۔ مولانا الطاف حسین حالی کی نظم مدوجزر اسلام کو نیچرل اور اصلاحی شاعری کو ایک آئینے کی حیثیت حاصل ہے جس میں مستقبل کی نظمیہ شاعری کا روڈ میپ نظر آتا ہے۔

3.11.5 علی گڑھ تحریک اور اردو نظم

عزیز طلبا! جدید اور نیچرل شاعری کے ضمن میں انجمن پنجاب کے ساتھ ساتھ تقریباً اسی زمانے میں علی گڑھ تحریک نے زور پکڑا جس کے روح رواں سر سید احمد خاں تھے۔ سر سید احمد خاں نے انگریزی حکومت کے ایک اعلی افسر ہونے کے ساتھ ساتھ مستقبل کے مسائل وامکانات کو بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ہندوستانیوں خصوصا مسلمانوں کو انگریزوں کے عتاب سے بچانے کے لئے پہلے تو ایسی

کتابیں لکھیں جس میں یہ ثابت کیا کہ بغاوت کی ذمہ دار مسلمان نہیں۔ان کتابوں میں سرکشی بجنور اور اسباب بغاوت ہند خاص ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی قوم کی جہالت، پستی اور تنگ نظری کا بھی شدت سے احساس تھا اور وہ انہیں ماضی کے اندھیرے سے روشن مستقبل میں لانا چاہتے تھے۔مغربی علوم وفنون اور مغربی ادبیات کو متعارف کرانے کے لئے انہوں نے کئی جتن کئے جس میں سائنٹفک سوسائٹی اور رسالہ تہذیب الاخلاق نے کلیدی کردار ادا کیا۔سرسید اور ان کے رفقا کو یہ معلوم تھا کہ شعروادب سے بہت کام لیا جاسکتا ہے۔چنانچہ بیک وقت علی گڑھ تحریک کی وجہ سے نثری وشعری ادب میں نمایاں تبدیلی آئی اور اس سے اصلاح معاشرہ کا کام لیا جانے لگا۔سرسید نے سائنٹفک سوسائٹی جسے غازی پور میں قائم کیا گیا تھا ان کے علی گڑھ منتقل ہونے کے بعد سوسائٹی بھی علی گڑھ منتقل ہوگئی بعد میں علی گڑھ گزٹ کے نام سے جاری ہوا۔یہ ذولسانی گزٹ تھا جس میں ایک انگریزی اور ایک اردو کالم ہوتے تھے۔1870 میں سرسید نے اپنا ایک مشہور رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔ان دونوں میں لکھنے والے وہی ادیب وشاعر تھے جن کا مطمح نظر نوجوان نسل کی تربیت کر کے ان کے مستقبل کو سنوارنا تھا اور اردو شعروادب کے پرانے روش کو افادی سانچے میں ڈھالنا تھا۔اس گزٹ اور رسالہ تہذیب الاخلاق کو جن اہم شخصیات نے اپنی تحریروں سے وقار بخشا ان میں سرسید کے علاوہ الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا شبلی نعمانی، محسن الملک، وقار الملک، چراغ علی، ذکاء اللہ، مسٹر آرنلڈ، دینا ناتھ گانگولی، کاشی ناتھ، سمیع اللہ خاں، منشی پیارے لال، حاجی محمد اسماعیل اور وحیدالدین سلیم بطور خاص ہیں۔اس نظریے اور رسالے نے اردو شعروادب بالخصوص اردو شاعری کو جدید اور نیچرل آہنگ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ان اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد 20 فروری 1949 میں اپنی تقریر میں کہا تھا۔

''مرحوم سرسید اوران کے ساتھیوں نے علی گڑھ میں ایک کالج ہی نہیں قائم کیا تھا بلکہ وقت کی تمام علمی و ادبی سرگرمیوں کے لئے ایک ترقی پسند حلقہ پیدا کیا تھا۔اس حلقہ کی مرکزی شخصیت خود ان کا وجود تھا اور اس کے گرد ملک کے بہترین دماغ جمع ہوگئے تھے۔ ہندوستان کے کسی موقت الشیوع رسالے نے شاید ہی ایسے گہرے اثرات وقت کی دماغی رفتار پر ڈالے ہوں گے جیسے کہ تہذیب الاخلاق سے مرتب ہوئے۔ فی الحقیقت جدید علم و ادب کی بنیادیں اسی رسالے نے استوار کیں اور اس کو اس قابل بنا دیا کہ آج ہر طرح کے علمی و ادبی مطالب ادا کرنے کی اس میں صلاحیت پیدا ہوگئی ہے۔اس عہد کا شاید ہی کوئی قابل ذکر اہل قلم ایسا ہوگا جو اس مرکزی حلقہ کے اثرات سے موثر نہ ہوا ہو۔جدید ہندوستان کے بہترین مسلمان مصنف اس حلقہ کے زیر اثر پیدا ہوئے اور یہیں نئے قسم کی اسلامی تحقیق وتصنیف کی راہیں پہلے پہل کھولی گئیں ۔اردو کی نئی شاعری کی بنیاد اگر چہ لاہور میں پڑی تھی مگر اس کو نشو ونما یہیں کی آب وہوا سے ملی.....اردو خطابت کی پہلی درسگاہ یہی تھی اس دور کے تمام مشہور مقرروں کو اسی حلقے نے پیدا کیا اور اگر پیدا نہیں کیا تو ان کے لئے پلیٹ فارم یہیں مہیا کیا گیا۔''

(کانوکیشن ایڈریس،مسلم یونیورسٹی،علی گڑھ، 20فروری 1949)

عزیز طلبا! ان نامور رفقا کے علاوہ بعد میں مولانا محمد حسین آزاد،عماد الملک عبدالحلیم شرر،نواب صدر یار جنگ،ڈاکٹر ضیائالدین،آفتاب احمد خاں،مولوی عبدالحق، طفیل احمد،ظفر علی خاں۔سجاد حیدر

یلدرم، عزیز مرزا، عنایت اللہ، حسرت موہانی، رشید احمد صدیقی، عبدالماجد دریابادی، ڈاکٹر عابد حسین، خواجہ غلام السیدین، ڈاکٹر ذاکر حسین اور پروفیسر محمد مجیب نے آگے چل کر اردو ادب کے ان افادی پہلوؤں کو مزید مؤثر بنایا۔ جس طرح فورٹ ولیم کالج کی کوششوں سے اور غالب کے خطوط کے ذریعے اردو نثر میں عام بول چال اور سیدھی سادی زبان استعمال ہونے لگی۔ اسی طرح انجمن پنجاب اور علی گڑھ تحریک سے اردو ادب کے مختلف اصناف میں غیر معمولی اصلاح ہوا۔ یہ اصلاح ناول، افسانہ، تنقید، انشائیہ، سوانح جدید شاعری کی شکل میں دیکھنے کو ملی اور اس کے بعد جو نظمیں لکھی گئیں ان میں جو اصلاح کی راہ ہموار ہوئیں اس نے آگے چل کر ایک جدید اور اصلاح پسند شعرا کی ایک بڑی نسل کو پیدا کیا۔

3.11.6 نیچرل شاعری کے نمائندہ شعرا

نیچرل شاعری کے بنیاد گزاروں میں آپ نے مولانا محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی کا نام پڑھا تاہم ان کے رفقا میں انور حسین، ذوق کاکوروی، اشرف بیگ، قادر بیگ، مضطر دہلوی، راحت دہلوی، مرزا مشرف بیگ دہلوی، فکر دہلوی، امام بخش کے بعد کرشن لال، رفیق، جعفر اور محمد سعید کے علاوہ دیگر شعرا بھی شامل تھے۔ تاہم مولانا آزاد نے جو نظمیں لکھیں وہ نیچرل شاعری کی بنیاد بنی۔ مولانا محمد حسین آزاد کی پوری شاعری کو ہی نیچرل شاعری سے یاد کیا جاتا ہے۔ محمد حسین آزاد کی دیگر نظموں کے علاوہ برسات، زمستان، تہذیب، امید، حب وطن اور قناعت وغیرہ موضوعی نظمیں انجمن پنجاب کے مشاعرے میں پڑھی گئیں۔ ان کی بیشتر نظموں میں مناظر فطرت کی دلکش تصویر کشی ملتی ہے۔ محمد حسین آزاد کی نظموں میں منظر نگاری، فطرت، حسن اور سادگی کی آمیزش ہے۔ آزاد نے اپنی شاعری کو روایتی حسن و عشق کے پھندے سے آزاد کرایا اور اس میں جدت پیدا کر کے اردو شاعری کو جدید روپ میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ آزاد کے ساتھ مولانا الطاف حسین حالی نے انجمن پنجاب کے مشاعرے میں نیچرل

شاعری کے متعدد نمونے پیش کیے جن میں نشاط امید، برکھارت، حب وطن اور مناظر رحم و انصاف شامل تھیں جبکہ حالی کی دوسری نظمیں بھی نیچرل شاعری کی عمدہ مثالیں پیش کرتی ہیں۔ان نظموں میں شکوہ ہند، مناجات بیوہ، چپ کی داد وغیرہ خاص ہیں جبکہ حالی کی معرکتہ الآرا نظم جو سر سید احمد خاں کی ایما پر لکھی گئی مدو جزر اسلام بھی اسی زمرے کی نظم ہے۔

انجمن پنجاب سے باہر بھی متعدد شعرا نے نیچرل شاعری کی عمدہ مثالیں پیش کیں۔ان شعرا میں سب سے پہلا نام اسماعیل میرٹھی کا لیا جاسکتا ہے۔اسماعیل میرٹھی نے تصور اور تخیل کے گورکھ دھندے میں پڑنے کے بجائے اپنے اطراف کا بخوبی مطالعہ کیا اور روز مرہ زندگی کے واقعات، منظر نگاری، ضرورت کی اشیا اور پالتو جانوروں کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا۔انہوں نے اکثر و بیشتر چھوٹی نظمیں بچوں کی نصابی ضرورتوں کے تحت لکھیں۔اس طرح کی نظموں میں اونٹ، کوا، عجیب چڑیا، گائے، کتا، جگنو اور بچہ اہم ہیں جبکہ انسان کی خام خیالی، آب زلال، جریدہ عبرت، آثار سلف وغیرہ نظمیں اسی زمرے میں رکھی جاسکتی ہیں۔اسماعیل میرٹھی کی دیگر نظموں میں ماں کی مامتا، صبح کی آمد، پن چکی، ثنائے الٰہی وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جو بچوں کی ذہانت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں۔ بارش کا پہلا قطرہ اسماعیل میرٹھی کی معروف و مشہور نظم نیچرل نظموں میں سے ایک ہے۔اردو نظم میں جدید اسلوب اور نیچرل شاعری کو فروغ دینے کے لئے باقاعدہ تحریک چلانے والوں میں مولانا عبدالحلیم شرر کا نام بھی معروف ہے۔انہوں نے کئی غیر مقفع نظمیں لکھیں جن میں فلپانہ اور مظلوم ورجینا جیسی غیر مقفع نظمیں شامل ہیں۔ان شعرا کے علاوہ اکبر الہ آبادی کو اردو نظم نگاری کے ارتقا میں منفرد مقام حاصل ہے۔انہوں نے اردو نظم نگاری کو طنز و مزاح کے اسلوب سے روشناس کر کے جدید نظم نگاری کی راہیں روشن کیں۔ چوں کہ اکبر الہ آبادی نے انگریزی نظموں کا بغور مطالعہ کیا تھا اس لئے اسی نہج کی نظمیں اردو میں لکھیں۔ان کی چھوٹی چھوٹی

نظموں میں فطرت کی مصوری کے اعلیٰ نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔ برق کلیسا اور جلوہ دربار دلی ان کی انفرادی نظموں میں شامل ہیں۔شاد عظیم آبادی، نظم طباطبائی، شوق قدوائی، وحیدالدین سلیم، درگا سہائے سرور جہان آبادی، نادر کاکوروی، منشی جوالا پرشاد برق، مہاراجہ کشن پرشاد شاداور پنڈت امرناتھ ساحراسی دور کے شعرامیں شامل ہیں۔ان کے علاوہ محمد اقبال، چکبست، تلوک چند محروم نے بھی نیچرل شاعری کے اعلیٰ نمونے پیش کرنے والے شعرامیں سرفہرست ہیں۔چکبست کی قابل ذکر وطنی نظمیں وطن، فریاد قوم، آواز قوم اور خاک ہند شامل ہیں۔ جب کہ تلوک چند محروم کی متعدد نظموں کے علاوہ علم اس زمرے کی معروف نظم ہے۔اقبال کی نظموں میں بچے کی دعا، ہمالہ، طلوع اسلام، شکوہ جواب شکوہ، پرندے کی فریاد، پہاڑ اور گلہری، ایک آرزو، ذوق وشوق، خضر راہ اسی زمرے کی نظمیں ہیں۔ بعد کے شعرا میں جوش ملیح آبادی، فراق گورکھپوری، اختر شیرانی اور ساغر نظامی جیسے متعدد شعرا نے نیچرل شاعری کے قافلے کو آگے بڑھانے کا کام کیا۔

3.11.7 خلاصہ

عزیز طلبا! اس سبق میں آپ نے اردو میں نیچرل شاعری کے تعارف کے طور پر نیچرل شاعر کے اولین شعرا، اس کے فروغ میں شامل انجمن پنجاب اور علی گڑھ تحریک کے متعلق معلومات حاصل کی ہے ساتھ ہی ساتھ نیچرل شاعری کے معروف شعرا اور ان کی تخلیقات کے بارے میں بھی پڑھا ہے۔ 1857 کے بعد سماجی اور اصلاحی تحریکوں نے ہندوستان میں متعدد سطحوں پر اثر ڈالا۔ چنانچہ ادب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہا اور اردو ادب بالخصوص نثر و نظم میں اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں اور نثر و نظم کے اصناف سے اصلاح کا کام لیا جانے لگا۔ نیچرل شاعری کے اولین شعرا کے ذکر میں قلی قطب شاہ اور نظیر اکبرآبادی کے کارنامے لائق تحسین ہیں خاص طور سے نظیر اکبرآبادی کو نظم نگاری کے زمرے میں سنگ

میل کی حیثیت حاصل ہے۔ان کے 1830 میں انتقال کے بعد ایک مدت تک نظم نگاری کے اس سمت میں کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ بہت دنوں بعد نظیر کی روش کو مولانا محمد حسین آزاد، مولانا الطاف حسین حالی اور اسماعیل میرٹھی جیسے شعرا نے آگے بڑھایا۔ 1965 میں انجمن پنجاب کے قیام کے بعد نیچرل شاعری کے زمرے میں نمایاں کارنامے انجام دیئے گئے۔ 1874 میں انجمن پنجاب کے مشاعروں میں مختلف موضوعات پر نظمیں پیش کی گئیں جن میں مولانا محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی کے علاوہ انور حسین ہما، مرزا اشرف بیگ خاں، اشرف دہلوی، مولوی قادر بخش، ولی دہلوی وغیرہ بھی شامل تھے۔مولانا الطاف حسین حالی کی اصلاح پسندانہ نظموں نے اس ضمن میں بہترین کارنامے انجام دیئے۔نیچرل شاعری سے جڑے ہوئے شعرا نے مبالغہ آمیزی، تصنع، بناوٹ اور لفاظی وغیرہ سے پرے ہٹ کر اصلاح کو بنیاد بنایا اور آسان زبان میں دل سے نکلنے والی اور ذہن پر چھا جانے والی شاعری کی۔علی گڑھ تحریک نے نیچرل شاعری کے ضمن میں انجمن پنجاب سے کندھے سے کندھا ملا کر ساتھ دیا خاص طور سے ان شعرا کی نظموں کو انسٹی ٹیوٹ گزٹ اور تہذیب الاخلاق جیسے اخبار و رسائل میں خصوصی طور سے شائع کر کے۔علی گڑھ تحریک سے جڑے ہوئے شعرا و ادبا میں سرسید کے علاوہ الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا شبلی نعمانی، محسن الملک، چراغ علی، ذکاء اللہ، وقار الملک، مسٹر آرنلڈ، دینا ناتھ گانگولی، منشی پیارے لال اور وحید الدین سلیم وغیرہ نے خاص طور سے اس مشن کو آگے بڑھایا۔ انجمن پنجاب اور علی گڑھ تحریک کے باہر بھی بعض شعرا نے نیچرل شاعری کی تحریک کو سمت و رفتار عطا کیا۔ ان میں سب سے معروف و مشہور نام مولوی اسماعیل میرٹھی کا ہے جنہوں نے نیچرل شاعری کے ضمن میں متعدد نظمیں کہیں۔ان کی نظمیں خاص طور سے بچوں کی نصابی کتب کے لئے کار آمد ثابت ہوئے۔ اسماعیل میرٹھی نے ضروری اشیا، پالتو جانور، مناظر فطرت اور قدرتی موضوعات کو اپنی نظموں کے موضوع

کے طور پر انتخاب کیا مثلاً ان کی نظمیں پن چکی، اونٹ، کوا، عجیب چڑیا، گائے، کتا، جگنو اور بچہ، خام خیالی، جریدہ عبرت وغیرہ کے علاوہ صبح کی آمد اور ثنائے الٰہی ایسی نظمیں ہیں جو بچوں کی ذہانت اور دلچسپی کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں۔ نیچرل نظموں کی زمرے میں مولوی اسماعیل میرٹھی کی معروف و مشہور نظم بارش کا پہلا قطرہ اپنی مثال آپ ہے۔ بعد کے شعرا میں عبدالحلیم شرر، اکبرالہ آبادی، شاد عظیم آبادی، نظم طباطبائی، شوق قدوائی، سرور جہاں آبادی، نادر کاکوروی وغیرہ کے علاوہ محمد اقبال اور تلوک چند محروم نے بھی نیچرل شاعری کے اعلیٰ نمونے پیش کئے ہیں۔

3.11.8 نمونہ امتحانی سوالات

1 نیچرل شاعری کے آغاز وارتقا سے اپنی واقفیت کا اظہار کریں

2 مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی کی نظم نگاری پر مختصر نوٹ لکھیے

3 نیچرل شاعری کے ضمن میں انجمن پنجاب اور علی گڑھ تحریک کی خدمات کا جائزہ پیش کیجئے

3.11.9 فرہنگ

تسلط	غلبہ، قابو
مصائب	مصیبت، پریشانی، دکھ، درد
میراث	وہ جائیداد وغیرہ جو مرنے والے کی طرف سے حقداروں کو ملے۔ ورثہ، ترکہ
فگار	زخمی، گھائل
علم بردار	پرچم بلند کرنے والا
خلا	خالی جگہ، کمی

مضایقہ	حرج، قباحت
تصنع	دکھاوا، بناوٹی
مینوفیسٹو	اعلان،منشور
روڈمیپ	خاکہ
مطمح نظر	مرکزنگاہ، مقصداصلی
موقت الشیوع	ٹھیک وقت پرشائع ہونے والا

3.11.10 مزیدمطالعہ کے لئے

1 کوثرمظہری، جدیدنظم: حالی سے میراجی تک

2 سیداحتشام حسین، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ

3 انورسدید، ادبی تحریکیں

4 سیفی پریمی،اسماعیل میرٹھی: حیات اورخدمات

اردو نظم پر مغربی اثرات

اکائی کی ساخت

3.12.1 تمہید
3.12.2 تعارف
3.12.3 ہندوستانی ادب پر مغربی اثرات
3.12.4 اردو زبان پر مغربی ادب کے اثرات
3.12.5 اردو نظم پر مغربی اثرات
3.12.6 خلاصہ
3.12.7 نمونہ امتحانی سوالات
3.12.8 فرہنگ
3.12.9 مزید مطالعہ کے لئے

3.12.1 تمہید

عزیز طلبا! یہ سبق اس اکائی کا آخری سبق ہے۔اس سے قبل اس اکائی کے دوسرے اسباق میں آپ جدید اردو نظم نگاری کے فروغ اور اردو میں نیچرل شاعری کے تعارف سے متعلق جانکاری حاصل کر چکے ہیں۔اردو نظم میں جدید رجحانات اور نیچرل شاعری کا تصور کن حالات میں پیدا ہوئے اور اس کے دور رس نتائج کی وجہ سے اردو شاعری بالخصوص نظم نگاری میں کیا تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان سبھی سوالوں کے جوابات مغربی زبان وادب کا ہندوستانی زبان وادب پر اثر میں مضمر ہے۔اس سبق میں آپ اردو نظم پر یورپی اثرات کا قدرے تفصیلی جائزہ لیں گے۔

3.12.2 تعارف

عزیز طلبا! انیسویں صدی کے نصف اول میں یورپی ممالک نے ہندوستانی سماج پر اپنا تسلط قائم کرنا شروع کر دیا تھا۔ ہندوستانی معاشرہ اپنی ثقافت اور طرز زندگی میں تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ایک طرف پرانی ثقافت ختم ہو رہی تھی تو دوسری طرف ابھی پوری طرح نئی ثقافت کی برکتیں نازل نہیں ہو پائی تھیں۔ان حالات میں ملک کے ذی شعور طبقے میں بے چینی پیدا ہو رہی تھی اور 1857 کا انقلاب یا غدر اسی کا نتیجہ تھا لیکن انقلاب کے نتائج بہت دور رس ثابت ہوئے اور ہندوستان پر مغرب بالخصوص برطانیہ کا تسلط پوری طرح قائم ہو گیا۔سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے صوبوں کی معاشی و سماجی ڈھانچے میں تبدیلی آئی۔ یورپ میں صنعتی انقلاب نے ان اثرات کو مزید گہرا کر دیا۔اس سماجی انقلاب کے وجود میں آنے سے ہندوستان کی بنیادی تہذیبی عناصر کو گہرا دھکا لگا۔جدید تعلیم نے جس کا انحصار مغربی زبان و مغربی تعلیم پر تھا نے مغربی تہذیب کو مزید مستحکم کرنے میں مدد کی۔1800 میں فورٹ ولیم کالج کا قیام، راجہ رام موہن رائے کے ذریعہ ایک انگریزی اسکول کا قائم کیا جانا، 1819 میں کلکتہ اسکول

سوسائٹی اور 1823 میں ان اسکولوں کی مالی امداد، ولیم بینٹک اور میکالے کی انگریزی کے ذریعہ تعلیم کی پر زور حمایت نے انگریزی تعلیم کے رجحان کو بڑھاوا دیا۔ بعض ہندوستانی زبان کے مفکرین کے مغربی زبان وادب کے مطالعے کے بعد ہندوستانی زبان وادب میں تبدیلی کی گنجائش محسوس کی۔ ان سب حالات کا ہندوستانی زبان وادب پر دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ عزیز طلبا! ان ہی اثرات نے اردو نظم نگاری میں نئے رجحانات کے امکانات پیدا کئے۔ اس سبق میں آپ ہندوستانی ادب پر مغربی اثرات، اردو زبان پر مغربی زبان کے اثرات اور بالخصوص اردو نظم پر مغربی اثرات کا اجمالی جائزہ لیں گے۔

3.12.3 ہندوستانی ادب پر مغربی اثرات

ہندوستان کے دوسرے مذہبی طبقات نے مغربی اثرات بالخصوص انگریزی تعلیم کو پہلے ہی اپنایا۔ ہاں مگر مسلمانوں نے اصولی طور پر انگریزی زبان و تعلیم کو قبول کرنے میں بہت دیر کی۔ 1876 میں علی گڑھ میں اینگلو اورینٹل کالج کھلا۔ اس سے پہلے ہندوستان میں برطانوی حکومت نے اعلی تعلیم اور اسکولی تعلیم کے ایسے بہت سے ادارے قائم کر دیئے تھے جس میں انگریزی زبان کی تعلیم ہو رہی تھی اور وہاں مغربی ادب کے افادی پہلوؤں سے استفادہ کیا جانے لگا تھا۔ ہندوستان میں اخبار ورسائل میں بھی ہندوستانی زبان وادب پر مغربی زبان وادب نے اثر ڈالا اور اس کا اثر سب سے پہلے بنگال میں دیکھنے کو ملا جہاں ہفتہ وار بنگال گزٹ جس کو کلکتہ جنرل ایڈورٹائز بھی کہا جاتا ہے جاری ہوا۔ 1816 میں بنگال گزٹ، 1818 میں بنگالی ماہنامہ اور دوردرشن وغیرہ کی شروعات نے بنگالی زبان پر مغربی اثرات مرتب کئے۔ اس اخبار اور گزٹ کے لکھنے والوں میں راجہ رام موہن رائے خصوصیت سے شامل تھے۔ بنگال ہیرالڈ 1829 میں جاری ہوا اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں چار زبانوں فارسی، ہندی، بنگالی اور انگریزی میں مضامین چھپتے تھے۔ ایک فارسی اخبار راجہ رام موہن رائے کے ذریعہ جاری کیا گیا تھا۔

اخبار مرأۃ الاخبار اور دوسرا فارسی اخبار جام جہاں نما میں مغربی زبان وادب کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ زبدۃ الاخبار، شمس الاخبار، سیرام پور اخبار، آئینہ سکندر، ماہ عالم افروز، سلطان الاخبار، مہر منیر اور سراج الاخبار وغیرہ ایسے اخبارات تھے جنھوں نے مغربی زبان وادب کو ہندوستانی زبان وادب کے نزدیک کیا۔ اردو اخباروں میں اردو آگرہ اخبار، دہلی اخبار، سیدالاخبار، صادق لاخبار، کریم الاخبار، اسدالاخبار، بنارس اخبار، آفتاب ہند اور کوہ نور کا تذکرہ بھی اس ضمن میں اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے علاوہ دو ماہنامے قران السیدین اور فوائدالناظرین بھی مغربی ادب کو ہندوستانی ادب کے نزدیک لانے میں اہم رول ادا کیا۔ واضح رہے کہ سنہ 1900 تک شمالی مغربی صوبوں میں اردو ہندی جریدوں کی تعداد 109 تک پہنچ گئی جن میں ستر رسائل وجرائد اردو کے اور بتیس ہندی کے تھے جو ذولسانی رسائل تھے وہ اردو ہندی میں چھپتے تھے۔

عزیز طلبا! آپ نے فورٹ ولیم کالج کا ذکر سنا ہی ہے جس کے ذریعہ مشرقی ومغربی زبانیں نزدیک آئیں۔ خاص طور سے وہاں داستانوی ادب (فکشن) نے کافی ترقی حاصل کیا۔ اس کے بانی گلکرسٹ نے انگریزی اور ہندوستانی لغات مرتب کئے جس کے دو حصے تھے۔ یہ لغت انمبرا سے شائع ہوا۔ گلکرسٹ کی دوسری تالیف کا تعلق ہندوستانی زبان کے قواعد سے ہے۔ ان ہی دنوں شکسپئر کے ڈراموں کے کچھ حصوں کا ترجمہ اردو زبان اور اردو رسم خط میں کیا گیا۔ گلکرسٹ کی ایک اور کتاب قواعد ولغت مشرقی زبان میں شائع ہوئی جس میں مکالمات، قصے اور نظمیں شامل تھیں۔ اس کے علاوہ دلی کالج میں بھی خصوصی طور سے ماسٹر رام چندر کی سربراہی میں متعدد مغربی علوم وفنون کی کتابوں کو اردو کے قالب میں ڈھالا گیا اور انہیں کالج کے نصاب میں شامل کیا گیا۔ غرض کہ علی گڑھ تحریک، اخبارات ورسائل اور مختلف علما ومفکرین کی ذہنی بالیدگی کی وجہ سے مغربی زبان وادب کا خاص اثر ہندوستانی ادب بالخصوص

اردو پر پڑا۔ سیاسی، سماجی، مذہبی مساوات، رواداری اور ادبی فرسودہ روایات سے آزادی وغیرہ ایسی برکتیں تھیں جو کسی نہ کسی شکل میں مغربی ادب سے اردو ادب میں داخل ہو کر اردو نثر و نظم کے سرمایے میں قابل قدر اضافہ کیا۔

3.12.4 اردو زبان پر مغربی ادب کے اثرات

اٹھارہویں صدی سے ہی ہندوستانی زبان وادب کے شعرا انگریزی زبان وادب کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے۔ عزیز طلبا! پچھلے صفحات میں کئی ایسے ادبا وشعرا کا ذکر آچکا ہے جس میں راجہ رام موہن رائے، ماٹر رام چندر اور کئی بنگلہ زبان سے تعلق رکھنے والے ادیب وشاعر بھی ہیں۔ بھارتیندو ہریش چندر جدید ہندی تحریک کے بانی کہے جاسکتے ہیں انہوں نے کئی زبانوں سے استفادہ کیا۔ ہندی میں قرآن شریف پر ایک مضمون لکھا۔ اردو زبان میں وہ رساؔ تخلص کرتے تھے اور اردو کی کئی نظمیں بھی لکھیں۔ 1866 میں انہوں نے بنارس میں ایک بڑا مشاعرہ بھی کیا تھا۔ وہ بھی مغربی زبان وادب بالخصوص انگریزی زبان وادب سے بہت متاثر تھے اور اس سے اردو ہندی میں استفادہ کیا۔ ایک زبان سے دوسری زبان میں اخذ وقبول ایک فطری عمل ہے اور زبانوں کی ترقی کے لئے یہ عمل جاری رہنا چاہئے۔ اس عمل سے اس زبان کی مختلف اصناف میں ترقی ہوتی ہے۔ چنانچہ جدید اردو نظم میں انگریزی سے اخذ وقبول کا سلسلہ جاری رہا۔ چوں کی انگریزی جاننے والا طبقہ حکمران طبقہ تھا اور اس میں تاجر، صناع، ادیب، شاعر، مؤرخ اور مذہبی مبلغین یورپی ممالک سے یہاں آتے رہے۔ ان کا یہاں کے باشندوں خصوصاً اردو عوام سے سابقہ پڑا اور یہی میل ملاپ اور کاروبار حیات نے اردو زبان وادب کو بہت سے قیمتی سرمایے عطا کیے۔ مغربی ادب کے اثرات سے قبل ہمارا ادبی سرمایہ زیادہ تر شعری اصناف میں تھا۔ نثری اصناف میں کم ہی نہیں نہایت کم۔ شعری اصناف زیادہ تر فارسی اور عربی کی تقلید میں آگے

بڑھی تھی۔ غرض کہ ہمارا ادب مقصدی اعتبار سے زیادہ تر شاعرانہ تھا جس کی نوعیت خارجی محاسن پر تھی۔ ادب زندگی کے نشیب وفراز اور قدرتی مناظر وغیرہ سے تقریباً عاری تھا۔

عزیز طلبا! آپ جان چکے ہیں کے نئی ادبی تحریک کے طور پر انجمن اردو پنجاب اور علی گڑھ تحریک نے اردو ادب میں نئی روح پھونکی اور اسے ایک نئے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ اس ادب سے ابلاغ، تنقید، علم اللسان، ادب اطفال اور نصابی کتابوں کا بھی کام لیا جا سکا۔ جدید طرز شاعری کی بنیاد مولانا محمد آزاد کی کوششوں سے انجمن پنجاب نے ڈالی جب حالی وہاں تشریف لے گئے اور جب انہیں مغربی ادب سے دلچسپی پیدا ہوئی تو بعض انگریزی نظموں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ چنانچہ ایک انگریزی نظم کے کچھ حصوں کا ترجمہ انہوں نے 'زمزمہ قیصری' کے نام سے کیا۔ اس نظم میں کل پینتیس بند ہیں۔ حالی نے ادبی ایمانداری کا ثبوت دیتے ہوئے اس نظم سے پہلے ایک نوٹ لکھا جو انگریزی ادب کی اہمیت اور اردو میں اس کے ترجمے کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ حالی نے لکھا ہے

> ''یہ نظم ایک انگریزی پویم کے تین حصوں سے اول حصے کا منظوم ترجمہ ہے۔ شاید مسٹر اسٹوک اس کے مصنف ہیں۔ پہلے حصے میں ہندوستان اور مسلمان بادشاہوں اور انگریزی سلطنت کا ذکر ہے۔ دوسرے حصے میں تمام ہندوستانی رئیسوں کا جو دربار قیصری میں شریک ہوئے تھے عموماً اور حضور نظام کا خصوصاً تذکرہ ہے۔ مصنف نے بعض مسلمان بادشاہوں پر نقطہ چینی بھی کی ہے۔ ناظرین اسے دیکھ کر مجھ سے خوش یا ناراض نہ ہوں۔ میرا صرف اتنا قصور ہے کہ میں نے ان خیالات کو ایک ایسی زبان میں نظم کر دیا ہے جس کو میرے ہم وطن عموماً سمجھ سکتے ہیں''۔

مذکورہ اقتباس سے حالی کی بردباری اور ادبی ایمانداری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ نظم جو انگریزی نظم کا باضابطہ ترجمہ ہے کچھ حصہ مثال کے لئے پیش کیا جاتا ہے

اے حصار عافیت اے کشور ہندوستاں زیب دیتا ہے اگر کہئے تجھے سارا جہاں
ایک طرف کھینچی ہے قدرت نے تیری دیوا کو موجزن ہے ایک جانب تیرا بحر بیکراں
چوٹیوں پر ہے پہاڑوں کی وہ عالم برف کا ہے صدا چھایا ہوا جس پر خموشی کا سماں

آگے چل کر اسی نظم میں تاریخی حقائق و واقعات سے کام لیتے ہوئے مسلم دور حکومت کا ذکر کرتے ہیں

پھر ہوا اسلام کے اقبال کا تارا بلند جانب ہندوستاں محمود نے ہانکا سمند
وہ مسلمانوں کے حق میں ابر رحمت تھا مگر ہندوؤں کے دل رہے اس کے ستم سے دردمند
وہ پہنچا تھا جہاں ہوتی تھی واں آفت بپا اور جلتا تھا جلو میں اس کے آسیب و گزند
جب وہ آیا تھا تو سرتاپا گلستاں تھا یہ ملک جب گیا یہاں سے تو مثل دشت ویراں تھا یہ ملک

حالی نے انگریزی تعلیم کے سبھی مثبت پہلوؤں کی اور مغربی تہذیب کے بہتر نقوش کو سراہا تو ہے مگر انہیں مشرقی تہذیب وتمدن زیادہ عزیز تھی۔ دیگر شخصیتوں نے انگریزی ادب کے فن پاروں کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی اور اس سے استفادہ بھی کیا ان میں ماسٹر رام چندر، مولانا محمد حسین آزاد، مولانا شبلی نعمانی، ڈپٹی نذیر احمد اور منشی ذکاء اللہ خاص طور سے شامل ہیں۔ انجمن پنجاب کے مشاعروں میں زیادہ تر نظمیں ایسی ہوتی تھیں جن پر انگریزی ادب کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوتا تھا۔ نظم طباطبائی نے گرے کی مشہور نظم ایلچی کا ترجمہ گور گریباں کے نام سے براہ راست کیا ہے۔ یہ نظم پہلی بار 1897 میں دلگداز میں مولانا عبدالحلیم شرر کے تعارفی نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی۔ اس مقبول ترجمے کے

بعداور بھی کئی نظمیں ترجمہ یا تالیف کی گئیں جن میں زمزمہ بہاراور دولت خداداد شامل ہیں۔لانگ فیلو کی بعض نظموں کے منظوم ترجمے بھی نظم طباطبائی نے کئے تھے۔ان کے علاوہ اکبرالہ آبادی کی نظم روانی آب بھی اسی قسم کی ہے۔عبدالحلیم شرر نے آزاد نظم کی صورت میں ڈرامے کے پہلے سین کا ترجمہ کیا۔اس کے بعد بقیہ سین کے ترجمے بھی شائع ہوئے۔شرر اور نظم طباطبائی کے منظوم ترجموں سے اردو شعرا کی ایک بڑی تعداد نے انگریزی نظموں کے ترجمے کئے۔ان نظموں کا مجموعہ ارمغان فرنگ کے نام سے 1901 میں شائع ہوا۔محمد اظہر علی آزاد کاکوری نے شکسپیر کے ڈرامے A mid summer nights dream کا اردو ترجمہ جام الفت کے نام سے کیا۔شکسپیر کے ہی ایک ڈرامے کا ترجمہ محمد امتیاز علی نے جہاں گیر کے نام سے کیا تھا۔انگریزی ڈراموں اور فکشن کے ترجموں کے علاوہ انگری نظموں کے ترجمے اور طبع زاد نظمیں کہنے کا رواج عام ہوگیا۔مغربی علوم وادبیات کو اردو میں متعارف کرانے اور ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے کئی سطحوں پر کوششیں ہوئیں۔لاہور بک ڈپو کا دارالترجمہ بھی اسی ضمن میں بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔اس دارالترجمہ میں انگریزی کتابوں کا اردو ترجمہ تو انگریز ہی کیا کرتے تھے لیکن زبان و بیان کو درست کرنے کے لئے مقامی سطح پر منشی بھی بحال کئے گئے تھے۔قیام لاہور کے دوران چار سال تک حالی نے بھی یہ کام کیا۔آزاد تو حالی سے پہلے ہی اس نوعیت کے بہت سے کام کر چکے تھے۔

3.12.5 اردو نظم پر مغربی اثرات

انگریزی شاعری کے ترجمے کا اردو پر بھی بہت تیزی سے اثر ہوا کیوں کہ انگریزی شعرا کے منفرد موضوعات اور مختلف ہیئتوں نے اردو شاعروں کی تقلید و استفادے کی طرف کھینچ لیا بالخصوص انگریزی شعرا کی فطرت نگاری، منظر نگاری اور تخیل نے خاص طور سے اردو شعرا کو اپنی طرف راغب کیا۔انگریزی

کی معری نظموں نے بیانیہ شاعری میں قافیے کی لازمیت سے نجات دلائی۔ عزیز طلبا! آپ پڑھ چکے ہیں کہ اردو شعرا میں انگریزی ادب سے استفادہ کے لحاظ سے مولانا محمد حسین آزاد کو اولیت حاصل ہے۔ انہوں نے پہلی بار اردو میں معری نظموں کا تجربہ کیا۔ ان کی نظم جغرافیہ اس ہیئت کی پہلی اردو نظم ہے۔ حالا ں کہ یہ ادب اطفال کا حصہ ہے تاہم اپنی نوعیت کے لحاظ سے تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔ نظم کا پہلا بند ملاحظہ کیجئے

ہنگامہ ہستی کو گر غور سے دیکھو تم
ہر خشک و تر عالم صنعت کے تلاطم میں
جو خاک کا ذرہ ہے یا پانی کا قطرہ ہے
حکمت کا مرقع ہے جس پر قلم قدرت
انداز سے ہے جاری اور کرتا ہے گلکاری
اک رنگ کہ آتا ہے
سو رنگ دکھاتا ہے

اس کے علاوہ آزاد نے ایک اور انگریزی نظم کا ترجمہ جذبہ دوری کے عنوان سے کیا ہے۔

عزیز طلبا! مولانا محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی کے علاوہ اسماعیل میرٹھی، عبدالحلیم شرر، نظم طباطبائی اور محمد اقبال نے بھی انگریزی نظم سے استفادہ کے ساتھ ساتھ ان کے ترجمے بھی کئے۔ اسماعیل میرٹھی کی نظم میں چڑیا کے بچے اور تاروں بھری رات معری نظم کی عمدہ مثال پیش کرتی ہیں۔

دو تین چھوٹے بچے چڑیا کے گھونسلے میں
چپ چاپ لگ رہے ہیں سینے سے اپنی ماں کے

چڑیا نے مامتا سے پھیلا کے دونوں بازو
اپنے پروں کے اندر بچوں کو ڈھک لیا ہے.
اس طرح روز مرہ کرتی ہے ماں حفاظت
سردی سے اور ہوا سے رکھتی ہے گرم ان کو
لیکن چڑا گیا ہے چگا تلاش کرنے
دانہ کہیں کہیں سے پونے میں اپنے بھر کر
جب لائے گا تو بچے منہ کھول دیں گے جھٹ پٹ
ان کو بھرائے گا وہ ماں اور باپ دونوں
بچوں کی پرورش میں مصروف ہیں برابر

معری نظم کو مقبول کرنے کے لئے مولانا عبدالحلیم شرر نے باقاعدہ تحریک چلائی۔ اس کے لئے انہوں نے اپنے معروف رسالے دلگداز کا خوب خوب استعمال کیا۔ ان کے علاوہ نظم طباطبائی بھی نظم معری کو رائج کرنے والوں میں پیش پیش تھے۔ طباطبائی کے علاوہ پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی نے تہنیت کامیابی کے نام سے ایک نظم لکھی۔ انہوں نے ملٹن، ٹینس اور شکسپیر کی کئی نظموں کا بھی معری ترجمہ کیا

بعد کے نظم گو شعرا میں علامہ اقبال نے انگریزی نظموں سے اخذ و قبول کا سلسلہ جاری رکھا۔ چنانچہ ان کے پہلے مجموعہ کلام بانگ درا کی متعدد نظمیں اس کی مثال پیش کرتی ہیں۔ ایک مکڑا اور مکھی، پہاڑ اور گلہری، ہمدردی، ماں کا خواب، پیام صبح، عشق اور موت، نامہ فراق وغیرہ اسی نوعیت کی نظمیں ہیں۔ نظم پہاڑ اور گلہری سے چند اشعار ملاحظہ کریں

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے — تجھے ہو شرم تو پانی میں جا کے ڈوب مرے

یہ عقل اور یہ سمجھ ، یہ شعور ، کیا کہنا ذراسی چیز ہے ، اس پر غرور، کیا کہنا
جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں خدا کی شان ہے ناچیز بن بیٹھیں
زمیں ہے پست مری آن بان کے آگے تری بساط ہے کیا میری شان کے آگے

حالاں کہ اس کی بنیاد حالی نے فراہم کی تھی۔قیام لاہور کے دوران حالی کا انگریزوں سے بہت قربت کا واسطہ رہا اور وہیں وہ انگریزی نظموں کی وسعت سے آشنا بھی ہوئے۔انھوں نے اردو نظمیہ شاعری میں وسیع النظری عملی کوششیں بھی کیں۔اسلوب اور ہیئت،مواد اور موضوع،تازہ کاری و کشادگی ہر لحاظ سے۔حالاں کہ انہیں لاہور کے سفر سے قبل انگریزی زبان وادب کا کچھ علم نہیں تھا لیکن ان کی طبیعت اور ادبی ذوق نے انگریزی سے رشتہ جوڑنے پر مجبور کیا۔انھوں نے خود اس کا اعتراف کیا ہے۔

''مجھ کو مغربی شاعری کے اصول سے نہ اس وقت کچھ آگاہی تھی اور نہ اب ہے اور نیز میرے نزدیک معری شاعری کا پورا پورا تتمہ ایک ایسی نامکمل زبان میں جیسی کہ اردو ہے ہو بھی نہیں سکتا۔البتہ کچھ تو میری طبیعت مبالغہ اور اغراق سے بالطبع نفور تھی اور کچھ اس نئے چرچے نے اس نفرت کو زیادہ مستحکم کر دیا''۔

مولانا حالی نے کئی شاہکار نظمیں پیش کی ہیں۔ان کی ایک نظم جو اردو نظم نگاری میں سلاست و روانی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے 'برکھارت' ہے جس میں سارے مشاہدوں کو سمیٹ کر انھوں نے حسین منظر میں ترتیب دے دیا ہے۔چند اشعار ملاحظہ فرمائیں

آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی
جنت کی ہوائیں آرہی ہیں گھنگھور گھٹائیں چھارہی ہیں

کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی   قدرت ہے نظر خدا کی آتی
سورج نے نقاب لی ہے منہ پر   اور دھوپ نے تہہ کیا ہے بستر
باغوں نے کیا ہے غسل صحت   کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت

مذکورہ شعرا کے علاوہ تلوک چند محروم، سرور جہان آبادی، چکبست، اکبرالہ آبادی، جوش اور آگے چل کر دوسرے شعرا کی ایک بڑی تعداد نے مغربی شعروادب سے استفادہ کر کے اردو نظم کو وسعت بخشی۔ ان سبھی شعرا نے انگریزی نظموں کے موضوع اور مواد، انداز فکر، طرز اور ساخت و ہیئت کی تقلید کی، اخذ وقبول سے کام لیا اور استفادہ وترجمے کے عمل سے اردو نظم کو بامعنی اور خوشگوار وسعت بخشی۔

3.12.6 خلاصہ

عزیز طلبا! اس سبق میں آپ نے ہندوستانی زبانوں کے ادب پر مغربی زبانوں کے ادب کے اثرات کا جائزہ لیا بالخصوص یورپی ادبیات کے اثرات کو اردو ادب نے کس قدر قبول کیا اور اردو نظم پر یورپی زبانوں خاص کر انگریزی نظموں کا کیا اثر پڑا۔ آپ جانتے ہیں کہ اردو میں نیچرل شاعری کا آغاز سماجی و اصلاحی تحریکات کی وجہ سے ہوا اور ان تحریکات نے خاص طور سے اردو نظم پر اپنے اثرات مرتب کئے۔ جن ادبی تحریکوں نے اردو نظم ونثر میں مثبت تبدیلی کی راہیں ہموار کیں ان میں انجمن پنجاب اور علی گڑھ تحریک خاص ہیں۔ انیسویں صدی کے شروع میں انگریزی ذریعہ تعلیم کے اسکول قائم ہونے شروع ہوئے اور ولیم بینٹک و میکالے کی پرزور حمایت نے انگریزی تعلیم کی رجحان کو مزید بڑھاوا دیا۔ 1857 کے انقلاب کے بعد ہندوستانی سماج اور ادب میں سب سے پہلے تبدیلی بنگلہ زبان میں دیکھنے کو ملی۔ اس کے بعد ہندوستان کی باقی زبانوں نے بھی مغربی زبان وتہذیب کا اثر قبول کیا خاص طور سے اخبارات ورسائل نے اس تحریک کو مزید تقویت پہنچائی۔ گلکرسٹ کی تحریکات نے انگریزی اور ہندوستانی

زبانوں کو نزدیک لانے میں اہم رول ادا کیا۔ اس کے علاوہ عصری تعلیم بالخصوص سماجی اور سائنسی تعلیم کی رجحانات نے اس تحریک کو مزید تقویت بخشی اور اس کے لئے کئی کالجز اور اداروں خاص طور سے دلی کالج میں ماسٹر رام چندر کی سربراہی میں انگریزی کی نصابی کتابوں کے ترجمے کئے گئے۔ ان تحریکات میں راجہ رام موہن رائے، ماسٹر رام چندر اور بھارتیندو ہریش چندر نے اہم رال ادا کئے۔ نیچرل شاعری اور نظم معری کا چلن جب عام ہوا تو مذکورہ دونوں انجمنوں انجمن پنجاب اور علی گڑھ تحریک نے اردو ادب میں نئی روح پھونکی۔ اس کی بنیاد مولانا محمد حسین آزاد اور حالی وغیرہ نے ڈالی تھی۔ حالی نے انگریزی کی کئی نظموں کا اردو میں آزاد ترجمہ کیا۔ حالی کے علاوہ مولانا شبلی، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ، مولانا عبدالحلیم شرر، نظم طباطبائی وغیرہ نے انگریزی کی معروف ومشہور نظموں اور شکسپئر کے ڈراموں کو اردو کے قالب میں ڈھالا۔ اس ضمن میں لاہور بک ڈپو کے دارلترجمہ نے بھی اہم رول ادا کئے۔ اس کے زیر اثر معری نظموں کی بنیاد پڑی۔

عزیز طلبا کئی معری نظموں کی مثال آپ نے اس سبق میں پڑھا ہے۔ ان دو تحریکوں کے علاوہ بھی انفرادی طور پر بہت سے شعرا و ادبا نے انگریزی ادب سے بالخصوص انگریزی نظموں سے استفادہ کرکے بچوں کی نصابی نظمیں لکھیں اور نیچرل شاعری کے اعلی نمونے پیش کئے۔ اس میں قلق میرٹھی اور اسماعیل میرٹھی کے نام بطور خاص لئے جاسکتے ہیں۔ بعد کے شعرا میں اس راہ پر چلنے والوں میں محمد اقبال، تلوک چند محروم وغیرہ نے اسلوب و ہیئت مواد و موضوع کے لحاظ سے کئی اہم تجربات کئے۔ اس زمرے میں سرور جہان آبادی، برج نرائن چکبست، اکبر الہ آبادی اور جوش ملیح آبادی کی خدمات کو بھی سراہا جاسکتا ہے۔

3.12.7 نمونہ امتحانی سوالات

1 ہندوستانی ادب پر مغربی اثرات کا جائزہ لیجئے۔

2 انگریزی نظموں سے کن شعرانے سب سے زیادہ اثر قبول کئے۔ مختصراً بیان کیجیے۔

3 مولانا محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی کی خدمات پر مختصر نوٹ لکھئے

3.12.8 فرہنگ

تسلط	غلبہ، قابو
مستحکم	مضبوط، پکا
صناع	کاریگر، ہنرمند
حصار	احاطہ، گھیرا
کشور	ملک، دیش
سمند	گھوڑا
زمزمہ	ترنم،نغمہ،ترانہ، گیت
تلاطم	موج، لہر
تتمہ	بقیہ، بچاہوا
اغراق	مبالغہ، بڑھاچڑھا کر بیان کرنا
گزند	نقصان، دکھ، آفت

3.12.9 مزید مطالعہ کے لئے

1 سید احتشام حسین، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ

2 کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک

3 سیفی پریمی، اسماعیل میرٹھی: حیات وخدمات

4 حامدی کاشمیری، جدید اردو نظم اور یورپی اثرات

مذکورہ شعرا کا تنقیدی مطالعہ

4.1.1 تمہید

4.1.2 تعارف

4.1.3 حالی بحیثیت شاعر

4.1.4 اقبال بحیثیت نظم نگار

4.1.5 تلوک چند محروم کی شاعری کا تجزیہ

4.1.6 جوش ملیح آبادی کی نظم نگاری کا تنقیدی جائزہ

4.1.7 فیض احمد فیض کی انفرادیت

4.1.8 اختر الایمان کی ایک جدید نظم گو شاعر

4.1.9 ن م راشد کی نظم نگاری کا تنقیدی جائزہ

4.1.10 خلاصہ

4.1.11 فرہنگ

4.1.12 نمونہ امتحانی سوالات

4.1.13 مزید مطالعہ کے لئے

4.1.1 تمہید

عزیز طلبا! اس سبق میں آپ نے نظم جدید کے معروف شعرا کی حالات زندگی، ان کی خدمات اور ان کی نظم نگاری سے متعلق مطالعہ کیا ہے اور ان ہی شعرا کی کئی معروف و مشہور نظموں کی تشریح و توضیح بھی کی ہے۔ اس پیپر کے اس چوتھی اکائی میں ان ہی شعرا کی خدمات اور ان کی شخصیت پر تنقیدی نظر ڈالی جائے گی جن شعرا کا اس سبق میں مطالعہ کریں گے ان میں الطاف حسین حالی، محمد اقبال، تلوک چند محروم، جوش ملیح آبادی، فیض احمد فیض، اختر الایمان اور ن م راشد بطور خاص شامل ہیں۔

4.1.2 تعارف

عزیز طلبا! آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کی ناکامی کے پس منظر میں بہت سی سماجی، ادبی اور اصلاحی تحریکیں وجود میں آئیں۔ کچھ تحریکوں نے معاشی اور سیاسی محاذ پر اصلاح کرنے کی کوشش کی اور کچھ تحریکوں نے علمی اور ادبی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ ان ہی تحریکوں کے پس منظر میں اردو ادب خاص طور سے اردو شاعری میں نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔ ان تبدیلیوں کے پیش نظر اردو شاعری بالخصوص اردو نظم نگاری میں جدید رجحانات اور خیالات کی عکاسی ہونے لگی۔ جن شعرا نے جدید اردو نظم نگاری میں ابتدائی اور بنیادی خدمات انجام دیں ان میں مولانا محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، قلق میرٹھی اور اسماعیل میرٹھی وغیرہ کا نام بطور خاص لیا جاسکتا ہے جبکہ جدید نظم نگاری کے فروغ میں مذکورہ شعرا کے بعد بھی متعدد شعرا نے اپنی خدمات پیش کیں۔ ان شعرا میں تلوک چند محروم، اکبر الہ آبادی، محمد اقبال، پنڈت برج نرائن چکبست، سرور جہان آبادی، جوش ملیح آبادی، فیض احمد فیض، اختر الایمان اور ن م راشد کے علاوہ بھی شعرا کی ایک لمبی فہرست ہے۔ عزیز طلبا! اس سبق میں ہم جدید نظم نگاری کے فروغ میں ان شعرا کا تنقیدی جائزہ لیں گے جن کی نظم نگاری اور ان کی نظموں کا مطالعہ آپ پچھلی اکائیوں اور اسباق میں کر چکے ہیں۔

4.1.3 حالی کی بحیثیت شاعر

عزیز طلبا! اس پیپر میں سب سے پہلے جس شاعر سے متعلق اوران کی نظموں سے متعلق آپ نے مطالعہ کیا ہے وہ جدید نظم نگاری کے بنیاد گزاروں میں سے ہیں میری مراد مولانا الطاف حسین حالی سے ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی پانی پت موجودہ ہریانہ میں پیدا ہوئے۔ حصول تعلیم کی جدو جہد میں مختلف شہروں کے خاک چھانے اور فکر معاش میں کبھی دلی اور کبھی لاہور میں قیام کیا۔ اردو زبان وادب میں اپنی جستجو اور محنت سے وہ مقام پیدا کیا جو شاید ہی کسی شاعر اور ادیب کے حصے میں آیا۔ حالی نے سوانح نگاری اور تنقید کے حوالے سے بنیادی کام کیا جو اردو نثری ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نثر کے علاوہ اردو شاعری بالخصوص جدید نظم نگاری میں انہوں نے پرانی طرز شاعری سے ہٹ کر جدید نظم نگاری کی بنیاد ڈالی اور خود بھی اس سمت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور دوسروں کے لئے مشعلِ راہ بنے۔ حالی نے اس زمانے میں اردو شاعری کی الگ راہ بنائی جس زمانے میں حسن و عشق، زلف و رخسار اور گل وبلبل کے گھسے پٹے مضامین باندھے جاتے تھے۔ حالی نے ادب برائے زندگی کے نظریے کے تحت نظم نگاری کو سماجی اصلاح کے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ حالی کے متعلق سید احتشام حسین نے اپنی کتاب 'اردو ادب کی تنقیدی تاریخ' میں لکھا ہے

> ''حالی شاعری کے ذریعہ بیداری کا پیغام دینا چاہتے تھے اور اس وقت شعر گوئی کا ایسا انحطاط ہو چکا تھا کہ لوگ محض لفظی گورھ دھندا، صنائع اور چٹ پٹی باتوں میں مزہ پانے کو شاعری کا مقصد سمجھتے تھے اس لئے حالی کی بڑی مخالفت کی گئی اور ان کے نقطہ نظر کی سخت تنقید کی گئی مگر حالی اپنے دھن کے پکے تھے۔ انہوں نے اپنا راستہ نہیں چھوڑا۔ یقینی طور پر ترقی کی تاریخی طاقتیں ان کو مدد دے رہی تھیں اس لئے

تھوڑے مدت کے بعد متوسط طبقے کے تعلیم یافتہ حصے میں ان کی نظمیں بڑی چاؤ سے پڑھی جانے لگی"۔

سید احتشام حسین، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، ص228

عزیز طلبا! یہ بتایا جا چکا ہے کہ حالی صرف ایک شاعر ہی نہیں تھے بلکہ ایک بڑے نقاد بھی تھے اور سستی شہرت کے لئے بنے بنائے پرانے ڈھرے پر چل کر شہرت حاصل کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ شاعری سے کچھ اصلاحی کام لینا چاہتے تھے۔ اس لئے اپنے مخالفوں کی تلخ تنقید کے باوجود اپنے نئے اسلوب سخن اور اس کے مقاصد کی تبلیغ کرتے رہے اور گزرتے وقت نے تعلیم یافتہ طبقے کو حالی کی برتری کا احساس دلایا۔ حالی کے متعلق کچھ نقادوں نے غیر مناسب تبصرہ بھی کیا ہے اور اس سے زیادہ معاصرین نے ان کی تعریف بھی کی مثلاً معروف و مشہور نقاد کلیم الدین احمد نے حالی کی فہم و ادراک اور ادبی شعور پر تیکھی تنقید کی ہے تاہم اگر ہم حالی کے تمام نثر و نظم کے سرمایے اور عصری رجحانات کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ حالی نے اپنے عہد میں محدود تعلیمی وسائل کے باوجود کچھ ایسے کارنامے انجام دیئے اور کچھ ایسی معرکۃ الآرا نظمیں لکھیں جو رہتی دنیا تک طلبا، شعرا اور عام قاری کے لئے مشعل راہ بنیں گے۔

4.1.4 اقبال کی بحیثیت نظم نگار

عزیز طلبا! علامہ اقبال سیالکوٹ موجودہ پاکستان میں پیدا ہوئے۔ ان کے اجداد کشمیری برہمن تھے۔ فلسفہ میں ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد جرمنی سے انہوں نے پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔ یورپ کے سفر نے ان کی سیاسی، عملی اور ادبی زندگی کو بدل کر رکھ دیا۔ انہوں نے پنجاب کی سیاست میں بھی حصہ لیا اور 1931 میں گول میز کانفرنس میں شامل ہوئے۔ 1938 میں ان کا انتقال ہوا۔ علامہ اقبال کی زندگی اور شاعری پر اساتذہ، بعض عالمی رہنماؤں اور صوفی و بزرگوں کا اثر رہا لیکن حضرت محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کی زندگی نے اور اسوہ حسنہ نے ان کو زیادہ متاثر کیا۔ علامہ اقبال کی شاعری کو خصوصی طور سے تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ سرسید اور حالی کی اصلاح پسند تحریک نے بھی شاعری پر اثر ڈالا۔ علامہ اقبال نے شروع میں اپنی غزلیں داغ دہلوی کو اصلاح کے لئے بھیجی۔ جیسا کہ بتایا گیا علامہ اقبال مشرقی اور مغربی فلسفے کے مکتب فکر سے پوری طرح واقف تھے۔ عالمی مذاہب سائنسی ترقیات اور تہذیب و ثقافت کے علاوہ عالمی طور پر سیاسی تبدیلیوں سے بھی پوری طرح آشنا تھے جس کا اثر ان کی متعدد نظموں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اسلامی فلسفیوں کے علاوہ وہ افلاطون، نٹشے، آئن اسٹائن سے کافی متاثر نظر آتے ہیں۔ علامہ اقبال کا سیاسی اور انتظامی اعتبار سے پوری دنیا میں نظم وضبط اور حکمرانی کا ایسا انتظام چاہتے تھے جو اسلامی اصولوں پر مبنی ہو اور نوع انسانی کی فلاح و بہبود عالمی مساوات پر قائم ہو۔ وقت کے ساتھ علامہ اقبال کی شاعرانہ تخیلات اور ترجیحات میں تبدیلی ہوتی رہی۔ ابتدائی شاعری میں ہم عصر شعرا کی غزلوں کا رنگ دکھائی دیتا ہے مثلاً۔

؎ تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں — میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

تمہارے پیامی نے سب بھید کھولا — خطا اس میں بندے کی سرکار کیا تھی

اس کے بعد کی نظموں میں قومی آہنگ نظر آتا ہے۔ ہندوستان کی عظمت، تاریخ وثقافت اور رنگا رنگی کو ابتدائی نظموں میں دیکھا جا سکتا ہے مثلا ہمالہ، نیا شوالہ، قومی گیت، قومی ہمدردی وغیرہ۔ تاہم یورپ جانے کے بعد ان کے نظریات میں نمایاں تبدیلی ہوئی اور اب ان تبدیلیوں اور تصورات کے پیش نظر شاعری میں الگ رنگ نظر آنے لگا اور اس کے بعد جو نظمیں لکھیں وہ عالمی سیاست اور اسلامی تاریخ و تہذیب وتمدن اور فلسفیانہ تصورات پر مبنی نظر آتی ہیں۔ اقبال نے زندگی کے ہر سنجیدہ مسائل پر نظر ڈالی ہے خاص کر روحانی قوت، انسانی عرفان، خودی، رموزِ بے خودی، فوق البشر وغیرہ۔ اب وہ انسان کو

فرشتوں پر ترجیح دیتے نظر آتے ہیں۔مثلاً

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

نہ مجھ سے پوچھ خانماں برباد رہنے کی نشیمن سیکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں

اردو میں علامہ اقبال کے چار مجموعہ کلام بانگ درا، بال جبریل،ضرب کلیم اور ارمغان حجاز شائع ہوئے جبکہ فارسی کلام کے مجموعے کے ساتھ ساتھ فارسی اور اردو میں دیگر کئی تخلیقات بھی موجود ہیں۔

4.1.5 تلوک چند محروم کی شاعری کا تجزیہ

تلوک چند محروم کی پیدائش عیسی خلیل ایک کے چھوٹے سے گاؤں میں ہوئی۔اسکولی تعلیم میں انہوں نے بہت ہی نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور میٹرک کے بعد ہی ٹریننگ حاصل کر کے استاد کی حیثیت سے اپنے پیشہ وارانہ زندگی کا آغاز کیا۔تلوک چند محروم کو شاعری کا شوق بچپن سے ہی تھا۔چنانچہ انہوں نے اسکول کے زمانے میں ہی کئی چھوٹی بڑی نظمیں کہیں۔محروم کو قدرتی مناظر اور فطرت کے عناصر پر نظمیں کہنے کا گر آتا تھا۔محروم اکثر و بیشتر زندگی کی خوشیوں سے بھی محروم رہے بعض دفعہ گھریلو پریشانیوں اور مصائب کو لے کر اور کئی بار ملازمت کی وجہ سے۔1943 میں ملازمت سے سبک دوش ہو کر راولپنڈی کے ایک کالج میں اردو فارسی کے لکچرار مقرر ہوئے۔تقسیم ہند کے بعد دہلی میں 'تیج' اخبار میں ملازمت کی۔1962 میں بیمار ہوئے اور 1966 میں تلوک چند محروم کا انتقال ہوا۔تلوک چند محروم نے مولانا محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی کی نظم جدید کی تحریک کو آگے بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ محروم کی شاعری کا اجمالی جائزہ لیا جائے تو ان کی نظموں میں مختلف النوع موضوعات کی نظمیں ملیں گی۔محروم نے خود ہی اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ قدرتی مناظر اور فطری عناصر کے

موضوعات، ان کے مزاج اور افتادِ طبع سے میل کھاتے ہیں۔ محروم نے نظم نگاری میں منفرد آہنگ پیدا کیا۔ ہم اس آہنگ کو محروم کی آواز کہہ سکتے ہیں۔ محروم کی نظم نگاری اور شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے فراق گورکھپوری نے لکھا ہے:

> ''ان کی نظموں میں ایک باکمال ماہرِ فن کا سا جادو ہے۔ فکر و فن کبھی انہیں دھوکا نہیں دیتے۔ وہ جوشِ جنوں میں بھٹکتے نہیں۔ ایک سلجھے ہوئے دنیاوی بشر کی سی سنجیدگی اور متانت ان کا حصہ ہے۔ صحت مندی ان کی شاعری کا وصف اعلی ہے۔ محروم صاحب نے اب تک کوئی ایک ہزار منظومات کہی ہیں۔ ان میں شاعر کی ذات بہ نفسِ نفیس موجود ہے''۔

ادب طفال بھی محروم کی شاعرانہ خوبیوں کا حصہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے بچوں کے لئے بالخصوص ان کی نصابی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بہت ہی اچھی اور منفرد نظمیں لکھی ہیں۔ محروم کو شاعری کا کینوس نظم نگاری کے میدان میں بہت ہی پھیلا ہوا ہے۔ کئی بار انہوں نے نظم کی پابندی سے الگ ہٹ کر آزاد نظمیں کہنے کی کوشش کی ہیں۔ محروم کو محاکات نگاری میں منفرد مقام حاصل ہے۔ کئی ہم عصر ادبا و شعرا نے محروم کی نظم نگاری کی تعریف کی ہے۔ بعض ہم عصروں نے ان کی نظم نگاری میں ان کی محاکات نگاری کا بھی جائزہ لیا ہے۔ محروم نے نظموں کے علاوہ غزلیں بھی لکھیں جن کی حیثیت منفرد ہے۔ اس کے علاوہ محروم نے بہت سی رباعیاں لکھی ہیں جو مختلف مضامین مثلاً روداد محبت، صوفیانہ خیالات و نظریات، انسانی ہمدردی اور فلسفہ حیات سے متعلق رباعیاں کہی ہیں۔ ان کی رباعیاں معاشرے کی اصلاح کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں۔ تاہم رباعیاں فطرت نگاری اور منظر نگاری کے لحاظ سے شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں۔ محروم کی رباعیوں میں فکر و احساس کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ مثال کے لئے دو رباعیاں پیش کی جاتی ہیں

جو راستہ رہبر ازل دکھلائے
عقل اس پہ چلے ، ٹھوکریں کیوں کھائے
وہ عقل بچائے گی تمہیں کیا محروم
جو دام فریب نفس میں آجائے

ہے کار گہہ دہر میں مزدور انساں
ہستی پہ ہے اپنی پھر بھی مغرور انساں
مختار ہے ایک حد تک بے شک
لیکن حد سے سوا مجبور ہے انساں

محروم کے مجموعہ کلام گنج معانی، نیرنگ معانی، رباعیات محروم، شعلہ نوا، کاروان وطن اور بہار طفلی ان کی شاعرانہ انفرادیت اور عظمت کی عکاسی کرتے ہیں۔

4.1.6 جوش ملیح آبادی کی نظم نگاری کا تنقیدی جائزہ

جوش ملیح آبادی اردو شاعری کے منفرد شاعر ہیں۔ ان کی پیدائش 1894 میں ملیح آباد میں ہوئی اور 1982 میں پاکستان میں انتقال کیا۔ جوش کا نام آتے ہی شاعر انقلاب کا تصور ذہن میں آجاتا ہے اور ان کے شعری مجموعوں کے ساتھ ساتھ ان کی معروف ومشہور خودنوشت 'یادوں کی بارات' ذہن میں رقص کرنے لگتی ہے۔ جوش نے عشق و عاشقی اور حسن کے تصور کو خیالی نہیں عملی تصور کیا۔ وہیں متصوفانہ تصور بھی ان کی شاعری کا وصف ہے۔ جوش کی شخصیت اور شاعری کے متعلق پروفیسر شکیل الرحمٰن نے لکھا ہے

> ''جوش نے حسن کو ایک مثبت قدر تصور کیا ہے جو جبلت کی پیداوار ہے۔ حسن سے انبساط حاصل ہوتا ہے تو اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ یہ خدا ہے، خالق ہے، حسن خدا ہے اور خدا حسن ہے۔ ہر شے میں اسی کی تصویر نظر آتی ہے''۔

جوش کی شاعری میں حسن کا یہ تصور متعدد جگہ کارفرما ہے۔ جوش کے یہاں مذہب، عقیدہ، معیاری اخلاق یہ سب غیر ضروری الفاظ تھے۔ جوش نے خود لکھا ہے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرے باپ کا خیال درست نکلا اور میں گمراہ ہو گیا۔ وہ تہذیبی روایت کی پاسداری، ادب واحترام کا لحاظ اور

اخلاقی امور کو برتنے کا نتیجہ مخنث بننے کے برابر سمجھتے تھے۔ اپنی گمراہی پر انہوں نے اللہ کا شکر بجالانا بہتر سمجھا۔ جوش نے خود اپنی خودنوشت ''یادوں کی بارات'' میں لکھا ہے:

میرے باپ نے کوئی قصر نہ اٹھا رکھی تھی مجھ کو 'وہ' (مخنث) بنا دینے میں۔ میرے باپ کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی اور قدرت کی حکمت و غیرت سے یہ بات اسی طرح پوری نہیں ہوئی کہ میں شاعر کے بجائے مولانا بخش اللہ بن کر رہ جاؤں۔ مطرب کو چھوڑ کر مؤذن سے دل لگاؤں، مکھڑے کے تلوں سے نظر پھیر کر تسبیحوں کے دانے گھماؤں۔ صہبا کے شیشوں سے قرابت کا رشتہ کاٹ کر استنجوں کے ڈھیلوں سے اپنا شجرہ نسب ملاؤں، شراب کے پیمانوں میں تیرنے کے بدلے وضو کے بدھنوں میں غوطے کھاؤں اور کالی زلفوں کی گھنیری چھاؤں سے بھاگ کر سفید داڑھیوں کی چلچلاتی دھوپ میں جا کر بیٹھ جاؤں''۔

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذہبی رواداری اور گریہ وزاری، مایوسی و ناکامی کے مضامین سے ان کی افتادِ طبع کو غرض نہیں۔ چنانچہ شوکتِ الفاظ، لفظوں کا گورکھ دھندا، شباب و انقلاب کے بلند آہنگ جوش کی شاعری کا وصف کہا جاسکتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ جوش نے سیاسی و سماجی خلفشار اور تہذیبی انحطاط کا بھی اثر قبول کیا۔ جوش کی شاعری میں حب الوطنی اور وطن کی آزادی کا جوش کوٹ کوٹ کر بھرا ہے لیکن جس صبح کی تمنا تھی صبح آزادی سے اس کا حصول نہیں ہوا اور جوش کا انقلاب ٹھنڈا پڑ گیا۔ چنانچہ 1947 میں انہوں نے ترانہ آزادی وطن لکھی جس کے تین حصے پہلی آواز، دوسری آواز اور تیسری آواز کے ذریعہ اپنے احساسات و جذبات کو پیش کیا۔ 1947 کے فسادات، جنون اور حیوانیت، خون

خرابہ، وطن عزیز کی تقسیم، ہزاروں خاندانوں کا بٹ جانا اور سیاسی جنون نے ان کو خون کا آنسو رلا دیا۔ جوش کی نظموں میں کسان۔ گرمی و دیہاتی بازار بہت ہی اہمیت کی حامل نظمیں ہیں۔ نقش ونگار، شعلہ و شبنم، سرود وخروش، فکر ونشاط، جنون حکمت، حرف وحکایات، آیات ونغمات ان کے معروف مجموعہ کلام ہیں۔ وطن سے ہجرت کو جوش نے اپنی زندگی کا منحوس ساعت تصور کیا ہے جس کی کسک نے انہیں مرتے دم تک بے چین رکھا۔ عمر کے آخری پڑاؤ میں اسلامی تہذیب وثقافت کی طرف مائل ہو گئے تھے۔

4.1.7 فیض احمد فیض کی نظم نگاری کا تنقیدی جائزہ

فیض احمد فیض کا اصل نام فیض احمد خاں تھا۔ ان کی پیدائش 1912 میں سیالکوٹ میں ہوئی۔ سیالکوٹ سے ہی اسکولی تعلیم حاصل کی اور لاہور سے اعلیٰ تعلیم۔ بیسویں صدی میں ترقی پسند تحریک میں سب سے زیادہ مقبولیت اور شہرت عام حاصل کرنے والے شعرا میں سرفہرست ہیں۔ فیض کے یہاں بیک وقت غم دوراں اور غم جاناں کا امتزاج ہے۔ فیض کی شاعری نعرہ بازی اور بیدار ہو بیدار ہو، انقلاب زندہ باد سے دور ہے۔ حالاں کہ یہ کام فیض نے خاموشی کے ساتھ زیادہ قوت سے کیا۔ ان کی شاعری میں خطیبانہ اظہار کی جگہ آبشار کی سی موسیقی ونغمگی ملتی ہے۔ کرختگی کی جگہ جمالیاتی تاثر ملتا ہے۔ فیض شاعری میں محبوب کے غم اور شاعری کے فنی وتخلیقی رموز ونکات سے بہر حال واقف ہیں۔ وہ جذبات کو اپنے فکر وفن پر کبھی حاوی ہونے نہیں دیتے ان میں خود ساختہ انداز ضبط ہے۔ وہ معاشرتی برائیوں اور طبقاتی نا برابری سے پیدا شدہ حالات سے غم زدہ نظر آتے ہیں۔ انہیں مشرقی تہذیب واخلاق کے انتشار اور انحطاط کا بھی شعور ہے۔ یہ ساری خوبیاں اور شعور ان کی متعدد نظموں سے جھلکتی ہیں۔ فیض کی شاعرانہ شعور اور تہذیب واقدار پر اور ان کے نصب العین پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالمغنی نے لکھا ہے:

''لہذا وہ اپنے ماحول سے بغاوت کرتے ہیں اور اس سے لڑنے کے لئے

انقلاب کا جھنڈا اٹھا لیتے ہیں۔ ایک طرف غم ذات غم کائنات میں بدل جاتا ہے۔ اس غم کائنات میں کسی خاص غم تہذیب کی قدروں کے تحفظ کی فکر نہیں۔ ایک نئی تعمیر کے لئے پرانی عمارت کی تخریب ضروری سمجھتے ہیں اور اس نصب العین کے مطابق وہ تخریب و تعمیر کے گویا تاریخی عمل سے گزرنا چاہتے ہیں۔ اس کا کوئی تعلق اس کے مخصوص معاشرے سے نہیں ہے''۔

حالاں کہ عبدالمغنی نے فیض کو انقلاب پسند قرار دیا۔ ایسی بات فیض کے تمام نظموں میں نہیں ہے بلکہ عبدالمغنی صاحب نے ان کی چند نظموں کو دیکھ پڑھ کر یہ مفروضہ قائم کرلیا۔ فیض کی شاعری عشق اور انقلاب کے درمیان ایک تسلسل بھی ہے اور گریز بھی۔ اس لئے کہ ہر باشعور انسان میں یہ دونوں پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ فیض کی شاعری مدھم، خواب آمیز، سبک رو اور دھڑکنوں جیسی بہتی، پھیلتی اور لہراتی ہوئی شاعری ہے۔ ان کی شاعری میں انسانی واردات و کیفیات کی وہ عکاسی ملتی ہے جو معاشرتی تبدیلیوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ معاشرہ اور افراد معاشرہ کی تہذیبی قدروں بالخصوص محبت اور انسانیت کا احساس فیض کی شاعری میں جا بجا دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس کی عمدہ مثال ان کی نظم 'مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ' ہے۔ نظم دو حصوں میں تقسیم ہے لیکن دونوں حصے ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ دوسرا حصہ ملاحظہ کیجئے

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
انگنت صدیوں کے تاریک بہیمانہ طلسم
ریشم و اطلس و کمخواب میں بنوائے ہوئے

جابجا بکتے ہوئے کوچہ و بازار میں جسم
خاک میں لتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے
جسم نکلے ہوئے امراض کے تنوروں سے
پیپ بہتی ہوئی گلتے ہوئے ناسوروں سے
لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجئے
اب بھی دلکش ہے تیرا حسن مگر کیا کیجئے
مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ

اسی طرح کی بہت ساری نظمیں فیض احمد فیض کے مجموعہ کلام میں شامل ہیں۔فیض کے مجموعہ کلام نقش فریادی، دست صبا، زنداں نامہ، دست تہہ سنگ، سر وادی سینا، شام شہر یاراں، میرے دل میرے مسافر وغیرہ تمام مجموعہ کلام ان کی ''کلیات نسخہ ہائے وفا'' میں شامل ہیں۔فیض نے شعری کارناموں کے علاوہ نثری اور بالخصوص تنقیدی اور ادبی میراث بھی چھوڑی ہیں جن میں میزان، صلیبیں میرے آنگن میں، متاع لوح وقلم، ہماری قومی ثقافت، مہ وسال آشنائی کے علاوہ خطوط اور سفرنامے بھی شامل ہیں۔

4.1.8 اختر الایمان کی ایک جدید نظم گوشاعر

جدید اردو شاعری کے منفرد شاعر اختر الایمان کی پیدائش 1915 میں ہوئی اور گزشتہ صدی کی آخری دہائی یعنی 1996 میں انہوں نے اس دارفانی سے کوچ کیا۔اختر الایمان سماجی اقدار اور تہذیبی لگاؤ کو اہم سمجھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں یہ دونوں عناصر زیادہ ملتے ہیں۔اختر الایمان کے نزدیک وقت کی بہت اہمیت ہے خواہ وہ ماضی ہو کہ حال یا مستقبل۔اختر الایمان نے اپنی زندگی میں بہت اتار چڑھاؤ دیکھے۔ان کے وقت میں اردو شاعری میں کئی رجحانات پیدا ہوئے لیکن اختر الایمان

نے کسی ادبی تحریک یا رجحانات سے جڑ کر اپنے آپ کو مقید کرنا قبول نہیں کیا۔انہوں نے اپنی ایک الگ ادبی پہچان اور راہ بنائی۔ان کی نظموں میں ذاتی احساسات ،غم واندوہ کی کشمکش پائی جاتی ہے اور ان عناصر کو انہوں نے بڑی خوبصورتی سے نظم کا جامہ پہنایا۔یہ بتایا جا چکا ہے کہ اختر الایمان کی شاعری میں وقت کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔خود اختر الایمان نے اپنے اس نظریے کی تائید میں لکھا ہے:

میری ان نظموں میں 'وقت' کا تصور اس طرح ملتا ہے جیسے یہ میری ذات کا ایک حصہ ہے۔کبھی یہ گزرتے ہوئے وقت کا اعلامیہ بن جاتا ہے اور کبھی نظم کا کردار 'بعض آمد' میں رمضانی قصائی وقت ہے۔'بیداذ' میں خدا وقت ہے۔ وقت جبریل امین ہے جو زمین سے تا حد نظر مسلط ہے۔ ہماری گزراں حیات پر جس کے پاؤں تحت الثرا سے بھی نیچے اور عرش معلیٰ سے بھی اوپر''۔

عزیز طلبا! آپ نے پہلی اکائی میں اختر الایمان کی ایک نظم 'ایک لڑکا' پڑھی ہے وہ بھی وقت کا اعلامیہ ہی ہے۔اختر الایمان شہری زندگی کی کلفتوں سے اور اس کی آلودہ معاشرے سے بخوبی واقف ہیں۔اس لئے ان کی نظموں میں ان مسائل کا ذکر بار بار آتا ہے۔کبھی اپنی نظموں میں ان ماحول سے اور ان کی پیچیدگیوں اور نشیب وفراز سے سمجھوتہ کرتے ہیں تو کبھی اس پر طنز لیکن فرار کی راہ اختیار نہیں کرتے۔مثال کے لئے اس نظم کے ایک حصے کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے

بھیڑیہ بچوں کی چھوٹی سی گلی میں دیکھو
ایک نے گیند جو پھینکی تو لگی آکے مجھے
میں نے جا پکڑا اسے ، دیکھی ہوئی صورت تھی
کس کا ہے میں نے کسی سے پوچھا

یہ حبیبہ کا ہے رمضانی قصائی بولا
بھولی صورت پہ ہنسی آگئی اس کی مجھ کو
وہ بھی ہنسنے لگا ہم دونوں یونہی ہنستے رہے
دیر تک ہنستے رہے

ماضی کو حال کے پردے پر دیکھنے کا عمل اردو شاعری میں دیگر شعرا کے یہاں بھی ملتا ہے مثلاً الطاف حسین حالی اور محمد اقبال لیکن ایام ماضی کے لمحوں کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش اور وقت کے احساس کو ایک دوسرے میں جذب کر دینے کا عمل اختر الایمان کے یہاں بہت زیادہ ہے۔ اختر الایمان ماضی پرست نہیں مگر ماضی سے ویسی ہی لگاؤ ہے جیسا کہ حسن سے اور کہیں کہیں ان دونوں کو ایک ساتھ پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ایک چھوٹی سی نظم اس کی تصدیق میں پیش کی جاسکتی ہے۔

شب ماہ تو ہے، سحر بھی تو
کہ فغاں بھی تو ہے اثر بھی تو
یہ تری بہار کے دن سہی
یہ ترے نکھار کے دن سہی
نہ مٹا کسی کو سنبھل سنبھل
سرِ راہ یوں نہ بہک کے چل
کہ زمیں پہ رہتے ہیں اور بھی
جنہیں حسن سے بھی لگاؤ ہے
جنہیں زندگی بھی عزیز ہے

ان کے شعری مجموعے گرداب، سب رنگ، تاریک سیارہ، آب جو، یادیں، بنت لمحات، نیا آہنگ، سروسامان، زمین زینا اور زمستان سرد مہری ہیں۔ جبکہ ان کی خودنوشت ''اس آباد خرابے میں'' ایک معرف ومشہور خودنوشت ہے۔

4.1.9 ن م راشد کی نظم نگاری کا تنقیدی جائزہ

عزیز طلبا! جدید نظم نگاری کے منفرد شاعر ن م راشد کا اصل نام نذر محمد راشد تھا۔ وہ یکم اگست 1910 کوموجودہ پاکستان کے گجرانوالہ کے ایک گاؤں اکال گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان ادبی و علمی تھا۔ خودان کے والد راجہ فضل الٰہی چشتی فارسی اور اردو شاعری کا ذوق رکھتے تھے اور کبھی کبھی شعر بھی کہتے۔ راشد نے 1928 میں گورنمنٹ ہائی اسکول اکال گڑھ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور گورنمنٹ کالج لائل پور سے انٹرمیڈیٹ اور وہیں سے بی اے آنرس انگریزی اور بی اے آنرس فارسی کے امتحانات بھی پاس کئے۔ نظم نگاری میں راشد کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو کسی تحریک سے خود کو وابستہ نہیں رکھا اور بندھے ٹکے اصولوں کی پابندی نہیں کی۔ ن م راشد نے اردو نظم نگاری بالخصوص آزاد نظم نگاری کی آبیاری کی۔ آزاد نظم کو راشد نے بہتر انداز میں برتا اور ایک سمت عطا کی۔ آزاد نظم کی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لیا جائے تو اس ضمن میں ن م راشد کا نام سرفہرست نظر آئے گا۔ انہوں نے آزاد نظم نگاری کے میدان میں منفرد مقام حاصل کیا۔ راشد کی نظموں کی تکنیک اور اسلوب بیان بھی اچھوتا ہے۔ ان کی آزاد نظم نگاری پر سید جابر علی نے لکھا ہے

> ''اردو میں آزاد نظم اور ن م راشد کا نام ایک ہی ساتھ آتے ہیں۔ آزاد نظم کی خوش قسمتی سمجھنی چاہئے کہ اسے راشد جیسا ذہین وطبع قافلہ سالار ملا۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ راشد کی شخصیت کے بغیر اردو میں آزاد نظم کی ترقی ایک خواب

پریشاں ہوک ادبی ماہنامہ، لاہور، ستمبر 1946

ن م راشد کی نظموں میں تہذیب وثقافت اور تمدن کے عناصر جا بجا ملتے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں ماضی، حال اور مستقبل کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔ ان کی شاعری میں معاشرے کی عکاسی اور دکھ درد کا بیان موجود ہے۔ مثال کے لئے چند اشعار ملاحظہ ہو

الٰہی تیری دنیا جس میں ہم انسان رہتے ہیں　　غریبوں، جاہلوں، مردوں کی، بیماروں کی دنیا ہے
یہ دنیا بے کسوں کی اور لاچاروں کی دنیا ہے　　ہم اپنی بے بسی پر رات دن حیران رہتے ہیں!
بنالی اے خدا اپنے لئے تقدیر بھی تو نے　　اور انسانوں سے لے لی جرأت تقدیر بھی تو نے
کسی سے دور یہ اندوہ پنہا ہو نہیں سکتا　　خدا سے بھی علاج درد انساں ہو نہیں سکتا

راشد کے مجموعہ کلام میں ایران میں اجنبی، ماورا، گمان کا ممکن اور لا=انسان ہیں جبکہ ان کی مشہور نظموں میں عرفان، گناہ اور محبت، جرأت پرواز، اجنبی عورت، حسن کا جادو، دریچے کے قریب، نمرود کی خدائی، سباویراں، حسن کوزہ گر، اسرافیل کی موت، اندھا کباڑی، پانی کی آواز، سمندر کی لہریں بہت ہی اہمیت کی حامل نظمیں ہیں۔

4.1.10　خلاصہ

عزیز طلبا! آپ نے اس سبق میں جدید نظم نگاری کی گراں خدمات انجام دینے والے جن شعرا کا تنقیدی مطالعہ کیا ہے ان میں الطاف حسین حالی، محمد اقبال، جوش ملیح آبادی، تلوک چند محروم، فیض احمد فیض، اختر الایمان اور ن م راشد شامل ہیں۔ ان شعرا نے اردو میں جدید نظم نگاری کے رجحانات کو تقویت بخشی اور مستقبل کے لئے راہیں ہموار کیں۔ جن راہوں پر چل کر بعد کے نظم نگار شعرا نے بے حد اہم کارنامے انجام دیئے۔ خاص طور سے مولانا الطاف حسین حالی جو جدید اردو نظم کے بانی کہے جاسکتے

ہیں چند ایسی نظم لکھیں جو اردو کے شعری ادب کا فخریہ سرمایہ ہیں۔مثلاً ان کی نظم مسدس حالی (مدوجزر اسلام)، مناجات بیوہ، چپ کی داد، برکھارت، حب وطن اور مٹی کا دیا وغیرہ۔حالی کی بتائی ہوئی شاہ راہ پر علامہ اقبال نے بہت سی چھوٹی بڑی نظمیں لکھیں جن کو جدید نظم نگاری کا اہم کارنامہ کہا جاسکتا ہے۔علامہ اقبال کے تینوں دور کی شاعری میں ایسی متعدد نظمیں موجود ہیں جنہیں اردو کی جدید نظم میں مثالی حیثیت حاصل ہے۔تلوک چند محروم کی مادری زبان اردو نہیں ہونے کے باوجود بھی جدید نظم نگاری بالخصوص ادب اطفال میں نمایاں کارنامے انجام دیئے۔انہوں نے جدید نظم میں محاکات نگاری میں اہم مقام حاصل کیا۔جوش ملیح آبادی اردو شاعری میں انقلابی آہنگ اور حب الوطنی کے نظموں کے لئے جانے پہچانے جاتے ہیں۔تاہم انہوں نے عشق و عاشقی اور حسن کے موضوعات سے متعلق اعلی نمونے اپنی نظموں میں پیش کئے ہیں۔فیض احمد فیض ترقی پسند تحریک کے سب سے مقبول شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔حالاں کہ انہوں نے کسی بھی تحریک اور مکتب فکر کا ڈھندورا نہیں پیٹا اور نہ ہی اپنے فکروفن پر کسی دوسری طرح کے تحریکات کا اثر غالب ہونے دیا۔فیض کی شاعری مدھم، خواب آمیز اور سبک روشاعری کی عمدہ مثال ہے جن میں انسانی واردات و کیفیات کی عکاسی ملتی ہے۔اختر الایمان بھی فیض کی راہ پر چلتے ہوئے کسی بھی ادبی تحریک یا رجحانات کو قبول نہیں کیا اور اپنی ایک الگ پہچان بنائی۔اختر الایمان کی شاعری میں وقت کا تصور بہت ہی اہم مقام رکھتا ہے جو ان کی ذات کا اور ان کی ذاتی زندگی کا ایک حصہ ہے۔عزیز طلبا! اس سبق میں آپ نے جس آخری شاعر کے متعلق پڑھا وہ ن م راشد ہیں۔ن م راشد کو آزاد نظم نگاری کے لئے بھی جانا جاتا ہے۔جہاں اردو میں آزاد نظم کا ذکر ہوتا ہے وہاں ن م راشد کا نام آنا لازم ہے۔راشد نے اپنی شاعری میں زمانے کے تصور ماضی، حال اور مستقبل کو ایک ساتھ پیرونے کی بھر پور کوشش کی ہے۔

4.1.11 فرہنگ

جستجو	ڈھونڈنا، تلاش
انحطاط	کم ہونا، گھٹنا
معرکۃ الآرا	زورآور، زبردست
نوعِ انساں	انسان، آدم کی اولاد
عرفان	شناخت، پہچان
فوق البشر	اعلیٰ آدمی
کارگہہ دہر	کام کرنے کی جگہ، دنیا
انبساط	خوشی، کھلنا، پھیلنا
صہبا	گلابی شراب
شجرہ نسب	نسل اور خاندان کی اولاد کی ترتیب
افتادِ طبع	فطرت، طبیعت، خصلت
خودساختہ	اپنا بنایا ہوا
بیداد	ظلم وستم، بے انصافی
مسلط	مغلوب کیا گیا، فتح کیا گیا
تحت الثریٰ	زمین کا سب سے نیچے کا طبقہ، پاتال

4.1.12 نمونہ امتحانی سوالات

1 جدید اردو نظم نگاری میں مولانا الطاف حسین حالی کا مقام واضح کیجئے۔

2 جدید نظم کے حوالے سے تلوک چند محروم اور محمد اقبال کی خدمات کا جائزہ لیجئے۔

3 فیض اور اختر الایمان نے اردو نظم نگاری میں اپنی انفرادی پہچان بنائی۔ اس قول کی صداقت کی جانچ کیجئے۔

4 جوش ملیح آبادی کی نظم نگاری کا اجمالی جائزہ لیجئے۔

4.1.13 مزید مطالعہ کے لئے

1 کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک

2 ن م راشد، کلیات راشد

3 جوش ملیح آبادی، یادوں کی بارات

4 فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا

مذکورہ نظموں کی روشنی میں شعرا کا شعری فن

اکائی کی ساخت

4.2.1	تمہید
4.2.2	تعارف
4.2.3	نصاب میں شامل نظمیں
4.2.4	شامل نصاب نظموں کی فنی اہمیت
4.2.5	شامل نصاب نظموں کی روشنی میں شعرا کا فن
4.2.6	خلاصہ
4.2.7	فرہنگ
4.2.8	نمونہ امتحانی سوالات
4.2.9	مزید مطالعہ کے لئے

4.2.1 تمہید

عزیز طلبا! آپ نے اس پیپر کے اکائی نمبر 4 سے پہلے جن اسباق کا مطالعہ کیا ہے۔ان میں کئی معروف ومشہور شعرا کی نظمیں ہیں،ان کا تجزیہ کیا ہے اوران نظموں کی فنی خوبیوں اوراہمیت کا جائزہ لیا ہے۔اس کے علاوہ ان نظموں کی تخلیق کرنے والے شعرا کے حالات زندگی،ان کی نظم نگاری،ان شعرا کی انفرادیت وفنی خوبیوں کے بارے میں بھی پڑھا ہے۔اب زیر مطالعہ سبق میں ان ہی پڑھی گئی نظموں کی روشنی میں ان سبھی شعرا کی شعری فن کا مختصر جائزہ لیا جائے گا۔

4.2.2 تعارف

عزیز طلبا! نظم جدید سے متعلق مطالعہ کے اس پیپر میں اب تک آپ نے نظم جدید سے متعلق معروف ومشہور شعرا کی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ان شعرا کی نمائندہ نظموں جو آپ کے نصاب میں شامل ہیں سے متعلق جانکاری بھی حاصل کی ہے مثلاً آپ نے نظم جدید کے بنیاد گزاروں میں حالی کی نظم مناجات بیوہ کا مختلف ڈھنگ سے مطالعہ کیا ہے۔اس کے علاوہ علامہ اقبال کی نظم 'شمع'، تلوک چند محروم کی نظم 'علم'، جوش کی نظم' فتنہ خانقاہ' کا جائزہ لیا ہے۔اسی نصاب میں فیض احمد فیض کی تین نظموں تنہائی،موضوع سخن اور مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ کا تجزیہ وتشریح کیا ہے۔نظم جدید کے ایک معروف شاعر اختر الایمان کی بہت ہی مشہور نظم ایک لڑکا کا بھی آپ نے مطالعہ کیا ہے۔اسی نصاب میں ن م راشد کی دو نظمیں شباب گریزاں اور سباویراں کی تشریح و تجزیہ شامل رہا ہے۔نظموں کی تشریح و تجزیہ کے علاوہ ان شعرا کے فن کا بھی ان نظموں کے حوالے سے جائزہ لیا گیا ہے۔اب اس سبق میں شامل نصاب ان تمام نظموں کی روشنی میں مذکورہ شعرا کے فن کا جائزہ لیا جائے گا۔

4.2.3 نصاب میں شامل نظمیں

عزیز طلبا! آپ کے نصاب میں شامل نظمیں جن کا مطالعہ آپ نے کیا ہے اس میں سرِ فہرست نظم 'مناجات بیوہ' ہے۔ مناجات بیوہ اصل میں حالی نے عصری و سماجی اصلاحی ضرورت کے تحت لکھی تھی۔ اس وقت خاص طور سے حقوق ِ نسواں، عورتوں کی بے بسی و بے کسی، گھریلو ظلم و تشدد اور دقیانوسی سماجی روایات کی اصلاح مطلوب تھی۔ چنانچہ حالی نے یہ نظم مناجات بیوہ لکھ کر سماجی اصلاح کا کام کیا اور اصلاحی نظموں کے ذریعہ سماجی و معاشرتی اصلاح کی بنیاد ڈالی۔ دوسری نظم علامہ اقبال کی شمع ہے جس کا مطالعہ آپ نے کیا ہے۔ شمع ایک مکالماتی نظم ہے جو معروف فلسفیانہ نظریہ وحدۃ الوجود کی بنیاد پر لکھی گئی ہے۔ اس نظم میں انسانی وجود اور اس کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اللہ کی طرف سے انسان کو دی گئی قوت اور انفرادیت پر بحث کی گئی ہے۔ شمع کے پس منظر میں علامہ اقبال نے اس نظم میں وحدۃ الوجود کے اس فلسفے کو عالمانہ ڈھنگ سے نظم کا جامہ پہنایا ہے۔ حالاں کہ اقبال سے قبل غالب نے اس فلسفے کو پیش کیا لیکن غزل کے اشعار میں۔ علامہ اقبال نے اس فلسفے کو تفصیلی ڈھنگ سے شمع اور آدم کے وجود اور کائنات میں اس کی حیثیت پر گفتگو کی ہے۔ غالب نے کہا

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

اسی کو علامہ اقبال نے شمع میں یوں بیان کیا ہے

صیاد آپ، حلقۂ دامِ ستم بھی آپ بامِ حرم بھی، طائرِ بامِ حرم بھی آپ

عزیز طلبا! علامہ اقبال کی اس مشہور نظم کے بعد آپ کے نصاب میں معروف و مشہور نظم نگار شاعر تلوک چند محروم کی نظم علم شامل ہے۔ نظم علم میں محروم کی فن کاری اور انفرادیت کھل کر سامنے آئی ہے۔ حالاں کہ محروم نے اور بہت سی نظمیں بالخصوص ادب اطفال اور بچوں کے نصاب میں شامل ہونے والی

بہت سی نظمیں لکھی ہیں لیکن نظم علم ان میں اپنی انفرادیت رکھتی ہے۔نظم میں شاعر نے علم کی خوبی، اس کے فوائد، تاریخی اہمیت، عصری اہمیت، علم سے سائنسی خوش حالی، سائنسی ایجادات اور علم کے ذریعہ فلسفہ و مذہبیات کی تفہیم کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔علم ہر مرض کی دوا اور شفا ہے۔علم کے ذریعہ ہی اس ہستی میں رنگ و بو ہے۔علم کی حیثیت دنیا کے لئے اور یہاں بسنے والوں کے لئے آب حیات کی سی ہے۔اگلی نظم فتنہ خانقاہ ہے جو معروف و مشہور انقلابی شاعر کی انفرادی غور وفکر کا نتیجہ ہے۔جوش کی شاعری میں تین رنگ دکھنے کو ملتی ہیں۔ایک حب الوطنی اور انقلابی نظریات سے متعلق نظمیں دوسری حسن وعشق سے متعلق نظمیں اور تیسری قدرتی۔مناظر اور فطرت کی شاہکار پر لکھی گئی نظمیں فتنہ خانقاہ حسن کی تعریف میں لکھی گئی نظم ہے لیکن اسے جوش نے تمثیلی شکل دے دی ہے۔ایک حسین و جمیل دوشیزہ کی مختلف زاویہ نظر سے حسن کاری کی تصویر پیش کرتی ہوئی یہ نظم خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے مصنوعی زاہدوں کی ذوق نظر اور عیاشی پر طنز کرتی ہے۔خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے مجاوروں کی حرکات وسکنات اور ان کے جذبات کی عکاسی اس نظم میں بڑے ہی ڈرامائی اور مکالماتی انداز سے کی گئی ہے۔کسی دوشیزہ کو خانقاہ میں آتا دیکھ خانقاہ میں بیٹھے ہوئے نقلی زاہدوں کے ہوش وحواس پر اور ان کے دل پر کیا گزرتا ہے، ان کے جذبات کس قدر برآنگیختہ ہوتے ہیں اس کی ہو بہو تصویر جوش نے فتنہ خانقاہ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

نصاب میں شامل فیض کی تین نظمیں آپ نے پڑھی ہیں ان میں تنہائی ایک مختصر نظم ہے جو اپنے موضوع کے لحاظ سے بہت ہی دلنشیں ہے اور تنہائی کی تصویر کشی بہت انوکھے انداز سے کرتی ہے۔دوسری نظم موضوع سخن ہے۔موضوع سخن فیض کی دیگر نظموں کی طرح ہی غم دوراں اور غم جاناں کا مرقع پیش کرتی ہے۔نظم کی ابتدا ہی افسردگی کے حالات سے ہوتی ہے اور اس میں زمانے کی ستم ظریفی، مجبوری ولاچاری کے ساتھ ساتھ حسن وعشق کی گیرائی وگہرائی کو پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔فیض کی تیسری نظم مجھ

سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ ہے۔ یہ نظم اردو ہی نہیں عالمی ادب بالخصوص شاعری کا اعلیٰ نمونہ تصور کی جاتی ہے۔ یہ نظم دو حصوں میں منقسم ہے اور فیض کی شاعری میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ نظم میں شاعر عشق اور انقلاب کے دوراہے پر کھڑا ہوا نظر آتا ہے۔ اس میں رومانی فضا سے نکل کر حقیقی زندگی کی تلخیوں کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں عشق کی رومانی اور جمالیاتی اقدار کو پیش کیا گیا ہے اور دوسرے حصے میں محرومی، ناداری و لاچاری کو۔ اختر الایمان کی شاعری فنی وفکری اعتبار سے اپنی منفرد پہچان رکھتی ہے۔ عزیز طلبا! آپ نے اختر الایمان کی ایک معروف نظم ایک لڑکا کا مطالعہ کیا ہے۔ اختر الایمان کی یہ نظم ان کی اپنی زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔ ماضی اور حال سے گزرتے ہوئے مستقبل کا ذکر بہت ہی ڈرامائی اور علامتی پیرایے میں بیان کیا گیا ہے۔ اختر الایمان کو اس نظم میں ایک لڑکے کی صورت میں بچپن کی پوری یادیں ایک فلم کی طرح سامنے سے گزرتی ہے۔ یہ نظم اختر الایمان کی طویل نظموں میں سے ایک ہے۔ اس میں لڑکے کے کردار کے تہہ میں شاعر کا کردار شامل ہے جو ہمارے معاشرے، تہذیبی وراثت اور ثقافت کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس میں انسانیت کی ضمیر کو چاہے جتنا بھی روند دیا جائے یا کسی شخص کا ضمیر کتنا بھی مرجائے لیکن کبھی نہ کبھی وہ زندہ ہوجاتا ہے۔ چنانچہ نظم میں اختر الایمان کا وہ لڑکا انسانی ضمیر کی علامت کی شکل میں زندہ ہے۔ عزیز طلبا! آپ کے نصاب میں ایک منفرد شاعر اور ترقی پسندی کے ساتھ ساتھ آزاد نظم کو بہت ہی خوبیوں کے ساتھ برتنے والے شاعر ن م راشد کی دو نظمیں شباب گریزاں اور سبا ویراں شامل ہیں۔ دونوں علامتی نظمیں ہیں۔ دراصل شباب گریزاں عہد گزشتہ کی پر عیش اور عشرت بھری زندگی کے بعد کا اشاریہ ہے۔ اس نظم میں علامت کے طور پر ان شخصیتوں کی طرف اشارہ ہے جن کے پاؤں اطلس وکمخواب پر سے اترتے نہیں تھے اور پھر زمانے کی گردش نے انہیں در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا۔ ن م راشد کی دوسری نظم سبا ویراں بھی علامتی نظم

ہے۔ یہ دونوں نظمیں ان کے مجموعہ کلام ایران میں اجنبی سے ماخوذ ہیں۔ سباویراں میں ن م راشد نے زبوں حالی اور در ماندگی کی ہو بہو تصویر پیش کی ہے۔ اتنی خوبصورت علامتی نظم اردو شاعری میں کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس نظم میں فطری گہرائی و گیرائی کے ساتھ ساتھ صوتی دلکشی اور تاریخ و تہذیب کے عملی شعور کا حزنیہ آہنگ ملتا ہے۔ نظم میں سلیمان دور جدید کے انسان کی علامت ہے جو عصری مسائل، بے بسی اور بے چارگی کا شکار ہے جبکہ نظم میں سبا موجودہ دنیا کی علامت ہے جو بنجر ہوگئی ہے جس میں قدرتی زندگی انسانی تہذیب اور رعنائی بہت حد تک اپنا حسن و جمال کھو چکی ہے۔ شاعر دنیا کی شان و شوکت کی نشانیوں کو بدترین حالت میں پہنچنے پر افسوس کا اظہار کرتا ہے۔

سلیماں سر بہ زانو اور سبا ویراں　　　　سلیماں سر بہ زانو ترش رو، غم گیں پریشاں مو

4.2.4 شامل نصاب نظموں کی فنی اہمیت

عزیز طلبا! آپ کے اس نصاب میں کل دس نظمیں شامل ہیں جو جدید نظم نگاری کے نمائندہ شعرا کی نظمیں ہیں۔ جدید نظموں میں ان نظموں کا منفرد مقام ہے۔ پہلی نظم حالی کی مناجات بیوہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کی حالی نے اپنے معاصرین کی طرح اپنی شاعری کا آغاز غزل سے کیا لیکن جلد ہی یہ بات سمجھ لیا کہ نظموں سے اصلاحی کام لیا جاسکتا ہے جو ان کے مزاج سے بھی میل کھاتا تھا۔ مولانا الطاف حسین حالی اپنی طویل اور اخلاقی، معاشرتی اور اصلاحی موضوعات پر لکھی ہوئی نظموں کی وجہ سے مشہور و معروف ہیں بالخصوص چپ کی داد، برکت اتفاق، مدو جزر اسلام اور مناجات بیوہ۔ آپ کے نصاب میں ان کی معروف نظم مناجات بیوہ شامل ہے جو 1884 میں لکھی گئی۔ یہ زمانہ سیاسی و سماجی تبدیلی کا زمانہ تھا۔ خاص طور سے کئی سطحوں پر اصلاحی تحریکیں چل رہی تھیں۔ حالی بھی سماج میں پھیلی ہوئی فرسودہ رسم و رواج اور غیر انسانی سلوک و عورتوں سے غیر مساویانہ رویے سے فکر مند تھے۔ چنانچہ انہوں نے بیوہ کی سماجی

حیثیت، خاندان میں ، رشتے داروں میں ان کی تکلیف دہ حالت اور ایک بیوہ کی داخلی کیفیات و احساسات کی ترجمانی بہت ہی مؤثر ڈھنگ سے کیا ہے۔نظم میں روانی کے ساتھ ایک خاص اداسی و محرومی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔نظم پڑھنے کے بعد آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ایک مرد ہوتے ہوئے بھی حالی نے کس قدر خواتین کی داخلی احساسات، کیفیات، جذبات اور نفسیاتی انتشار کو نہ صرف بیان کیا ہے بلکہ بہت نزدیک سے محسوس بھی کیا ہے۔ یہ نظم طویل نظموں میں شمار کی جاتی ہے۔ بارہ حصوں میں منقسم یہ نظم مثنوی کی ہیئت میں لکھی ہوئی ہے۔

عزیز طلبا! علامہ اقبال نظم نگاری کے حوالے سے ہی جانے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری میں تشبیہات واستعارات، تلمیحات ورمزیت اور علامت کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔ان کی نظم شمع بہترین تشبیہات اور علامت نگاری کی مثال پیش کرتی ہے۔ علامہ اقبال کی علامت نگاری بہت زیادہ دوراز قیاس نہیں بلکہ اسلامی تاریخ اور عالمی تہذیب وتاریخ اور ثقافت کے علاوہ مذاہب کے اصول وضوابط اور فلسفیانہ نظریات سے اپنی نظموں میں علامتوں کا خمیر تیار کیا ہے۔ چنانچہ آپ کے نصاب میں شامل نظم شمع بھی اسی کی مثال ہے۔نظم شمع میں اقبال نے انسان اور شمع کو مکالماتی ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح شمع دیر وحرم میں ایک ہی طرح جلتی ہے اور اس کے دھوئیں میں آہ کا رنگ پوشیدہ ہے۔اسی طرح انسان بھی ہے اور اس کے سینے میں بھی عشق کا دھواں موجود ہے اور وہ بھی شمع کی طرح کسی کی فراق میں جل رہا ہے۔لیکن جب شمع اور انسان کا مکالمہ آگے بڑھتا ہے تو شاعر علم وآگہی اور ذاتی شعور کی بنا پر ابن آدم کو افضل قرار دیتا ہے اور ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ انسان میں جو شدت اضطراب ہے، جو تڑپ ہے وہ شمع کو حاصل نہیں اس لئے کہ انسان کو اس تڑپ کا شعور بھی حاصل ہے۔ اس کے پاس جستجو بھی ہے، اضطراب بھی ہے اور لذت فراق بھی ہے۔اصل میں اقبال اپنی فنی خوبی سے

انسان کو شمع سے افضل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس نظم میں انسان کو کائنات میں امتیازی خصوصیت اس کے شعور سے ہی ہے۔اس پوری نظم میں وحدۃ الوجود کا فلسفہ چھایا ہوا ہے۔نظم کا آخری حصہ وحدۃ الوجود کے بیاین پر ختم ہو جاتا ہے۔

عزیز طلبا! آپ تلوک چند محروم کی ایک بہت ہی اہم نظم علم پڑھی ہے۔اس نظم میں علم سے متعلق شاعر کی دلچسپی ،مطالعہ اور علم کی فضیلت سے متعلق صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ یوں تو محروم نے طلبا کی نصابی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر متعدد نظمیں لکھی ہیں لیکن قدرے طویل نظم علم تلوک چند محروم کی شاہکار نظموں میں سے ایک ہے جس میں علم کو واحد متکلم یعنی گفتگو کے انداز میں اس کی ساری خوبیاں بیان کی ہیں۔علم کو دونوں جہان میں آب حیات قرار دیا ہے۔علم ہر مرض کی لئے شفا ہے۔آغاز کائنات سے اسی کی رونق سے دنیا میں ترقی ہوئی ہے۔علم خورشید کی مانند ہے اور یہ انبیا کی وراثت ہے۔اسی سے معرفت ہے اور اسی کی بدولت انسان کو قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے۔علم ہی کی روشنی سے دنیا کی اور انسانوں کی بڑی خامیاں مثلاً نفرت،غرور،کاہلی سے نجات ملتی ہے اور انسان کا اصل جوہر کھلتا ہے۔تلوک چند محروم نے علم کی جدید فضیلتیں بیان کرتے ہوئے اسے کان گوہر اور ترقی کی کیمیا بتایا ہے۔علم ہی کی جلال و جما ل سے ساری سائنسی ایجادات وترقی اور بشری کمالات سامنے آتے ہیں۔علم ہی فلسفیوں اور مفکروں ،عالموں اور ریاضی دانوں اور شعرا و ادبا کا ہم خیال و ہم سفر اور معاون ہے۔ابتدا سے اب تک علم ہی کی جوہر سے کل کائنات روشن ہوتی رہی ہیں۔تلوک چند محروم نے علم کی افادیت ،اہمیت اور ضروریات کو بیان کر کے نظم میں تحریر کے بدلے تقریری فضا قائم کردی ہے جس سے قاری اور سامع پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے۔عزیز طلبا! آپ نے شاعر انقلاب وشاعر شباب کے نام سے پکارے جانے والے شاعر جوش ملیح آبادی کی ایک نظم فتنہ خانقاہ پڑھی ہے۔جوش ایک ایسے شاعر ہیں جنہوں نے وطن عزیز کی آزادی کے

نغمے گائے۔ آزادی کے حصول کے لئے حب الوطنی کے جذبے کو ابھارا اور حسن وعشق کی منفرد انداز بیان اور مناظر فطرت کے دلکش تصویر اور منظر کشی پیش کی ۔ یہ جوش کی شاعری کی ایک اہم نظم ہے جس میں انہوں نے بڑی ہی خوبصورتی سے ایک حسین وجمیل دوشیزہ کی مختلف زاویہ نظر سے حسن کاری کی تصویر پیش کی اور مختلف خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے مصنوعی بزرگوں اور نقلی زاہدوں کے احساسات وجذبات اور خیالات کی ترجمانی اور عکاسی بھی کی ہے۔ نظم میں بہت ہی دلکش اور پر کشش انداز بیان استعمال ہے۔ استعارے، کنایے اور دیگر صنعتوں کا برمحل استعمال ہے۔ الفاظ کی بندش اس طرح کی گئی ہے کہ اشعار پڑھنے کے بعد تصویر میں جان پڑ جاتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ یہ منظر آنکھوں کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ خانقاہوں کے مصنوعی زہد وتقوی اور حسن کی بے مثال نقش ونگاری کی عکاسی سے مزین نظم کو جوش ملیح آبادی کی منفرد نظموں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ جوش نے متعدد رومانی نظمیں لکھی ہیں لیکن فتنہ خانقاہ جو مکالماتی اور ڈرامائی انداز میں پیش کی گئی ہے جوش کی بہترین نظموں میں شمار ہوتی ہیں۔

عزیز طلبا! ترقی پسند شعرا میں فیض احمد فیض کا منفرد اور اعلی مقام ہے۔ انہوں نے اپنی تقریبا آدھی صدی پر محیط شاعری میں ایسی نظمیں اردو شاعری کو دی ہیں جنہیں عالمی ادب کے معیار پر رکھا جاسکتا ہے۔ آپ کے اس پیپر میں ان کی تین معروف ومشہور نظمیں تنہائی، موضوع سخن اور مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ شامل ہیں۔ بہت ہی مختصر نظم تنہائی آرتھر سائمن کی نظم بروکن ٹرسٹیڈ اور ہارڈی کی نظم A Broken Appointment کی یاد تازہ کرتی ہے۔ نظم تنہائی معنوی اور فنی دونوں لحاظ سے فیض کی امتیازی نظموں میں شمار ہوتی ہے۔ فیض کی دوسری نظم موضوع سخن ہے۔ یہ نظم بھی فیض کے نظریہ شاعری غم جاناں اور غم دوراں دونوں کا امتزاج پیش کرتی ہے۔ پہلے ہی بند میں معشوق کی دیدار کی تمنا ایک سچے عاشق کی بے تابی کا اچھوتا منظر پیش کرتا ہے۔ حسن کی دل آویزی کا جو دلکش منظر فیض

نے نظم کے پہلے حصے میں پیش کیا ہے نظم کے دوسرے حصے میں اتنی ہی خوبی سے زمانے کی ستم ظریفی، مجبوری و لاچاری کا مرقع بھی پیش کیا ہے۔فیض کی تیسری نظم بھی مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ محبوب کی پرکشش دل آویز جسمانی اعضا، خوبصورتی اور نازو انداز کو پیش کرتا ہے اور دوسرا حصہ زندگی کی تلخ حقیقتوں کو قاری سے روبرو کراتا ہے جہاں مزدور کی حسرت و یاس ،غربت، بھوک اور لاچاری کی وہ حقیقتیں نظر آتی ہیں جس سے حسین نوجوانوں کے دلوں کے چراغ گل ہوجاتے ہیں۔کل ملا کر حسن کی حقیقت اور حسن کی دل آویزی کے ساتھ ساتھ بھوک کی حقیقت نظم میں ایک انفرادی فنی خوبی پیدا کرتی ہے۔

آپ کے نصاب میں معروف و مشہور شاعر اختر الایمان کی ایک نظم ایک لڑکا بھی شامل ہے۔ یہ نظم فنی اعتبار سے اردو شاعری کی شاہکار نظموں میں شمار ہوتی ہے جسے اختر الایمان نے پندرہ بیس برسوں میں مکمل کیا۔نظم ساختیاتی طنز اور ڈرامائی انداز دونوں کی آمیزش کہی جاسکتی ہے۔ ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں میں ماضی کی یادوں کو فوقیت حاصل ہے اور حال پر ماضی طنز کرتا ہے۔نظم کا ایک مصرعہ 'یہ لڑکا پوچھتا ہے اختر الایمان تم ہی ہو'اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ شاعر کو ماضی، حال اور مستقبل کے توازن کو برقرار رکھنے میں کتنی مشکل پیش آرہی ہے اور باوجود کوشش کہ ایک معروف و مشہور شاعر اور ایک اعلی شخصیت کے مالک ادیب اس معصوم لڑکے کی برابری نہیں کرسکتا اور شاعر کو جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ کل ملا کر ایک لڑکا اختر الایمان کی نظموں میں شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔

عزیز طلبا! اردو نظم نگاری کی تاریخ میں ن م راشد کا نام آزاد نظم نگار کے زمرے میں سب سے اوپر آتا ہے۔راشد نے اردو ادب کو کئی شاہکار نظمیں دی ہیں۔ ہیئت و معنی لے لحاظ سے آپ کے نصاب میں شامل نظم شباب گریزاں اور سبا ویراں راشد کی نظموں میں انفرادیت کا درجہ رکھتی ہیں۔نظم شباب

گریزاں انسانی انحطاط، سماجی جبر واستحصال، معاشرتی تبدیلی بلکہ موجودہ انسانی زندگی کا پرآشوب منظر پیش کرتی ہے۔ راشد نے مخصوص علامتوں کے ذریعہ انسانی زندگی کی آلائشوں اور ناکامیوں کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ دراصل شباب گریزاں ماضی کی پر عیش وعشرت سے بھری زندگی کے بعد زوال کا اشاریہ ہے۔ سباب ویراں بھی اسی طرح کی علامتی نظم ہے جو صوتی دلکشی اور فطری گہرائی وگیرائی کی منفرد مثال پیش کرتی ہے۔ یہ نظم انسانی تاریخ وتہذیب کا شعوری حزنیہ وآہنگ ہے۔ نظم کے کردار سلیماں اور سبا ویراں تاریخی علامتیں ہیں اور راشد نے ان علامتوں کو اوران کے زوال و بے بسی کو نظم کا موضوع بنا کر انسانی زندگی کی ناکامی کی اور پریشانیوں کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ سبا ویراں ہوچکی ہے جو دنیا کی اورانسانی تہذیب کی علامت ہے جب کہ اس تہذیب کی نشانی سلیماں وسبا کی ویرانی اور بربادی پر سربہ زانو ہے، غم گیں ہے اور پریشان حال ہیاس لئے یہ دنیا اب انسان کے رہنے کی جگہ نہیں رہ گئی ہے۔

4.2.5 شامل نصاب نظموں کی روشنی میں شعرا کا فن

عزیز طلبا! آپ نے اس نصاب میں مولانا الطاف حسین حالی کی نظم مناجات بیوہ، علامہ اقبال کی نظم شمع، تلوک چند محروم کی نظم علم، جوش ملیح آبادی کی نظم فتنہ خانقاہ، فیض احمد فیض کی تین نظمیں تنہائی، موضوع سخن اور مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ، اختر الایمان کی نظم ایک لڑکا اور ن م راشد کی دو نظمیں شباب گریزاں اور سبا ویراں کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ سبھی نظمیں جدید اردو نظم نگاری میں بہت ہی اہمیت کی حامل ہیں اور قریب قریب جہاں بھی جدید نظم نگاری کا نصاب اعلی درجات میں شامل ہے ان سبھی اداروں میں یہ شامل نصاب ہیں۔ اصل میں نظموں کی اہمیت ان کے شعرا سے ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ مولانا الطاف حسین حالی جدید نظم نگاری کے محرک رہے ہیں اور انہوں نے کئی لازوال نظمیں لکھی ہیں اور قومی وملی احساسات، دردمندی وخلوص اور نوجوان نسل کی اصلاح بطور خاص ان کا مقصد رہا ہے۔

حالی اپنی نظموں میں جن سوالات کا انتخاب کرتے ہیں وہ سماجی وادبی اعتبار سے بہت ہی مفید اور اصلاحی ہوتی ہیں۔ ان نظموں میں تشبیہات واستعارات، صنائع وبدائع اور تلمیحات بہت ہی پراثر ڈھنگ سے استعمال ہوئی ہیں۔ نظمیں اتنی عام فہم ہوتی ہیں کہ کم پڑھے لکھے قاری بھی اس سے استفادہ کرسکیں۔ مقامی بولیوں، بھاشا کے عام الفاظ اپنی نظموں میں استعمال کرتے ہیں۔ حالی کی نظموں کی بنیاد حقیقت پسندی اور نیچرل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نظمیں دل سے نکلتی ہیں اور دل ودماغ پر چھاجاتی ہیں۔ یہ حالی کی نظم نگاری کی پہلی خوبی کہی جاسکتی ہے۔

علامہ اقبال نے اپنے پیش روؤں کی راہ پر چلتے ہوئے نظم نگاری کی شاہ راہ قائم کی مناظر قدرت، منظر نگاری، رومانوی انداز، حب الوطنی اور قومی وحدت وغیرہ علامہ اقبال کی ابتدائی نظموں کی خوبیاں کہی جاسکتی ہیں۔ بعد کی شاعری میں اقبال نے علامت نگاری اور تلمیحات وتشبیہات اور اچھوتے استعارات کے استعمال سے اپنی نظموں کو ایک الگ پہچان دی۔ اقبال کی نظموں میں تاریخ وتہذیب اور عالمی ثقافت وسیاست، مذہبیات وفلسفہ آخری دور کی نظموں کی خوبی کہی جاسکتی ہے۔ علامہ اقبال نے بعض نظموں میں ڈرامائی ومکالماتی انداز اپنایا ہے وہ قاری اور سامع کو زیادہ متاثر کرتی ہے۔ آپ نے اسی انداز کی ایک نظم شمع اور شاعر پڑھی ہے۔

تلوک چند محروم کی مادری زبان اردو نہیں تھی اس کے باوجود انہوں نے اردو درسیات اور استاد شعرا کے کلام کو پڑھ کر نظم نگاری کے فن میں دسترس حاصل کی اور قدرتی مناظر پر مبنی متعدد اچھی نظمیں لکھیں۔ ان کی نظموں کی فنی خوبیوں میں صوفیانہ مضامین، فلسفیانہ خیالات ونظریات، انسانی ہمدردی کا جذبہ اور فلسفہ حیات خاص ہیں۔ سماجی اور درسی افادیت کے متعلق نظمیں بھی بہت ہی اہمیت کی حامل ہیں ۔علم جس کا مطالعہ آپ نے کیا ہے اسی قسم کی ایک نظم ہے جو متعدد تشبیہات واستعارات اور تلمیحات کو

استعمال کرتے ہوئے منفرد پیرایہ بیان میں پیش کی گئی ہے۔

عزیز طلبا! آپ نے جوش ملیح آبادی کی ایک معروف نظم فتنہ خانقاہ پڑھی ہے۔ جوش نے انقلابی نظمیں لکھیں اور حب الوطنی سے لبریز قومی نظمیں بھی۔ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف اور کسان ومزدور کی فلاح و بہبود کے حق میں نظمیں لکھیں۔ ان کی بعض نظموں میں بہترین منظر نگاری کی مثال پیش کی گئی ہیں۔ حسن وعشق کے موضوعات پر کئی لازوال نظمیں لکھیں۔ اس کے علاوہ آخری ایام میں کچھ ایسی نظمیں لکھیں جو سماجی اور اصلاحی نظمیں کہی جاسکتی ہیں۔ جوش کی عظمت اور فن کاری اس میں ہے کہ انہوں نے بہت بلند و بالا اور شان وشوکت والے الفاظ، تشبیہات اور استعارات سے اپنی نظموں کو مزین کیا ہے۔ فتنہ خانقاہ حسن وعشق کی بہترین پیش کش کے ساتھ ساتھ خانقاہوں کی ریاکاری کو بھی پیش کرتی ہے جس سے جوش کی فن کارانہ صلاحیت اجاگر ہوتی ہے۔

عزیز طلبا! آپ نے فیض کی تین نظمیں پچھلے اسباق میں پڑھی ہیں، ان کا تجزیہ کیا ہے، ان کی تشریح کی ہے اور ان نظموں کی فنی خوبیوں کا جائزہ بھی لیا ہے۔ جدید اردو شاعری میں فیض اکیلے شاعر ہیں جنھوں نے غم جاناں اور غم دوراں کو ایک دوسرے میں سمو کر ان کا عکس اپنی شاعری میں نمایاں کیا ہے۔ فیض ہر حال میں اپنی نظموں کے ذریعہ ظلم واستبداد کے خلاف آواز بلند کرنے کا فیصلہ رکھتے ہیں اور حکم وقت کی ظالمانہ حکم کی تکمیل کا سوال کھڑا کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی نظموں کو گویا سیاہی کی جگہ خونِ دل میں انگلیوں ڈبو کر نظمیں لکھی ہیں۔ فیض کی شاعری میں اکثر انسانی جذبات، سماجی سروکار اور مجبور حسن کی روداد ملتی ہے۔ فیض اس زمانے کے شاعر ہیں جس زمانے میں عالمی تہذیب وثقافت میں تیزی سے تبدیلی رونما ہورہی تھی۔ پوری دنیا کے کچھ ممالک امیر سے امیر ترین ہوتے جارہے تھے۔ دولت منداور بھی دولت منداور غریب اور زیادہ مفلس۔ اس پر طرہ یہ کہ وطن عزیز کی بے جا تقسیم جوان سب حالات و

حوادث نے فیض کی نظم نگاری پر اثر ڈالا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے محبوب سے پہلی سی محبت نہ مانگنے کی التجا کی۔فیض کی نظمیں، ان کی غزلوں کے اشعار ہر جگہ فنی ندرت اور فنی کمالات کا ثبوت دیتے ہیں۔

اختر الایمان جدید اردو نظموں کے منفرد حیثیت کے حامل شاعر ہیں۔ ان پر اشتراکیت اور ترقی پسندی کا اثر تو رہا لیکن انہوں نے اس کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا۔اختر الایمان کی ماضی کی یادیں ان کی شاعری کا اہم جز ہیں۔اختر الایمان کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ انہوں نے متعدد معروف ومشہور فلموں کے مکالمے اور کہانیاں بھی لکھیں۔ان کی نجی زندگی نشیب وفراز سے پر رہی اور اسی نشیب وفراز نے انہیں فنی طور پر باشعور اور پختہ کار شاعر بنا دیا۔اختر الایمان کی انفرادیت کی وجہ سے ہی انہیں اردو شاعری کی تیسری آواز کہا جاتا ہے۔اختر الایمان کا شعور اور شدت احساس ان کی شاعری کی انفرادیت بھی ہے اور بنیاد بھی۔ان کی متعدد نظموں میں بشری نا آسودگی، معاشرتی عدم مساوات اور بے کسی و بے بسی کی عکاسی ہوتی ہے۔

جدید اردو نظم نگاری میں ن م راشد کا اہم مقام ہے۔خاص طور سے آزاد نظموں کے معاملے میں انہیں انفرادیت حاصل ہے۔ عالمی سطح پر اقتصادی بحران، سیاسی کشمکش اور اقتصادی طور پر مضبوط ممالک کی غریب ممالک پر بے جا تسلط نے ن م راشد کی ذہنی افتادگی اور نظریہ حیات کو کئی طرح سے متاثر کیا۔ ان حالات کا راشد کی اکثر نظموں پر اثر دیکھا جا سکتا ہے۔خاص طور سے ان کی پہلے اور دوسرے شعری مجموعوں ماورا اور ایران میں اجنبی کی نظموں پر۔عزیز طلبا! آپ نے اس سبق میں ن م راشد کی دو نظموں شباب گریزاں اور سبا ویراں کا مطالعہ کیا ہے۔ان دونوں نظموں میں ن م راشد کی شاعری کی انفرادیت جھلکتی ہے۔ن م راشد نے اردو نظموں میں جو منفرد راہ اختیار کی اس سے بعض لوگوں نے اتفاق نہیں کیا لیکن راشد نے شاعری کی روایت کے حسب ضرورت انحراف تو کیا مگر فکری وفنی اعتبار سے بغاوت نہیں کیا۔راشد کی شاعری دراصل جدید اردو شاعری کی بتدریج فکری وفنی ارتقا کی انفرادی منزل

ہے۔ ان کی انفرادیت ان کی بعض نظموں مثلاً دریچے کے قریب، اندھا کباڑی، حسن کوزہ گر، شباب گریزاں اور سباویراں وغیرہ میں صاف صاف دکھائی دیتا ہے۔

4.2.6 خلاصہ

عزیز طلبا! اس سبق میں آپ نے نصاب میں شامل نظموں اور ان کے شعرا کی فنی خوبیوں کا جائزہ لیا ہے۔ آپ نے اب تک اس پیپر میں جن نظموں کا مطالعہ کیا ہے وہ مولانا الطاف حسین حالی کی نظم مناجات بیوہ، علامہ اقبال کی نظم شمع، تلوک چند محروم کی نظم علم، جوش ملیح آبادی کی نظم فتنہ خانقاہ، فیض احمد فیض کی نظم تنہائی، موضوع سخن، مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ کے علاوہ اختر الایمان کی نظم ایک لڑکا اور ن م راشد کی نظم شباب گریزاں اور سباویراں شامل ہیں۔ حالی کی نظم اصلاح معاشرہ کے پیش نظر لکھی گئی ہے جب کہ علامہ اقبال کی نظم شمع میں وحدۃ الوجود کا فلسفہ مکالماتی ڈھنگ سے پیش کیا گیا ہے۔ محروم نے اپنی نظم میں علم کی فضیلت، اس کی تاریخی حیثیت، سائنسی، علمی اور ایجاداتی و مذہبی اہمیت بیان کیا گیا ہے۔ جوش کی نظم فتنہ خانقاہ میں ایک حسین وجمیل دوشیزہ کی مختلف زاویہ نظر سے تصویر کشی کی گئی ہے۔ ساتھ ہی خانقاہ میں بیٹھے نقلی زاہدوں کی عیاشی پر طنز بھی کیا گیا ہے۔ فیض کی تینوں نظمیں محبوب کی جدائی، وصال اور زندگی کی پیچیدگیوں کو پیش کرتی ہیں۔ اختر الایمان کی نظم ایک لڑکا فنی وفطری اعتبار سے ان کی اپنی زندگی کی عکاسی کرتے ہوئے زمانے کے تینوں ادوار ماضی، حال اور مستقبل کی ناہمواریوں کو پیش کرتی ہے۔ منفرد ترقی پسند شاعر ن م راشد کی نظمیں شباب گریزاں اور سباویراں عہد گزشتہ کی عیش و عشرت بھری زندگی کا اشاریہ پیش کرتی ہے اور گردش ایام کی حقیقت بھی۔ سباب ویراں دنیا کی تلخیوں اور ناہمواریوں کو حزنیہ ڈھنگ سے عصر مسائل کی طرف توجہ مبذول کراتی ہے۔

4.2.7 فرہنگ

دوراز قیاس	اندازہ س دور
وراثت	ورثہ، میراث، ترکہ
مصنوعی	خیالی، خودکابنایاہوا
مزین	زینت دیا گیا، سجایاہوا، آراستہ
مرقع	البم،تصاویرکی کتاب، فقیروں کی گدڑی
فوقیت	بڑائی، برتری، ترجیح
انحطاط	کم ہونا،گھٹنا
پرآشوب	فتنہ انگیز، فساد سے بھراہوا
استبداد	ظلم وجور سے حکومت کرنا
افتادگی	عاجزی، انکساری، خاکساری
تسلط	حکومت، غلبہ، قابو

4.2.8 نمونہ امتحانی سوالات

1 فیض احمد فیض کی شاعری میں غم جاناں اورغم دوراں ایک ساتھ استعمال ہوا ہے۔اس قول کی وضاحت کیجیے۔

2 اخترالایمان کی شاعری کی امتیازی خصوصیات بیان کیجیے۔

3 جدید نظم نگاری کی ارتقامیں مولانا الطاف حسین حالی کی خدمات کا جائزہ لیجیے

4.2.9 مزید مطالعہ کے لئے

1 کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک

2 ن م راشد، کلیات راشد

3 جوش ملیح آبادی، یادوں کی بارات

4 فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا

جدید اردو نظموں میں مذکورہ نظموں کا مقام

اکائی کی ساخت

4.3.1 تمہید

4.3.2 تعارف

4.3.3 جدید اردو نظم کا آغاز

4.3.4 مناجات بیوہ، شمع اور علم

4.3.5 فتنہ خانقاہ، تنہائی، موضوع سخن اور مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ

4.3.6 ایک لڑکا، شباب گریزاں اور سباویراں

4.3.7 خلاصہ

4.3.8 فرہنگ

4.3.9 نمونہ امتحانی سوالات

4.3.10 مزید مطالعہ کے لئے

4.3.1 تمہید

عزیز طلبا! چوتھی اکائی کے اس سبق میں جدید اردو نظم نگاری میں ان نظموں کی ادبی اور فنی اہمیت کا تعین کیا جانا ہے۔ اب تک آپ نے پہلی، دوسری اور تیسری اکائیوں میں جدید نظم نگاری کے نمائندہ شعرا کی اہم نظموں کا مطالعہ کیا ہے، ان نظموں کی توضیح وتشریح کی ہے، ان پر تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ ان نظموں کے شعرا کے متعلق بھی آپ نے جانکاری حاصل کی ہے۔ نیز ان نظموں نے آنے والی نسلوں کے لئے جو راہیں متعین کیں اس کے بارے میں بھی آپ نے پڑھا۔ اس سبق میں جدید اردو نظم نگاری کی تاریخ میں مذکورہ نظموں کا ادبی وشعری مقام وحیثیت جاننے کی کوشش کی جائے گی۔

4.3.2 تعارف

عزیز طلبا! آپ جان چکے ہیں کہ 1857 کے بعد ہندوستان میں کئی طرح کی بیداری آئی ان کی وجہ سے کئی ادبی اور اصلاحی تحریکیں بھی وجود میں آئیں۔ سماج کا رویہ بدلا اور ادب میں تہذیبی وثقافتی مطالعہ کا چلن ہوا جس کا اثر اردو ادب پر بالخصوص اردو کے شعری ادب پر پڑا۔ علی گڑھ تحریک اور انجمن پنجاب نے اردو کے شعری روایت میں تبدیلی کی بنیادیں فراہم کیں۔ مولانا محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی نے نئی طرز کی نظم نگاری کا آغاز کیا۔ ان شعرا نے غزل کی پرانی روش اور روایت سے ہٹ کر موضوعاتی نظمیں کہیں۔ انجمن پنجاب کے علاوہ باہر بھی کئی شعرا نے جدید نظم نگاری کی ضرورت کو سمجھا اور موضوعاتی نظموں کی طرف توجہ کی۔ ان میں آزاد اور حالی کے علاوہ اسماعیل میرٹھی کا نام اہم ہے۔ عزیز طلبا! اس سبق میں آپ جدید اردو نظم میں ان شعرا اور ان کے ذریعہ لکھی گئی نظموں خاص طور سے آپ کے نصاب میں شامل نظموں کی اہمیت ومقام کا جائزہ لیا جائے گا۔ یہ بھی کوشش ہوگی کہ ان نظموں کے زیر اثر آنے والی نسلوں نے اپنی نظم نگاری میں اور کیا تبدیلیاں کیں۔ ان سبق میں جن نظموں کے مقام اور

اہمیت کا جائزہ لیا جائے گا وہ مناجات بیوہ، شمع، علم، فتنہ خانقاہ، تنہائی، موضوع سخن، مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ، ایک لڑکا۔ شباب گریزاں اور سباویراں ہیں۔

4.3.3 جدید اردو نظم کا آغاز

نئی اور جدید اردو نظم نگاری کے سالار کارواں مولانا محمد حسین آزاد سمجھے جاتے ہیں لیکن ان سے اوران کی نئی شاعری سے قبل بھی چند شعرا نے موضوعاتی نظمیں اور سماجی افادیت کی نظمیں لکھی تھیں اوران سے بھی بہت پہلے نظیر اکبرآبادی نے اس چلن کو عام کرنے کی کوشش کی تھی۔ مولانا محمد حسین آزاد لاہور کے محکمہ تعلیم میں نوکری کرنے سے پہلے خود دہلی کالج کے طالب علم رہ چکے تھے جہاں وہ اردو کے نئے فکری اور علمی رجحانات سے واقف ہوئے تھے۔ انھوں نے 1867 میں ایک تقریر کے دوران اس بات کی طرف توجہ دلائی تھی کہ اردو فارسی کے شاعری کے نقائص کو دور کر کے انسانی زندگی اور فطری ماحول کے اجزا پر توجہ دے کر انہیں شاعری کا موضوع بنانا چاہئے۔ ان کا خیال تھا کہ ادب میں بالخصوص شاعری میں ہم چبائے ہوئے نوالہ پھر سے کھا رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے لاہور میں انجمن پنجاب کے مشاعروں کے تحت نئی طرز کی شاعری کی بنیاد ڈالی۔ ان کا خیال تھا کہ شاعری میں اصلیت سے کام لینا چاہئے، زندگی کی سچی تصویر پیش کرنی چاہئے اور نظموں میں مقامی رنگ، تہذیب وثقافت کو اہمیت دینی چاہئے۔ مولانا محمد حسین آزاد کے ساتھ مولانا الطاف حسین حالی، اسماعیل میرٹھی اور شبلی وغیرہ نے قدم سے قدم ملا کر جدید اردو نظم کے قافلے کو آگے بڑھایا۔ ان کے بعد عظمت اللہ خاں، نظم طباطبائی، سرور جہان آبادی، برج نرائن چکبست، تلوک چند محروم، اکبر الہ آبادی، عبدالحلیم شرر اور محمد اقبال وغیرہ نے اسی راستے پر چلتے ہوئے جدید اردو نظم نگاری کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ جدید اردو نظم نگاری میں ایک خاص تصور نیچرل شاعری کا بھی ہے جس کے متعلق آپ اس پیپر کے سبق نمبر 11 میں پڑھ چکے ہیں۔

مولانا عبدالحلیم شرر نے نظم کی اس نئی روش جو نیچرل شاعری سے موسوم کی گئی کے متعلق لکھا ہے

''جن میں کوئی خیال بہت سادگی سے بندھ گیا ہے یا جن میں سوز وگداز،
جوش دل یا حسن دلفریب کی سچی تصویریں نظر آ گئی ہیں نیچرل شاعری ہے''۔

حالی نے اس نظریے کو شرر سے پہلے پیش کرتے ہوئے بے تصنع اور حقیقت پر مبنی شاعری کو نیچرل شاعری سے موسوم کیا تھا۔ جدید اردو نظم نگاری کے آغاز میں ان تصورات، خیالات اور موضوعات کو بہت ہی اہمیت حاصل ہے۔ بقول خلیل الرحمٰن اعظمی ' شاعری کے سلسلے میں جدید کی صفت بطور اصطلاح ہمارے یہاں اس وقت استعمال میں آئی جب آزاد اور حالی نے شعوری طور پر مقصدی، افادی اور اصلاحی قسم کی نظمیں لکھنے اور ان کو فروغ دینے کی کوشش کیں'۔

4.3.4 مناجات بیوہ، شمع اور علم

عزیز طلبا! جدید نظم کے اس پیپر میں آپ سب سے پہلے مولانا الطاف حسین حالی کے متعلق جانکاری حاصل کیا ہے اور ان کی بہت ہی معروف ومشہور نظم مناجات بیوہ پڑھی ہے۔ دراصل مناجات بیوہ سماجی اصلاح بالخصوص ہندوستانی سماج میں بیواؤں کی ابتر سماجی حیثیت کو پیش کر کے ایک اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ ہندوستانی تہذیب میں بیوہ کو باعث ننگ تصور کیا جاتا تھا۔ حالی نے بیوہ عورتوں کی بے بسی اور بے کسی کو پیش کر کے اردو نظم نگاری میں یہ ثابت کر دیا کہ سماجی مسائل کو اگر صدق دل سے شاعری کے ذریعہ پیش کیا جائے تو اس کا خاطر خواہ اثر ہوتا ہے اور بطور فن اس کی پزیرائی بھی۔ ہندوستانی سماج میں اور ہندو تہذیب میں عورت کی دوسری شادی کرنے کا رواج نہیں جب کہ مسلم معاشرے میں دوسری شادی پر کوئی پابندی نہیں۔ حالی نے پورے ہندوستانی معاشرے جس میں سبھی مذاہب کے پیروکار رہتے بستے ہیں کو عورتوں کی عظمت بتانے اور نہایت خراب رسم پر قدغن لگانا ضروری سمجھتے تھے۔ وہ عورتوں کی

عظمت اور پاکیزگی کے قائل تھے لہذا انہوں نے اس اہم مسئلے کی طرف توجہ کی اور قدرے طویل نظم لکھ کر ایک طرف اردو شاعری میں طویل نظموں کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کی داغ بیل ڈالی۔ نظم مناجات بیوہ پر بہت سے ادبا و شعرا نے اظہار خیال کیا ہے اور اس کی ادبی حیثیت کو سراہا ہے۔ عبدالماجد دریابادی نے مناجات بیوہ کی خوبی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے

> ''حالی نے عمر بھر بجز ایک 'بیوہ کی مناجات' کے اگر ایک شعر بھی نہ کہا ہوتا تو ان کی یہی ایک نظم دنیا و عقبی میں بس تھی۔ باتیں اتنی سچی اور روح کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی کہ آسمان کے فرشتے بھی وجد میں آ آ کر رہیں۔ بول اتنے میٹھے کہ خود معصومیت بے اختیار لپٹ لپٹ کر بلائیں لینے لگے''۔

الغرض کہ جدید اردو نظم کے آغاز میں لکھی ہوئی یہ نظم اثر انگیزی کے اوصاف سے پر ہے۔ اس نظم کی ادبی حیثیت کا اس سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا ترجمہ متعدد زبانوں میں ہو چکا ہے۔

عزیز طلبا! علامہ اقبال نے کئی فلسفیانہ نظریات کو اپنی نظموں میں پیش کیا ہے بلکہ غزلوں کے بعض اشعار بھی ان کے فلسیانہ نظریات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ زیر مطالعہ نظم بھی ایک معروف فلسفیانہ مکتب فکر وحدۃ الوجود کی ترجمانی ہے۔ اصل میں علامہ اقبال نے نظم کو پیش کر کے انسان کی خوبی اور قرب الٰہی کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسان ہی اللہ تعالی کی مقرب تخلیق ہے۔ اقبال نے یہ نظم 1904 میں لکھی تھی اس زمانے میں وہ وحدۃ الوجود کے فلسفے سے بہت متاثر تھے۔ بعد کی نظموں بالخصوص بال جبریل اور ضرب کلیم کی بعض نظموں میں بھی وحدۃ الوجود کے فلسفے کو پیش کیا ہے۔ تاہم ان نظموں سے بہت پہلے علامہ اقبال نے شمع اور انسان کا تقابلی موازنہ کرتے ہوئے وحدۃ الوجود کے فلسفے کو تمثیلی پیرایے میں پیش کیا ہے۔ یہ نظم علامہ اقبال کی کئی فلسفیانہ نظموں مثلاً ساقی نامہ، فلسفہ، شعاع امید، شکوہ جواب شکوہ، روح

ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے اور ذوق وشوق وغیرہ اس طرح کی معروف ومشہور نظمیں ہیں۔ اس نظم میں اقبال کی ابتدائی شاعری یعنی 1905 سے پہلے ہی ان کی فنی اور فکری رجحانات کو اردو شاعری بالخصوص اقبال کے ہم عصر شعرا میں ان کی شاعرانہ پختہ خیالی کو ظاہر کر دیا تھا۔ بعد کی نظموں میں اسی خیال کو پیش کیا۔ نظم شمع اقبال کی ہی نہیں اردو کی شعری سرمایہ میں بہت ہی اہمیت کی حامل ہے اور اپنی منفرد انداز پیش کش اور تاثیر کی وجہ سے قاری اور سامع پر اپنا تاثر قائم کرنے میں کامیاب نظم ہے۔

تلوک چند محروم جدید نظم گوشعرا میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ عزیز طلبا! آپ اس پیپر میں ان کے حالات زندگی اور شاعرانہ انفرادیت کے متعلق پڑھ چکے ہیں۔ نظم 'علم' ان کی ایک معروف نظم ہے۔ یہ نظم جدید نظم نگاری میں اہم مقام رکھتی ہے۔ محروم کا خیال تھا کہ ایسی نظمیں لکھی جائیں جس سے بچوں میں کام کرنے کا لگن، عزم وحوصلہ، پاکیزہ عقائد وغیرہ قدریں اجاگر ہوں۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ علم کی اہمیت، افادیت اور تاریخی پس منظر کے متعلق ایسی نظم لکھیں جس سے طلبا کو نظم کے ذریعہ مذکورہ اقدار کی اہمیت معلوم ہو سکے کیوں کہ دنیا کی ساری برکتیں، نیک عادتیں اور اقدار کا حصول علم کے حصول میں ہی مضمر ہے۔ چنانچہ محروم نے جہاں بہت سی افادی عنوانات وموضوعات پر نظمیں لکھیں وہیں انہوں نے علم کی افادیت، اہمیت اور تاریخی پس منظر بیان کر کے طلبا میں اور نئی نسل میں علم کے حصول کے تئیں بیداری پیدا کی۔ یہ نظم جدید اردو نظم کے زمرے میں اور موضوعاتی ونیچرل شاعری کے ضمن میں شمار ہوتی ہے۔ حالاں کہ علم کی افادی پہلوؤں کو نثر میں بہت سے ادبا نے بیان کیا ہے تاہم نظم میں اس موضوع کو زیادہ پراثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ کیوں کہ نظم بچوں کو اور عام قاری کو نثر کے مقابلے زیادہ اپیل کرتی ہے۔ اس وجہ سے علم کے افادی پہلوؤں کو نظم کے ذریعہ بیان کرنا نثر کے مقابلے زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے۔ نظم نگار نے علم کی تشریح اور استعارے کو منفرد انداز میں تاریخ، تہذیب اور ثقافت کے پس منظر میں

بیان کر کے ایک اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ گو کہ نظم میں افادی پہلوؤں کو زیادہ بیان کیا گیا ہے لیکن بندش الفاظ میں اور معنی و مطلب کی فراوانی میں کوئی کمی نہیں۔ علم کی قدر و قیمت اور افادی پہلو کے ساتھ ساتھ علمی جواہر کو قاری کے سامنے لانے میں شاعر نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ الغرض اردو کی جدید نظم نگاری میں افادی پہلوؤں کے لحاظ سے ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

4.3.5 فتنہ خانقاہ، تنہائی، موضوع سخن اور مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ

عزیز طلبا! جدید نظم نگاری میں اہم مقام رکھنے والے ایک پر جوش شاعر جوش ملیح آبادی ہیں آپ نے ان کی ایک بہت ہی اچھی نظم فتنہ خانقاہ پڑھی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جوش بہت ہی خوبصورت استعاروں، نادر تشبیہوں اور اچھوتے تمثیل سے اپنی شاعری میں کام لیتے ہیں۔ ان کی جزئیات نگاری اپنی مثال آپ ہے۔ مناظر کی اس طرح تصویر کشی کرتے ہیں کہ اس کا ایک ایک پہلو قاری کے ذہن و دل پر ثبت ہو جاتا ہے۔ فتنہ خانقاہ اسی طرح کی ایک نظم ہے۔ جوش کے مذکورہ تجربہ، جائزہ اور جذبہ حسن سے فطری لگاؤ کی وجہ سے یہ نظم جذبات نگاری کی اچھی مثال سے پیش کرتی ہے۔ اس نظم میں شاعر حسن کو اور اس کی نیرنگیوں کو مختلف انداز سے دیکھا ہے، پرکھا ہے اور پیش بھی کیا ہے۔ یہ جدید اردو شاعری کی معروف رومانی نظموں میں شمار ہوتی ہے۔ اس طرح کی دیگر نظمیں مثلا پیغام بہار، امین شہاب، اپنی ملکہ سخن سے، شراب آغوش، پرتو اجسام، برسی ہوئی آنکھیں وغیرہ بھی ہیں لیکن گنگا کے گھاٹ پر اور فتنہ خانقاہ جوش کی ایسی رومانی نظمیں ہیں جس میں انہوں نے بے مثال تصویر کشی کی ہے۔ فتنہ خانقاہ میں شاندار تشبیہات اور دلکش و معنی خیز استعارے بڑی آب و تاب سے پیش کیے گئے ہیں۔ فتنہ خانقاہ جہاں ایک طرف حسن کی دل آویزی کو پیش کرتی ہے وہیں معاشرے کے ایک بہت بڑے فتنے کو بے نقاب کرتی ہے۔

عزیز طلبا! آپ نے پچھلے سبق میں فیض کی تین نظمیں تنہائی، موضوع سخن اور مجھ سے پہلی سی

محبت میرے محبوب نہ مانگ پڑھی ہے۔ یوں تو فیض نے متعدد نظمیں ایسی لکھی ہیں جو جدید اردو شاعر میں شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہ تینوں نظمیں بھی اسی زمرے میں شمار کی جاتی ہیں۔ نظم تنہائی فنی اور معنوی دونوں اعتبار سے اردو نظم نگاری میں بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ نظم شاعر کی داخلی کیفیت کو بیان کرتی ہے۔ اس میں شاعر کا سارا وجود سمٹ کر انتظار کے نقطے پر مرکوز ہو گیا ہے۔ شاعر کی حالت اس مسافر کی طرح ہو گئی ہے جہاں سراب میں پانی دکھائی دیتا ہے، جہاں امید و بیم کی کیفیت بھی ہے اور دھندلا دھندلا سا یقین بھی۔ انتظار کی شدت بھی اور بعد انتظار کے مایوسی بھی۔ اس نظم کو عالمی پیمانے کی نظموں سے موازنہ کیا جا سکتا ہے خاص طور سے آرتھر سائمن یا ہارنی کی نظموں سے۔ فیض اس نظم میں انگریزی نظموں سے متاثر نظر آتے ہیں لیکن کسی کا طرز فکر قبول نہیں کرتے۔ ترسیل و ابلاغ کے لحاظ سے اور نغمگی وغنائیت کے لحاظ سے یہ اردو نظموں کی بہترین تصویر پیش کرتی ہے۔ فیض نے اس نظم میں مروجہ شعری انداز سے ہٹ کر صنعتوں کا استعمال کیا ہے۔ معنی اور کیفیت کے لحاظ سے اس نظم میں آفاقیت نظر آتی ہے۔ نظم تنہائی فیض کی ہی نہیں بلکہ پوری اردو نظم نگاری کی بہترین نظموں میں شمار ہوتی ہے۔ فیض کی دوسری نظم جو شامل سبق ہے وہ موضوع سخن ہے۔ موضوع سخن زندگی کی دو رنگوں کو پیش کرتی ہے۔ پہلا رنگ رخسار و پیراہن، محبوب کا حسن، اس کی دل آویزی، اس کے سرخی و رخسار اور حنائی و صندلی دست و باز و نظم کی پہلی پر کشش تصویر پیش کرتے ہیں لیکن جلد ہی دنیا کی تلخ حقیقتوں کا سامنا کرتے ہی آرزوئیں، بھوک و افلاس اور حسرت و یاس کے صحرا میں کھو جاتی ہیں۔ دنیا کی حقیقتوں سے آنکھیں ملانے کی ایک بار شاعر کوشش کرتا ہے تاہم ہمت نہیں جٹا پاتا اور پھر گھبرا کر محبوب کی آغوش میں اور اس کی دل آویزیوں میں کھو جانا چاہتا ہے۔ نظم انسانی زندگی کی دونوں حقیقتوں کو بڑی خوبصورتی سے بیان کرتی ہے۔ موضوع سخن فیض کی بہترین نظموں میں شمار ہوتی ہے اور جدید نظم نگاری میں ایک خوش گوار اضافہ کرتی ہے۔ فیض

کی سب سے زیادہ پڑھی، سنی، سنائی جانے والی نظم اور عالمی پیمانے پر معروف ومشہور نظم جسے متعدد معروف ومشہور موسیقی کاروں اور نغمہ سراؤں نے اپنی موسیقی اور آواز سے سامع اور قاری کو محظوظ کیا ہے وہ نظم 'مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ' ہے۔ یہ نظم بھی موضوع سخن کی طرح دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ خالص رومانی اور جمالیاتی اقدار سے بھر پور ہے جبکہ دوسرا حصہ دنیا کی حقیقت اور معاشرتی سچائی سے قاری وسامع کو روبرو کراتی ہے۔ جدید اردو نظم نگاری میں سادہ اور بیانیہ نظم کی ایک عمدہ مثال ہے جو اپنے عنوان مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ سے شروع ہوتی ہے اور اسی مصرعے پر ختم بھی ہوتی ہے۔ اس نظم سے متعلق ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے لکھا ہے

> ''اگر یہ اشعار جوش کے قلم سے ٹپکتے تو دھچکا نہ لگتا کیوں کہ ان کی بغاوتوں کے ہم عادی رہے ہیں لیکن فیض کے یہاں غازہ ورخسار اور ضیائے تبسم کے ساتھ خون اور پیپ کا تصور! بہت سے شاعر اور نقاد چیخ اٹھے۔ وہ تو خود ہی فیض نے جب نظم کے خاتمے پر اس کا ازالہ اس طرح کیا کہ:
>
> اب بھی دلکش ہے ترا حسن مگر کیا کیجئے
>
> تو ایک گونہ تسلی ملی۔ لیکن یہیں سے فیض کی یک رنگ شاعری میں دوسرے رنگ کا تار ملتا ہے۔ اس نئے شعور نے فیض کا تصور محبت ہی بدل دیا۔

فیض کی یہ نظم جو بھی پڑھتا ہے وہ الجھن اور کشمکش میں پڑ جاتا ہے۔ اس نظم کی شدت تاثر قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور وہ نظم کی گہرائی میں ڈوبتا چلا جاتا ہے خاص طور سے پہلے حصے میں بیان کردہ غم جاناں اور دوسرے حصے میں غم دوراں کے درمیان جو خلیج ہے اس سے جمالیاتی احساس کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ نظم خیال، جذبے اور اس کے ساتھ ساتھ ایسا چکرویو بناتی ہے کی قاری پھنس کر رہ جاتا ہے۔

اس خوبصورت نظم کے کئی مصرعے خاص و عام زبان زد ہیں مثلاً 'اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا' یا پھر 'تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے' عالمی پیمانے پر جانی پہچانی جانے والی اس نظم میں شاعری کے دونوں مزاجوں کی عکاسی کی ہے۔ اردو نظم نگاری میں اسے سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔

4.3.6 ایک لڑکا، شباب گریزاں اور سباویراں

عزیز طلبا! آپ جانتے ہیں کہ اختر الایمان کی شاعری میں گزرے ہوئے زمانے 'ماضی' کا شدید احساس ہے۔ ان کی شاعری کا کینوس ماضی کے قطب نما سے بنا ہے۔ ایک لڑکا اختر الایمان ماضی کی یادیں ہی تو ہے۔ ایک لڑکا ہی کیا کئی نظمیں مثلاً پرانی فصیل، تبدیلی، کوزہ گر وغیرہ بھی ماضی کا منظرنامہ پیش کرتی ہیں۔ اختر الایمان کی نظموں میں ان کی احساس کی پرتیں دھیرے دھیرے کھلتی ہیں اور ماضی، حال و مستقبل تینوں پر محیط ہو جاتی ہیں۔ اردو کی جدید نظم نگاری میں ایک لڑکا ایک انفرادی نظم ہے جس میں فنی اعتبار سے اختر الایمان اپنے فن کی بلندیوں کو چھوتے نظر آتے ہیں۔ اس نظم میں انہوں نے قاری کو بچپن، جوانی اور ماضی و حال کی دو مختلف منزلوں سے روبرو کرایا ہے۔ اردو نظم نگاری میں نظم ایک لڑکا کو ساختیاتی طرز اور ڈرامائی طرز دونوں کا اشاریہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ نظم تقریباً بیس برسوں میں مکمل ہوئی۔ اس نظم کی وجہ تسمیہ خود اختر الایمان نے بیان کی ہے کہ کیوں کر اس نظم کی تحریک ملی۔ یہاں ان کا بیان نقل کرنا باعث طوالت ہے۔ کل ملا کر جدید اردو نظم نگاری میں اختر الایمان کی یہ نظم شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔

عزیز طلبا! آپ نے ن م راشد کی دو نظمیں پڑھی ہیں۔ ن م راشد اردو نظم نگاری میں آزاد نظم کے لئے جانے جاتے ہیں۔ راشد کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے اردو شاعری کے تمام تر انداز بیان کو اور طور طریقوں کو جدید شاعری میں پرونے کی کامیاب کوشش کی۔ راشد کی نظموں میں اساطیری اور دیو مالائی تہذیب و تمدن کے نقوش کے ساتھ ساتھ عالمی تہذیب و تاریخ کے مناظر بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان

کا تعلق جتنا حال اور مستقبل سے ہے اس سے زیادہ گہرا تعلق ماضی سے ہے۔ شباب گریزاں ن م راشد کے مشہور مجموعہ کلام ایران میں اجنبی سے ماخوذ ہے۔ راشد نے مشرق وسطی کی ثقافت کو شعوری طور پر اپنی نظموں کا موضوع بنایا ہے۔ شباب گریزاں بھی مخصوص علامتوں کے اظہار کے ساتھ عہد گزشتہ کی پردہ کشائی کرتی ہے۔ ن م راشد کی نظم شباب گریزاں اس فانی دنیا میں شان وشوکت سے رہنے بسنے والوں کی وقتی خوشحالی، شادمانی اور عیش وعشرت کے ساتھ دائمی زوال کا استعارہ ہے اور زوال بھی ایسی جسے دوبارہ بدلا نہیں جاسکے جو دھندلا جائے، جو تصاویر ماند پڑ جائے اور ان میں نئے رنگ نہیں بھرے جا سکے۔ انسانی زوال ویسی ہی ہے جیسے سورج، چانداور ستاروں کی روشنی کہ ان کے غروب کے بعد ان کی روشنی لوٹائی نہیں جاسکتی۔ بہر حال راشد کی یہ نظم مختلف تلمیحات واستعارات لئے ہوئے اردو شاعری کی روایت میں ایک نیا آہنگ پیش کرتی ہے۔ ن م راشد کی دوسری نظم جو آپ نے پڑھی ہے وہ سبا ویراں ہے۔ سبا ویراں بھی ایران میں اجنبی کا ہی حصہ ہے۔ یہ راشد کی شاعری کے وسطی دور کی نظم ہے جب وہ ابتدائی جذباتی انداز کے اظہار پر بہت حد تک قابو پا چکے تھے اور ان کے یہاں ادبی، فکری بالیدگی آگئی تھی۔ سبا ویراں بنیادی طور پر ایک علامتی نظم ہے جس کا پس منظر صدیوں پرانی کہانی سے ہے جسے راشد نے تلمیحات کے طور پر استعمال کیا ہے۔ حضرت سلیمان جن کو شان وشوکت کی علامت سمجھا جاتا ہے جن کی حکمرانی جن وانس کے ساتھ ساتھ چرند وپرند پر بھی تھی۔ سبا شہر کی ملکہ بلقیس کا تخت جب سلیمان کے دربار میں اٹھا کر لایا گیا بلقیس نے اسے حوض سمجھا۔ ان میں دو کرداروں کو اشاراتی اور تلمیحاتی طور پر سبا ویراں میں استعمال کیا گیا ہے کہ سلیمان اب سر بہ زانو ہے اس کا علاقہ سبا ویران ہے۔ شاعر نے اس واقعے کو تلمیح کے طور پر استعمال کر کے اس فانی دنیا کی طرف اشارہ کیا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام جن کی حکومت جن وانس کے ساتھ ساتھ سبھی جانداروں پر بھی تھا جو جنوں کا بھی حاکم تھا۔ جس کی پہنچ

آسمانوں تک تھی لیکن آج ان کی نسل ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اوراس کی زندگی ویران اور بنجر ہے۔سلیمان اور سبا دونوں الفاظ جدید دور کے انسان کی لاحاصل اور بے عملی اور بے کیف زندگی کی علامت پیش کرتے ہیں۔راشد کی یہ نظم ویسی ہی ہے جیسے ایک معروف انگریزی شاعر ٹی ایس ایلیٹ کی The Waste Land ۔راشد نے بھی ایلیٹ کی طرح دنیا کی تہذیب اور انسان کی مایوسی، دوعالمی جنگوں کے بعد لاحاصل نتیجے کے طور پر انسانی تہذیب بنجر ہوگئی اس کو علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔اس نظم کی خصوصیت یہ ہے کہ قدیم ماحول کوتلمیحاتی طور پر کامیابی سے پیش کیا گیا ہے۔دنیا کے اجڑے پن کی فضا اور ویرانی کو بہت موثر طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔اس اعتبار سے اور فکری وعلامتی اعتبار سے بھی سبا ویراں جدید اردو شاعری کی چنندہ نظموں میں شامل ہے۔

4.3.7 خلاصہ

عزیز طلبا! اس سبق میں اردو کی جدید نظموں کے زمرے میں آپ نے ان نظموں کا مطالعہ کیا ہے جن کا آپ نے پچھلے اسباق میں بھی تجزیہ کیا تھا اوران کی اہمیت، افادیت اور ادبی مقام کے متعلق بھی پڑھا تھا اس کے تحت جدید اردو نظم کا آغاز کے ساتھ ساتھ مناجات بیوہ، شمع علم، فتنہ خانقاہ، تنہائی، موضوع سخن، مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ، ایک لڑکا، شباب گریزاں اور سبا ویراں نظمیں شامل ہیں۔آپ جان چکے ہیں کہ اردو میں جدید نظم نگاری کی ابتدا انجمن پنجاب اور علی گڑھ تحریک کے زیراثر مولانا محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی کی رہنمائی میں ہوا۔جدید اردو نظم نگاری میں قدیم روش سے ہٹ کر سماجی اصلاح کے لئے موضوعی نظمیں لکھی گئیں۔آپ نے جن اصلاحی اور موضوعی نظموں کا مطالعہ کیا ہے ان میں مولانا الطاف حسین حالی کی نظم مناجات بیوہ ہے۔مناجات بیوہ ایک اصلاحی نظم ہے جو ہندوستان میں بیوہ عورتوں کی حالت زار کو بیان کرتی ہے اور سماجی اصلاح کی دعوت دیتی ہے۔دوسری

نظم اقبال کی شمع ہے۔اس نظم میں دنیا میں انسان کی اہمیت،افادیت اورقرب الٰہی کا طریق کارکوموضوع بنا کرشمع کی تمثیل کے ذریعہ وحدۃ الوجود کے فلسفے کوپیش کا گیا ہے۔ایک اہم نظم 'علم' بھی آپ نے پڑھی جو معروف نظم نگارتلوک چندمحروم کی لکھی ہوئی ہے۔اس نظم میں علم کی اہمیت،افادیت اوراس کی برکتوں کو بیان کر کے نئ نسل کوعلم کے حصول کی طرف راغب کیا گیا ہے۔جدیداردونظم نگاری میں جوش ملیح آبادی کا اہم مقام ہے۔فتنہ خانقاہ ان کی ایک بیانیہ نظم ہے۔جس میں ایک طرف دوشیزہ کی دوشیزگی اورحسن کو بیان کیا گیا ہےتو وہیں دوسری طرف خانقاہوں میں بیٹھے نقلی زاہدوں اور ملاؤں کی عیاری اورمکاری کوپیش کیا گیا ہے۔فیض کی تین نظمیں آپ نے پڑھی ہیں۔تنہائی،موضوع سخن اور مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ۔تنہائی اپنی قسم کی ایک الگ نظم ہے۔یہ چھوٹی سی نظم شدت انتظاراورتنہائی کی شدت کو پیش کرتی ہے جب کہ موضوع سخن اور مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ میں فیض احمد فیض نے غم جاناں اورغم دوراں کوایک ساتھ بڑے خوبصورت انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ایک لڑکا اخترالایمان کی طویل نظم ہے۔اس موضوع کے حوالے سے اخترالایمان نے ماضی،حال اور مستقبل کو بیک وقت بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔شباب گریزاں اورسباویراں دونوں نظمیں اردو کے منفرد شاعر ن م راشد کی ہیں۔ن م راشد کی نظموں میں اساطیری اور دیو مالائی تہذیب وتمدن کے نقوش کے ساتھ ساتھ عالمی تاریخ وتہذیب کے مناظر بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔شباب گریزاں میں راشد نے مخصوص علامتوں کے سہارے عہدگزشتہ کی پردہ کشائی کی ہےاور فانی دنیا کی شان وشوکت،وقتی خوشحالی اور شادمانی کے ساتھ ساتھ دائمی زوال کی طرف اشارہ کیا ہے۔سباویراں میں ایک تاریخی تلمیح کوپیش کیا گیا ہے۔ایک تلمیحی واقعے کے پردے میں انسان کےعروج وزوال کی طرف واضح اشارہ ہے۔فکری اور علامتی اعتبار سے سباویراں اردونظم نگاری کی تاریخ میں اہم حیثیت کی حامل ہے۔

4.3.8 فرہنگ

دلفریب	دل کو لبھانے والا، دلربا
بے تصنع	جس میں دکھلاوا نہ ہو
قدغن	روک، ٹوک
داغ بیل ڈالنا	کسی کام کی ابتدا، کام کی بنیاد رکھنا
دقیقہ فروگزاشت کرنا	کسر نہ چھوڑنا، سخت کوشش کرنا
مروجہ	جو رائج ہو
غنائیت	نغمے کی کیفیت وموسیقیت
دل آویزی	دل لبھانا
آغوش	گود، بغل، کنار

4.3.9 نمونہ امتحانی سوالات

1 جدید نظم نگاری کے آغاز وارتقا پر اظہار خیال کیجیے

2 مناجات بیوہ اور شمع کی ادبی اہمیت بتایئے

3 فیض احمد فیض کی شاعری کی خصوصیات بیان کیجئے

4 ن م راشد کی نظموں کی انفرادیت بیان کیجئے

4.3.10 مزید مطالعہ کے لئے

1 کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک

2 ن م راشد، کلیات راشد
3 جوش ملیح آبادی، یادوں کی بارات
4 فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا

ن م راشد کی نظم کے علامتی پہلو

اکائی کی ساخت

4.4.1 تمہید

4.4.2 تعارف

4.4.3 ن م راشد: مختصر تعارف

4.4.4 راشد کی شاعری کے موضوعات

4.4.5 راشد کی شاعری میں ہیئتی تجربے

4.4.6 ن م راشد کی نظم کے علامتی پہلو

4.4.7 خلاصہ

4.4.8 فرہنگ

4.4.9 نمونہ امتحانی سوالات

4.4.10 مزید مطالعہ کے لئے

4.4.1 تمہید

عزیز طلبا! آپ کے اس پیپر نظم جدید کی چوتھی اکائی کے چوتھے سبق میں ن م راشد کی نظموں کے 'علامتی پہلو' پر گفتگو ہوگی۔ اس پیپر میں کئی حوالے سے آپ نے ن م راشد کو پڑھا ہے مثلاً اکائی نمبر 2 کے سبق نمبر 4 میں ان کی دو نظموں شباب گریزاں اور سبا ویراں کی تشریح کی ہے۔ اکائی نمبر 3 کے سق نمبر 9 اور 12 میں بالترتیب جدید اردو نظم کے فروغ میں مذکورہ شعرا کی خدمات اور اردو نظم پر یورپی اثرات کے حوالے سے بھی ن م راشد اور ان کی نظموں کی انفرادیت سے آپ روشناس ہو چکے ہیں۔ جدید نظم کی اسی اکائی میں زیر بحث سبق سے پہلے جدید اردو نظم میں 'مذکورہ نظموں کا مقام' کے حوالے سے بھی ن م راشد کا تذکرہ کیا گیا۔ آیئے اب ہم ن م راشد کی نظم نگاری کی انفرادیت یعنی ان کی نظموں کے علامتی پہلو پر بات کرتے ہیں۔

4.4.2 تعارف

جدید اردو نظم نگاری میں تاریخی اعتبار سے سب سے اہم تبدیلی 1857 کی ناکام بغاوت کے بعد آئی جب انجمن پنجاب اور علی گڑھ تحریک کے زیر اثر موضوعی نظموں کے ذریعہ معاشرتی اصلاح کا کام لیا جانے لگا۔ مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی کے ساتھ ساتھ مولوی اسماعیل میرٹھی بھی اس کے سالار کارواں میں شمار ہوتے ہیں۔ جدید نظم نگاری ترقی پسند تحریک سے بھی متاثر ہوئی اور اردو نظم میں کئی ہیئتی اور معنوی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ عزیز طلبا! آپ نے پچھلے اسباق میں کئی شعرا کے متعلق ان کی شاعری، ان کی فن کارانہ صلاحیت اور ان شعرا کی انفرادیت کے ساتھ ساتھ ان کی کئی نظموں کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ جدید اردو نظم نگاری میں چند ایسے نظم نگار شعرا ہیں جنہوں نے نظم جدید کو کئی اعتبار سے نئی سمت و رفتار عطا کی مثلاً فیض احمد فیض، جوش ملیح آبادی، اختر الایمان، میراجی اور ن م راشد وغیرہ۔ ن م

راشد کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے اردو نظم نگاری میں ہیئتی تجربات کر کے آزاد نظم کی راہیں ہموار کی۔ اس سبق میں آپ ن م راشد کی نظم نگاری کے علامتی پہلو پر بحث کریں گے۔

4.4.3 ن م راشد: ایک مختصر تعارف

ن م راشد کا نام نذر محمد تھا۔ 9 نومبر 1910 میں پاکستان کے گجرانوالہ کے ایک چھوٹے سے قصبے اکال گڑھ میں پیدا ہوئے۔ والد اسکول انسپکٹر تھے۔ 1928 میں میٹرک پاس کیا اور پھر گورنمنٹ کالج لاہور سے انگریزی اقتصادیات اور فارسی مضامین کے ساتھ بی اے آنرس۔ کالج کے زمانے میں راشد کی کئی مزاحیہ مضامین شائع ہوتے رہے۔ اس زمانے میں کالج کے بزم سخن کے سکریٹری رہے۔ راشد اچھے مقرر تھے۔ ایم اے اقتصادیات میں داخلہ لیا فرانسیسی زبان سیکھی اور منشی وفاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔ ن م راشد کا نکاح ان کی ماموں زاد بہن سے 1935 میں ہوا۔ 1939 میں راشد آل انڈیا ریڈیو میں نیوز ریڈر اور پروگرام اسسٹنٹ مقرر کئے گئے۔ 1943 میں فوج میں عارضی کمیشن حاصل کیا اور بیرونِ ملک چلے گئے۔ عراق، ایران اور مصر میں مقیم رہے۔ 1947 میں فوجی ملازمت ترک کر دی اور دوبارہ آل انڈیا ریڈیو سے منسلک ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد راشد پشاور ریڈیو اسٹیشن پر اپنی خدمات انجام دی۔ 1952 میں وہ اقوام متحدہ سے منسلک ہوئے جس کے تحت نیویارک، جکارتہ، کراچی میں اپنی خدمات پیش کی۔ بعد ازاں ایران کی راجدھانی تہران میں اقوام متحدہ کے مرکز اطلاعات کے ڈائرکٹر مقرر ہوئے۔

ن م راشد کالج کے زمانے سے مختلف ادبی محاذوں پر سرگرم رہے۔ احمد شاہ بخاری (پطرس بخاری) لنک ہارن اور ڈکشن ان کے اچھے اساتذہ میں شامل تھے۔ ن م راشد شاعری کے علاوہ نثری ادب اور تنقید میں بھی شغف رکھتے تھے۔ ان کے کئی تنقیدی مضامین مثلاً امتیاز علی تاج کا ڈرامہ انارکلی،

اردو ادب پر غالب کا اثر اور ظفر علی خاں کی شاعری وغیرہ شائع ہوئے۔ مغربی مفکرین اور ادبا و شعرا میں خاص طور سے ای ایم فوسٹر، ڈی ایس لارنس، جیمس جوائس، آسکر والٹیر، میلسن، ٹالسٹائی اور ٹی ایس ایلیٹ سے خاص طور سے اثر قبول کیا۔ فارسی شعر و ادب میں راشد کو عبور حاصل تھا۔ مشرقی شعریات بشمول فارسی میں وہ رومی و حافظ سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ صرف 31 سال کی عمر میں ان کا پہلا مجموعہ ماورا شائع ہوا۔ 1955 میں ایران میں اجنبی دوسرا مجموعہ کلام شائع ہوا اور راشد کا تیسرا مجموعہ کلام 1969 میں لا=انسان کے نام سے شائع ہوا جبکہ گمان کا ممکن ان کا چوتھا مجموعہ کلام ہے۔ راشد کے پہلے مجموعہ کلام میں عہد جوانی کے تجربات و مسائل کے علاوہ تہذیبی نقوش اور معاشرتی مشاہدے پائے جاتے ہیں جبکہ ان کے باقی مجموعہ کلام میں ان کی انفرادیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ راشد کے مجموعہ کلام کے علاوہ دیگر ادبی خدمات میں فارسی کے 22 شعرا کی 80 نظموں کا اردو ترجمہ اور کئی انگریزی ناولوں کا اردو ترجمہ شامل ہے۔

4.4.4 راشد کی شاعری کے موضوعات

عزیز طلبا! آپ پڑھ چکے ہیں کہ ن م راشد اور جدید نظم میں ہیئت کے تجربے کا ایک ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ن م راشد جدید اردو نظم کے اہم ترین شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے پچھلے صفحات میں یہ پڑھ لیا کہ انہوں نے ملازمت کے سلسلے میں بہت سے اہم ملکوں اور شہروں کا دورہ بھی کیا اور کئی شہروں میں مدتوں مقیم بھی رہے۔ یہ وہ عہد تھا جب دوسری جنگ عظیم کے اثرات بیشتر ملکوں پر خاص طور سے مشرق وسطی کے ممالک پر دیکھے جا سکتے تھے۔ ان سب حالات و واقعات کا اثر راشد کی شاعری اور نظموں کے موضوعات پر پڑا۔ راشد کی شاعری کے موضوعات کا انحصار ان کی انفرادیت ان کی بلند خیالی اور ان کی محسوسات پر بھی ہے۔ اگر ہم راشد کی نظموں کی موضوعات کا جائزہ لیں تو اس میں ارتقائی عمل

صاف صاف نظر آتا ہے۔ راشد آسان موضوعات سے مشکل موضوعات اور علاماتی و اشاراتی موضوعات کی طرف بتدریج بڑھتے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا ہر شعری مجموعہ نیا لطف، نیا رنگ و آہنگ لئے ہوئے ہے۔ راشد کا پہلا شعری مجموعہ ماورا کے نام سے 1941 میں شائع ہوا۔ آپ جان چکے ہیں کہ یہ مجموعہ راشد کی نوجوانی کے ایام کی نظموں پر مشتمل ہے۔ چنانچہ ان نظموں کے موضوعات میں رومانیت کا رنگ غالب ہے۔ اس کی ایک اور وجہ ان کے سینئر اور ہم عصر شاعروں کی تخلیقات و موضوعات بھی ہیں بالخصوص اختر شیرانی وغیرہ کا۔ چنانچہ ماورا کی ابتدائی نظموں میں موضوعات کے لحاظ سے رومانیت جھلکتی ہے۔ تاہم عام شاعری اور مروجہ شاعری کی پابندیوں سے آگے نکل جانے کا رجحان بھی ملتا ہے۔ ماورا کی پہلی نظم 'میں اسے واقف الفت نہ کروں' راشد کی رومانی نظریات کی عکاسی کرتی ہے۔ ایک بند مثال کے لئے پیش ہے۔

سوچتا ہوں کہ بہت سادہ و معصوم ہے وہ
میں ابھی اس کو شناسائے محبت نہ کروں
روح کو اس کی اسیر غم الفت نہ کروں
اس کو رسوا نہ کروں واقف مصیبت نہ کروں

ماورا کی دوسری نظموں کے موضوعات بھی کچھ اسی طرح کی ہیں مثلاً 'رخصت' جس میں دنیا کی پابندیوں سے دور نکل جانے کی رومانی خواہش ہے۔ اس کے علاوہ خواب کی بستی، ایک دن لارنس باغ میں، بادل، ستارے، انسان، میری محبت جواں رہے گی وغیرہ نظمیں رومانوی احساس کے ساتھ ساتھ فطرت کے مناظر کی تصویر بھی پیش کرتی ہے۔ راشد نے ماورا کے دیباچے میں اپنی شاعری کے رومانوی رنگ کا اعتراف کیا ہے۔ لکھتے ہیں

’’آخر میں شاید اتنا عرض کرنا مناسب ہو کہ ان نظموں میں جو تجربات بیان کئے گئے ہیں وہ عقلی تجربات نہیں جذباتی ہیں۔ اور ان جذبات کے رشتے سیاست، مذہب، عشق وغیرہ سے ملتے ہیں‘‘۔

عزیز طلبا! ایک بلند پایہ شاعر اپنی سوچ، مطالعہ اور ماحول تینوں سے متاثر ہوتا ہے۔ چنانچہ راشد بھی اپنے ماحول سے متاثر ہو کر ابتدائی نظموں کے رومانی موضوعات کے اثرات سے بہت جلدی باہر نکلتے ہیں۔ ان کے یہاں دوسرا رجحان جنس ہے۔ ان کے یہاں عورت کا تصور یقیناً اردو شاعری میں بیان کردہ عورت کے تصورات سے الگ ہیں۔ راشد کے یہاں ان تصورات کو افلاطونی عشق کہا جاتا ہے۔ راشد کی نظم مکافات، اتفاقات، حزن انسان، گناہ اور محبت، طلسم جاوداں، ہونٹوں کا لمس، ایک رات اور اظہار وغیرہ ایسے موضوعات ہیں جن پر جسمانی عشق انسانی جبلت کے ساتھ ساتھ فحاشی کا الزام بھی لگایا گیا۔ راشد کی شاعری میں موضوعات کے لحاظ سے بھی مروجہ روایات سے بغاوت نظر آتا ہے۔ ماورا کی نظموں کے ساتھ ساتھ ان کے دیگر مجموعہ کلام ایران میں اجنبی، لا=انسان اور گمان کا ممکن میں بھی یہ رجحان نظر آتا ہے۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ ایشیائی ممالک بالخصوص مشرق وسطی کے ملکوں پر استبدادی قوتوں کے قبضے اور دوسری جابر قوموں کے مظلوم قوموں پر قبضہ اور دوسرے ممالک کا شکنجہ راشد کو بہت ناگوار تھا۔ حالاں کہ راشد کے ہم عصر شعرا کے یہاں بھی ناگواری کا یہ رجحان نظر آتا ہے لیکن راشد ناگواری سے آگے نکل کر بغاوت تک پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ راشد نے اس بغاوت کو استعاروں کی مدد سے نہایت شدت سے ان موضوعات کا پیکر بنایا ہے۔ اس کی مثال زنجیر میں صاف نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے راشد کی نظموں میں سیاسی بغاوت کے استعاروں کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

’’ ۔ راشد کے کلام میں بغاوت کے ان تمام پہلوؤں کی جھلک دکھائی دیتی

ہے، کہیں روشن، کہیں مدھم لیکن ایک چیز جو راشد کے کلام میں برق رو کی طرح
دوڑتی ہے غیر ملکی غلبے اور اجنبی حکومت کے خلاف نفرت، سرکشی اور بغاوت کی
رو ہے اور دراصل یہ ہی بغاوت اس کی شاعری کا اہم ترین عنصر ہے''۔

'ایران میں اجنبی' کی نظموں تک پہنچتے پہنچتے موضوعات میں بہت حد تک تبدیلی نظر آنے لگتی ہے۔ نمرود کی خدائی، سباویراں، شباب گریزاں وغیرہ میں وہ سارے موضوعات ماضی کی یادیں بن کر رہ جاتے ہیں۔ سرگوشیاں، سومنات، کونسی الجھن کو سلجھاتے ہیں ہم، حرف ناگفتہ، یہ دروازہ کیسے کھلا، تیل کے سوداگر، ہمہ اوست، میزبان، وزیر چنیں، مارِ سیاہ، کیمیا گر وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جن کے موضوعات بین الاقوامی سطح پر جبر و تشدد، غیر مساویانہ رویہ اور غاصبانہ استدلال کے خلاف ہیں۔ لا=انسان اور گمان کا ممکن مجموعوں میں شامل نظموں کے موضوعات بھی بین الاقوامی سطح کے مسائل اور انسانی نابرابری وغیرہ کو ظاہر کرتی ہیں مثلاً آدم زاد، دیو، اسرافیل کی موت، زندگی سے ڈرتے ہوئے وغیرہ بھی آمریت اور اشتراکی اندازِ فکر کی مخالفت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ حسن کوزہ گر، نیا آدمی، مریل گدھے، بے سرا آلاپ، سفرنامہ، دریچے کے قریب، اندھا کباڑی ایسی نظمیں ہیں جن میں مذکورہ احساس کے علاوہ فلسفیانہ اور فکری مسائل کو بھی ظاہر کیا گیا ہے۔

4.4.5 راشد کی شاعری میں ہیئتی تجربے

عزیز طلبا! آپ جانتے ہیں کہ 1857 کے بعد کے برصغیر میں عوامی سطح پر فکری تبدیلی رونما ہوئی جس کی وجہ سے ادب میں بھی نئے موضوعات داخل ہوئے بالخصوص ان حالات میں اردو شاعری میں مروجہ اصناف اور حدود بعض شعرا کو ناکافی محسوس ہوئی۔ چنانچہ آزاد اور حالی کی رہنمائی میں اردو نظموں میں نظمیں ہیئت اور موضوع دونوں میں نئے تجربات کا آغاز ہوا۔ شاعری سے متعلق حالی نے مدوجزر

اسلام (مسدس حالی) کے مقدمے جو مقدمہ شعروشاعری سے موسوم ہے میں جو تصورات پیش کئے ان تصورات نے شاعری میں نئے تجربات کی راہیں ہموار کی۔ ردیف، قافیہ کی پابندی میں ڈھیل دینے کی بات کہی گئی۔اس بنیادی محرک کے ساتھ ساتھ اردو کے کچھ شعرا نے انگریزی ادب کا مطالعہ کیا اوران کی بنیاد پر اردو نظم نگاری میں بھی نئے تجربات کئے گئے۔ مولوی اسماعیل میرٹھی،عبدالحلیم شرر، حفیظ جالندھری اورعظمت اللہ خاں وغیرہ نے اردو شاعری میں آزاد نظم اور نئی قسم کی بعض اصناف کوفروغ دیا۔اس ضمن میں حسن لطیفی، اختر شیرانی، افسر میرٹھی، ساغر نظامی اور روش صدیقی نے شاعری کے ارکان اور بحروں کے مقررہ تعداد میں کمی وبیشی کا تجربہ کیا۔ان ہی تجربوں کی بنیاد پر ن م راشد کے دور میں اردو شاعری کی ہیئت میں انقلابی تبدیلی آئی۔راشد نے آزاد نظم کو بلندیوں تک پہنچانے میں اہم کارنامے انجام دیئے۔ راشدان ہیئتی تجربات کو کیوں ضروری سمجھتے تھےان ہی کی زبانی سنیے:

> ''شاعری میں نئی طرز نگارش کی تلاش بھی بہت سے لوگوں کی نظر میں بداخلاقی سے کم نہیں ہے۔اور پھراس بداخلاقی کا درجہ تو اور بھی شدت اختیار کر گیا ہے۔ کیونکہ ہمارے شاعر تو صورت کے ساتھ ساتھ موضوعات میں بھی پرانی روایات کو بھولتے جارہے ہیں۔ نئے سیاسی، اقتصادی اور سماجی نظریوں نے جھونپڑے میں رہ کر محلوں کے خواب دیکھنے کو ایک کہاوت سے ہٹا کر حقیقت کے راستے پر چلا دیا ہے۔ چنانچہ ادب میں نئی زندگی سے نئے موضوع پیدا ہوئے ہیں اور نئے موضوع اپنے ساتھ لازماً نئی صورتیں، نئے ادبی روپ، نئے طرز نگارش لائے ہیں۔نثر کا میدان وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔اور نظم بھی اب غزل، رباعی، مسدس، مخمس وغیرہ گنتی کی پرانی پٹریوں کو چھوڑ کر

ایک ایسی شاہراہ پر چلنے لگی ہے جس سے قدم قدم پر کئی چھوٹے رستوں کی نمود کا امکان ہے۔''

بحوالہ عنبرین منیر، ن م راشد ایک تجزیاتی مطالعہ، خان بکڈپو، لاہور، صفحہ 87

راشد کی نظموں کے مجموعوں پر اگر ہم نظر ڈالیں تو یہ ہیئتی تجربے ماورا کی نظموں سے ہی شروع ہو جاتی ہیں۔ حالاں کہ ماورا کی چند نظمیں باقاعدہ پرانی روش پر ہیں۔ کچھ سانیٹ ہیں، کچھ نظمیں معری ہیں اور کچھ ترکیب بند اور ترجیع بند۔ یہاں راشد نے تجرباتی طور پر ہیئتی تبدیلی کی ہے۔ حالاں کہ ماورا کے بعد کی نظموں میں ان کا ارتقائی عمل صاف صاف دکھائی دیتا ہے۔ ماورا کی پہلی نظم 'میں اسے واقف الفت نہ کروں' سے ہی اس کی شروعات ہوتی ہے۔ ماورا کی دوسری نظم 'رخصت' میں بھی ہیئتی تجربے جاری ہیں خاص طور سے بندوں، مصرعوں کی تعداد اور قوافی کی ترتیب کے حوالے سے۔ ماورا کی دیگر نظمیں انسان، خواب کی بستی، ستارے، بادل، فطرت، عہد نو کا انسان میں یہ تبدیلی صاف صاف نظر آتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ راشد نے صرف نئی ہیئت میں ہی نظمیں کہیں بلکہ درمیان میں روایتی نظمیں بھی ملتی ہیں جیسے گناہ اور محبت۔ ماورا کی نظم میری محبت جواں رہے گی، دل سوزی اور ایک دن لارنس باغ میں ہیئت کی تبدیلی صاف صاف ظاہر ہوتی ہے۔ جرأت پرواز، وادی پنہا، طلسم جاوداں، ہونٹوں کا لمس، اتفاقات، حزن انسان، ایک رات، سپاہی، زوال، اظہار، آنکھوں کے جال، گناہ، عہد وفا، شاعر درماندہ، رقص بے کراں، رات کے سناٹے میں، شرابی، انتقام، اجنبی عورت، خودکشی اور دریچے کے قریب وغیرہ سبھی نظمیں آزاد نظم کی ہیئت میں ہیں۔ یہاں صرف تین نظموں سے مثال پیش کئے جاتے ہیں۔

اے مری ہم رقص مجھ کو تھام لے
زندگی سے بھاگ کر آیا ہوں میں

ڈر سے لرزاں ہوں کہیں ایسا نہ ہو
رقص گہہ کے چوردروازے سے آکر زندگی
ڈھونڈ لے مجھ کو ، نشاں پالے مرا
اور جرم عیش کرتے دیکھ لے!

(رقص)

تو مرے ساتھ کہاں جائے گی؟
__ موت کا لمحۂ مایوس نہیں
قوم ابھی نیند میں ہے!
مصلح قوم نہیں ہوں کہ میں آہستہ چلوں
اور ڈروں قوم کہیں جاگ نہ جائے _
میں تو ایک عام سپاہی ہوں، مجھے
حکم ہے دوڑ کے منزل کے قدم لینے کا
تو مرے ساتھ مری جان، کہاں جائے گی؟ (سپاہی)

جاگ اے شمع شبستان وصال
محفل خواب کے اس فرش طربناک سے جاگ!
لذت شب سے ترا جسم ابھی چور سہی
آمری جان، مرے پاس دریچے کے قریب

دیکھ کس پیار سے انوار سحر چومتے ہیں
مسجد شہر کے میناروں کو
جس کی رفعت سے مجھے
اپنی برسوں کی تمنا کا خیال آتا ہے!
سیمگوں ہاتھوں سے اسے جان ذرا
کھول مئے رنگ جنوں خیز آنکھیں!
اسی مینار کو دیکھ
صبح کے نور سے شاداب سہی
اسی مینار کے سایے تلے کچھ یاد بھی ہے
اپنے بیکار خدا کی مانند
اونگھتا ہے کسی تاریک نہاں خانے میں
ایک افلاس کا مارا ہوا ملائے حزیں (دریچے کے قریب)

ماورا کے بعد راشد کی دیگر نظموں میں تجربے مزید پختہ ہوتے ہیں مثلا ایران میں اجنبی کے پہلے حصے میں 26 نظمیں اور گناہ کا ممکن میں ہیئت کے اعتبار سے آزاد نظموں پر مشتمل ہے۔ راشد کا یہاں ایک اور کمال ابھر کر سامنے آتا ہے کہ ان آزاد نظموں میں بھی انہوں نے ہیئت کے مزید نئے کامیاب تجربے کئے ہیں۔

4.4.6 ن م راشد کی نظم کے علامتی پہلو

عزیز طلبا! علامت جسے ہم انگریزی میں Symbol کہتے ہیں یونانی لفظ Symbolon سے

ماخوذ ہے۔ دنیا میں انسانی معاشرت کی تاریخ جتنی قدیم ہے علامت کا استعمال بھی اتنا ہی قدیم ہے۔ علامت سازی انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ ادبی علامت کے لئے فرانسیسی علامت نگاری کی تحریک نے ایک نیا انداز دیا اور اس کے بعد دنیا کی ہر معروف زبان میں، تقریر و تحریر میں، نثر و نظم میں علامتوں کا استعمال شعرا روزمرہ کے مسائل سے الگ ہٹ کر زندگی کی حقائق اور معنی تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کسی دور میں ایلیٹ کی دھوم تھی جو بذات خود علامت پسند شعرا سے بے حد درجہ متاثر تھا۔ اردو میں میراں جی پہلے شاعر ہیں جنہوں نے فرانسیسی اور دیگر معری نظم نگار شعرا پر مضامین لکھے اور خود بھی اپنی نظموں میں گہرے علامتوں کا استعمال کیا۔ جدید اردو شاعری میں ن م راشد کا نام جس طرح ہیئت میں تبدیلی کے لئے لیا جاتا ہے اسی طرح ایک علامت ساز شاعر کی حیثیت سے بھی۔ ن م راشد کے پہلے مجموعہ کلام ماورا سے لے کر گمان کا ممکن تک کی نظموں میں بہت سی تاریخی، تہذیبی، معاشرتی اور ثقافتی و مذہبی علامت نگاری کے نقوش ملتے ہیں۔ شروع کی علامتوں میں زیادہ اشاروں اور نفسیاتی مطالب والے یا فرائڈ کے لاشعور سے متعلق علامتیں نمایاں ہیں۔ ن م راشد نے اس سے بھی آگے نکل کر روایتی علامتوں اور اشاروں ک ونئے مفاہیم میں استعمال کیا ہے اور بعض نظموں میں تو روزمرہ زندگی کی علامتوں سے الگ ہٹ کر بھی علامات کی تشکیل کی ہے۔ آپ جان چکے ہیں کہ راشد نے زیادہ تر فارسی اور عجمی روایت اور تاریخ و تہذیب سے علامتیں اور تلمیحات لی ہیں۔ راشد کا شعری و فکری مزاج بھی کچھ موضوعات کے ساتھ ان سے متعلق علامتوں کو متعین کرنے میں راغب کرتا ہے۔ راشد کی شاعری میں علامت اور اشاروں کا جائزہ لینے سے ایک بات سمجھ میں آتی ہے کہ انکے یہاں علامت بیک وقت سلبی اور ایجابی پہلو رکھتی ہیں۔ ان کے یہاں علامت محض ایک مفہوم نہیں بلکہ مدارج اور مفاہم بھی ہیں۔

ن م راشد کی نظموں میں جو علامتیں استعمال کی گئی ہیں ان کو عمومی طور سے دو حصوں میں تقسیم کیا

جاسکتا ہے۔ایک تو وہ جسے راشد نے چند ایک نظموں میں استعمال کئے ہیں اور دوسری قسم علامتوں کی یہ ہیں جو ان کی پوری شاعری میں چلتی رہتی ہے۔ان کے پہلے مجموعہ کلام میں پہلے قسم کی علامتی اور اشاراتی نظام کام کرتا ہے۔اس کی مثال ان کی نظم رقص اور خودکشی سے دی جاسکتی ہے۔مثلا رقص کا یہ شعر

اے مری ہم رقص مجھ کو تھام لے

زندگی سے بھاگ کر آیا ہوں میں

خودکشی میں بھی زندگی کے مسائل سے فرار کی علامت بیان کی گئی ہے۔ان کی ایک نظم 'دیوار' انسانی زندگی کے روزمرہ مسائل کی طرف اشارہ کرتی ہے جن مسائل کو انسان صبح سے شام تک محنتوں، مشقتوں اور اپنی شعور سے ختم کرنا چاہتا ہے۔اگلی صبح زندگی اپنے نئے مسائل لے کر نمودار ہو جاتی ہے۔

شام سے پہلے ہی کر دیتا تھا میں

صبح ہونے تک ہو جاتی تھی دوبارہ بلند

ان کے مجموعہ کلام ایران میں اجنبی میں جو علامتیں ملتی ہیں ان میں اکثر کا تعلق شخصی یا انفرادی لاشعور کی بہ نسبت اجتماعی وسماجی لاشعور سے زیادہ ہے۔ان علامتوں اور اشاروں میں سیاسی، سماجی اور عمرانی رنگ زیادہ عیاں ہوتا ہے مثلا ان کی نظم 'سومنات' علامت ہے ان ایشیائی مما لک کی جن پر سامراجی طاقتوں کا قبضہ ہے۔قدیم حملہ آور مال و دولت کو لوٹتے تھے اور ظاہری چیزوں کو تباہ کر کے اور قتل عام کر کے لوٹ جاتے تھے لیکن آج کے حملہ آور ظاہری مال و دولت سے زیادہ غلام اقوام کے باطن کو تباہ کر دیتے ہیں۔نظم سومنات اس کی بہترین مثال پیش کرتی ہے۔

نئے سرے سے غضب کی سج پر

عجوزہ سومنات نکلی

مگر ستم پیشہ غزنوی
اپنے حجلہء خاک میں ہے خنداں___
وہ سوچتا ہے:
''بھری جوانی سہاگ لوٹا تھا میں نے اس کا
مگر مرا ہاتھ
اس کی روح عظیم پر بڑھ نہیں سکا
اور اب یہ فرنگی کہہ رہا ہے:
''کہ آؤ آؤ اس ہڈیوں کے ڈھانچے کو
جس کے مالک تمہیں ہو
ہم مل کے نورکمخواب سے سجائیں!''

راشد کی ایک نظم 'نمرود کی خدائی' میں نمرود کی خدائی ایک تلمیح ہے لیکن ایسی حکومت کی علامت ہے ،ایسی سامراجی حکومت کی علامت ہے جو ایران پر قابض ہے۔ اسی طرح نظم 'سایہ' میں سایہ مابعدالطبیعاتی حقائق اور غیر مادی طاقتوں کی علامت ہے۔نظم 'دروازہ کیسے کھلا' میں دروازے کا کھلنا انسانی بیداری کی علامت ہے۔نظم 'کیمیا گر' میں کیمیا گران سیاستدانوں کی علامت ہے جو بہتر مستقبل کا خواب دکھا کر عوام کا سرمایہ لوٹ کر لے جاتے ہیں۔تیل کے سوداگر میں ان سوداگران سامراجی طاقتوں کی علامت ہے جو بظاہر تاجر یا دوست بن کر ملک میں داخل ہوتے ہیں اور ملک کے پورے نظام پر قابض ہو جاتے ہیں۔دونوں نظموں سے مثال پیش کی جاتی ہے

''وہ کیمیا گر

جو کرتا رہا سب سے وعدے
کہ لاؤں گا سونا بنا کر
مگر شہریوں کے مس و سیم تک
لے کے چلتا بنا؟'' (کیمیا گر)

کئی دن سے رہزن ہیں خیمہ فگن،
تیل کے بوڑھے سوداگروں کے لبادے پہن کر
وہ کل رات یا آج کی رات کی تیرگی میں
چلے آئیں گے بن کے مہماں
تمہارے گھروں میں،
وہ دعوت کی شب جام و مینا لنڈھائیں گے
ناچیں گے، گائیں گے،
بے ساختہ قہقہوں، ہمہموں سے
وہ گرمائیں گے خونِ محفل! (تیل کا سوداگر)

ن م راشد کی دیگر نظموں میں بھی اسی طرح کی علامتیں استعمال کی گئی ہیں بالخصوص ایران میں اجنبی کی نظموں میں راشد نے روایتی علامتیں نئے حالات و مفاہم سے جوڑ کر پیش کیا ہے ان سے دیگر مطالب بھی نکالنا ممکن ہے۔ ن م راشد نے ایک انٹرویو میں علامتوں سے متعلق کہا تھا:

''تو صحیح بات تو یہ ہے کہ شاعروں کا ایک تسلسل ہے ہم سمجھتے ہیں کہ چاہے ہم

میر تقی میر کی خاک پا بھی نہ ہوں، لیکن جب تک آپ میر تقی میر کو نہ پڑھیں
ہمیں بھی نہیں پڑھ سکتے۔تو وہ روایتی عناصر اس حد تک موجود ہیں‘‘۔

ماورا کی بعد کی نظموں میں ن م راشد کی اکثر علامتوں کا تعلق فکر اور فلسفے سے ہے۔ یہ فکر اور فلسفے کی علامتیں ان کے تیسرے مجموعہ کلام لا=انسان میں پہلے دونوں مجموعوں کے بہ نسبت زیادہ گہرا ہے۔ لا=انسان کی پہلی نظم ’حسن کوزہ گر‘ ہی اس کی زندہ مثال ہے۔حسن کوزہ گر میں کوزہ گر ایک فنکار کی علامت ہے۔کوزے، چاک، مٹی وغیرہ فن اور آلات کی علامتیں ہیں لیکن ان علامتوں سے جیسا بتایا گیا راشد نے ایک الگ علامت خدا اور خدا کے بندے سے تعلق کی نشاندہی کی ہے۔

وہ کوزے مرے دست چابک کے پتلے
گل و رنگ و روغن کی مخلوق بے جاں
وہ سرگوشیوں میں یہ کہتے
’’حسن کوزہ گر اب کہاں ہے؟
وہ ہم سے خود اپنے عمل سے
خداوند بن کر خداؤں کی مانند ہے روئے گرداں!‘‘

ان نظموں کے علاوہ زندگی ایک پیرزن، بوئے آدم زاد، گردباد، آگ کے پاس، سمندر کی تہہ میں، سفرنامہ، مریل گدھے، نیا ناچ، پانی کی آواز، زنجیر، سباویراں، اسرافیل کی موت اور اندھا کباڑی وغیرہ ایسی علامتی نظمیں ہیں جو ن م راشد کی علامتی نظموں میں انفرادیت پیدا کرتی ہیں۔

4.4.7 خلاصہ

عزیز طلبا! اس سبق میں آپ نے مشہور و معروف شاعر ن م راشد کی نظم نگاری کے علامتی پہلو کا

مطالعہ کیا۔اس کے تحت راشد کی شاعری کے موضوعات اوران کی شاعری میں ہیئتی تجربے بھی شامل گفتگو رہے۔آپ جانتے ہیں کی ن م راشد کالج کے زمانے سے ہی ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے تھے۔انہوں نے تنقیدی مضامین بھی لکھے،انگریزی ناولوں کا ترجمہ بھی کیا اور فارسی کے 22 شعرا کی 80 نظموں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔صرف 31 سال کی عمر میں ہی ان کا پہلا مجموعہ کلام ماورا شائع ہوا۔اس کے بعد ایران میں اجنبی، لا=انسان اور گمان کا ممکن تین اور مجموعہ کلام شائع ہوئے۔ راشد کی شاعری کی طرح ہی ان کی نظموں کے موضوعات میں انفرادیت ہے۔راشد نے شروع میں کچھ آسان اشاراتی اور علامتی استعارات کے تحت نظمیں لکھیں لیکن بعد میں ان کی نظموں کا آہنگ اور موضوع دونوں بدل گئے۔راشد عالمی سیاست، دونوں عالمی جنگوں کے نقصانات،غریب وکمزور قوموں اور ملکوں پر غاصب ملکوں کا تشدد اور مشرق وسطی کے ملکوں پر استبدادی قوتوں کا قبضہ وغیرہ ایسے موضوعات تھے جو راشد کو ناگوار گزرتے تھے۔ان کی نظموں میں یہ ناگواری بغاوت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ایران میں اجنبی کی نظموں میں یہ بغاوت اور ناگواری صاف دکھنے لگتی ہے مثلا ان کی نظمیں نمرود کی خدائی، سبا ویراں، شباب گریزاں، سرگوشیاں، سومنات، کون سی الجھن کو سلجھاتے ہیں ہم، تیل کے سوداگر، میزبان، مارسیاہ اور کیمیاگر وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جس میں ان استبدادی قوتوں اور جبر و زیادتی کو مختلف علامتوں کے ذریعہ راشد نے ظاہر کیا ہے۔عزیز طلبا! علامتوں کے ذریعہ نثر و نظم میں شاعر اور ادیب روزمرہ حقائق سے الگ ہٹ کر زندگی کی حقائق اور معنی تلاش کرتے ہیں۔ن م راشد نے بھی اپنی نظموں میں اس کی تلاش کی ہے۔ن م راشد نے اپنی نظموں میں جو علامتیں استعمال کی ہیں ان کو عمومی طور سے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ایک وہ علامتیں جنہیں راشد نے ابتدائی نظموں میں استعمال کیا ہے۔ دوسرے قسم کی وہ علامتیں ہیں جو راشد کی نظموں میں آخر تک ان کے سبھی مجموعوں میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

سامراجی حکومت اور مابعد الطبیعات کے حقائق کی علامت اور طاقتوں کو کئی طرح کی علامتوں کے ذریعہ نظم دروازہ کیسے کھلا، کیمیا گر اور تیل کے سوداگر میں ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ن م راشد کی علامتوں کا تعلق فکر اور فلسفے سے بھی ہے۔ ان کے مجموعہ کلام لا=انسان میں ان کی کئی نظموں میں اس کی مثال ملتی ہے۔ حسن کوزہ گر اس کی بہت ہی عمدہ مثال ہے۔

4.4.8 فرہنگ

عبور	مہارت حاصل ہونا
ہیئت	بناوٹ، ساخت
مارِ سیاہ	کالا سانپ
ہم دست	ہمراہ، ساتھ، شریک
آمریت	مطلق العنان، کلی اختیار و اقتدار
غاصبانہ	زبردستی کسی کا حق چھننے والا
بے کراں	بہت زیادہ، نہایت وسیع
کیمیا گر	کیمیا بنانے والا، زرساز
خیمہ فگن	تنبو، ڈیرہ ڈالنے والا
گِل	مٹی، کیچڑ، دلدل
گرد باد	بگولا بھرنے والی ہوا، وہ ہوا جس میں غبار ملا ہوا ہو

4.4.9 نمونہ امتحانی سوالات

1 ن م راشد کے مجموعہ کلام کی انفرادیت پر مختصر نوٹ لکھیے

2 راشد کی نظموں کے موضوعات پر تنقیدی نظر ڈالیے

3 ن م راشد کی نظموں میں ہیئتی تجربے کی نشاندہی کیجیے

4 راشد کی نظموں میں علامتی اظہار کا مختصراً جائزہ لیجئے

4.4.10 مزید مطالعہ کے لئے

1 حمید نسیم، پانچ جدید شاعر

2 ن م راشد، کلیاتِ راشد

3 عنبرین منیر، ن م راشد ایک تجزیاتی مطالعہ

4 کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک

نظم شباب گریزاں، سباب ویراں،
ایران میں اجنبی میں ن م راشد کا پیغام

اکائی کی ساخت

4.5.1 تمہید

4.5.2 تعارف

4.5.3 ن م راشد کی شخصیت

4.5.4 ایران میں اجنبی۔ ایک تعارف

4.5.5 نظم شباب گریزاں میں راشد کا پیغام

4.5.6 نظم سباویراں میں راشد کا پیغام

4.5.7 خلاصہ

4.5.8 فرہنگ

4.5.9 نمونہ امتحانی سوالات

4.5.10 مزید مطالعہ کے لئے

4.5.1 تمہید

عزیز طلبا! پچھلے سبق (یونٹ نمبر 4 کے سبق نمبر 4) میں آپ نے ن م راشد کی شاعری، انفرادیت، علامتی پہلو، نظموں کے موضوعات اور ان کے فکری میلان کا مطالعہ کیا ہے۔ اس سے قبل بھی آپ نے ن م راشد کی دو نظموں شباب گریزاں اور سبا ویراں کا تجزیہ وتشریح کیا ہے۔ ان کے مجموعہ کلام ایران میں اجنبی پر بھی بات کی ہے۔ اس سبق میں ن م راشد کی ان ہی نظموں کے فکری پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہوئے ان میں ن م راشد کے پیغام پر گفتگو کرتے ہیں۔ اس سے قبل آپ نے دونوں نظموں کے متعلق اچھی جانکاری حاصل کرلی ہے۔ آیئے اب ہم ان نظموں کے ذریعہ راشد کے پیغام کا جائزہ لیتے ہیں۔

4.5.2 تعارف

عزیز طلبا! آپ یہ جان چکے ہیں کہ جدید نظم نگاری کی ابتدا مولانا محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی اور اسماعیل میرٹھی وغیرہ کی نظموں سے ہوتی ہے۔ تاہم ان کے بعد اس کی پیروی میں جدید نظم نگاروں کی ایک طویل فہرست سامنے آتی ہے جس میں فیض احمد فیض، محمد اقبال، تلوک چند محروم، جوش ملیح آبادی، اختر الایمان، حفیظ جالندھری، اختر شیرانی اور ن م راشد کا نام بطور خاص لیا جاسکتا ہے۔ عزیز طلبا ! آپ نے ان میں سے کئی شعرا کی نظموں کا مطالعہ کیا ہے۔ ن م راشد جدید نظم نگاری کے ایک ایسے شاعر ہیں جنھوں نے نہ صرف جدید نظم نگاری کے ضمن میں کئی اچھی نظمیں اردو ادب کو دیں بلکہ انہوں نے آزاد نظم کی روش بھی قائم کی۔ یہی نہیں بلکہ نظم نگاری میں کئی ہیئتی تجربے بھی کئے۔ اس سے قبل بھی آ پ نے راشد کی شاعری اور ان کی نظموں کا مطالعہ کیا ہے۔ زیر بحث نظموں شباب گریزاں اور سبا ویراں میں راشد کے پیغام کا اس سبق میں جائزہ لیا جائے گا۔

4.5.3 ن م راشد کی شخصیت

یہ بات اکثر ناقد حضرات اور ادب کے قاری کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ ن م راشد نے اردو شاعری بالخصوص اردو نظموں میں معنوی وصوری دونوں لحاظ سے انحراف کیا۔ بعض لوگ اسے مروجہ شاعری کے اسالیب سے بغاوت کا نام بھی دیتے ہیں۔ بعض لوگوں نے راشد کو جنسیات کا شاعر کہا۔ ان سبھی باتوں میں کچھ حد تک سچائی تو ہے لیکن صد فیصد نہیں۔ راشد کو ان میں سے کسی ایک کھونٹے سے باندھا نہیں جا سکتا۔ راشد کے نزدیک زندگی ایک وحدت کی حیثیت رکھتی ہے اور وحدت سے کسی عنصر کو جدا کرنا ممکن نہیں۔ راشد نے انسانی بقا اور اتصال، روح کی بالیدگی اور حزن وعشق کے فسانے کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا۔ ان کے نزدیک روح کی دنیا جسم سے ماورا نہیں۔ روح کا اظہار جسم کا چہکار ہے مطلب یہ کہ روح کا پھول جسم کی شاخ پر ہی کھل سکتا ہے اور اسی سے نور وحرارت حاصل کرتا ہے۔ راشد اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں ان ہی اندھیرے اور اجالے سے گزرتے ہیں۔ راشد نے جہاں روح اور جسم کا اندر سے تجزیہ وتجربہ کیا وہیں سیاست وسیاحت اور معاشرہ وتہذیب کا بھی۔ جس طرح سونے کے کھوٹے سکے کو بھٹی میں تپا کر خالص بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اسی طرح راشد نے ان جذبات وکیفیات کو محبت کی بھٹی میں تپا کر اسے خالص بنانے کی کوشش کی ہے۔ راشد کے نزدیک محبت صرف ایک یا دو شخص کے تکمیل نفس کا ذریعہ نہیں بلکہ دونوں کے روح کی آزاد حرکت ہے۔ ان کے نزدیک محبت کرنے والے اپنے اتصال سے اپنی انفرادیت کو ختم نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے سے حرارت حاصل کر کے اپنی اپنی انفرادی شخصیت کو مزید مستحکم کرتے ہیں۔ راشد کے نزدیک دولت، رنگ ونسل، مذہب وملت، غربت وامارت ہر قسم کی امتیازات اور معزوریوں سے محبت کو آزاد ہونا چاہئے۔ چنانچہ راشد ایک ایسے سماج کی تشکیل چاہتے ہیں جہاں محنت کا استحصال نہ ہو، اقتدار سرمایے کے تابع نہ ہو اور جہاں ہر طر

ح کی شخصیت کا ارتقا ممکن ہو۔ ان کے نزدیک جس سماج میں شخصیات کو ابھرنے نکھرنے اور پروان چڑھنے کے مساوی مواقع حاصل نہ ہو ایسی سوسائٹی ترقی یافتہ سوسائٹی نہیں کہی جاسکتی۔ عزیز طلبا! ابھی جن دو نظموں کا مطالعہ آپ کریں گے اور ان میں ن م راشد کے پیغام کو تلاش کریں گے۔ وہ دونوں نظمیں ان کے دوسرے مجموعہ کلام ایران میں اجنبی سے تعلق رکھتی ہیں۔ ن م راشد کی سیاسی، جنسیاتی اور عالمی حیثیت کی شاعری پر اور ان کی شاعری کے پیغام پر، ان کی شاعری کی روح پر تبصرہ کرتے ہوئے پطرس بخاری نے ایران میں اجنبی کے دیباچے میں لکھا ہے۔ یہ تبصرہ ن م راشد کی شاعری، ان کے مزاج اور شخصیت کی عکاسی کرتا ہے:

> ’’ آپ کا سیاسی شاعروں میں شمار کرنا کور ذوقی معلوم ہوتا ہے۔ کسی نازک مزاج کی تشفی اس سے ہرگز نہ ہوگی کیوں کہ اکثر مقام ایسے ہیں جہاں ہر چند کہ آپ سیاست کے زبان پر کھڑے دکھائی دیتے ہیں لیکن آپ کی نظر اور بلندیوں پر پڑ رہی ہے اور روح کی بعض گہرائیاں آپ کو ایسی نظر آتی ہیں جو سیاست کی تہہ سے عمیق تر ہیں۔ مثال کے طور پر ’کیمیا گر‘ کو لیجئے۔ اس نظم کو سیاسی نظم کہہ کر ٹال دینا محض کسل مذاق ہے یہ تو ایک مرتبہ ہے جو آپ نے خود پسند انسانوں پر لکھا ہے جو خود ہی اپنے زندانی ہو جاتے ہیں‘‘۔
>
> (دیباچہ: ایران میں اجنبی)

ن م راشد نے خود بھی جدید شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا نئی شاعری، نئے نفسی ماحول کی پیداوار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ راشد نے نفسی ماحول اور اس ماحول کے ذریعہ پیدا ہونے والے رجحانات کو اپنی شاعری میں مختلف موضوعات کے پس منظر میں علامتوں کے ذریعہ پیش کیا ہے۔ راشد

کے یہاں تقریباً تمام شعری علامتیں، تاریخ، تہذیب وتمدن اور اساطیری دور کی مثال پیش کرتی ہیں۔ یہ علامتیں راشد کی شاعری میں سبا وسلیماں، نمرود، سومنات، حسن کوزہ گر، اندھا کباڑی، پیرزن، اجنبی عورت، کیمیا گر وغیرہ سے عیاں ہوتی ہیں۔ راشد کے یہاں تمام شعری مجموعوں میں ہی علامتوں کے ذریعہ نوع انسانی کو مختلف طرح کے پیغام دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

4.5.4 ایران میں اجنبی۔ ایک تعارف

عزیز طلبا! زیر مطالعہ دونوں نظمیں شباب گریزاں اور سبا ویراں ن م راشد کے مجموعہ کلام ایران میں اجنبی سے ماخوذ ہیں۔ ایران میں اجنبی کی نظموں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ ان نظموں پر مشتمل ہے جنہیں متفرق نظمیں کہہ سکتے ہیں۔ دوسرا حصہ ایک خاص موضوع کو پیش کرتی ہے۔ دراصل اسی حصے کا نام ایران میں اجنبی ہے۔ حالاں کہ ان دونوں حصوں کے موضوعات اور رجحانات کو الگ کرنا نہایت مشکل ہے لیکن پہلے حصے میں موضوعات کا تنوع نظر آتا ہے جبکہ دوسرے حصے میں تسلسل۔ عزیز طلبا! پہلے حصے میں کل 26 نظمیں شامل ہیں۔ ان میں پہلی نظم شباب گریزاں ہے اور اسی حصے کی آخری نظم 'یہ دروازہ کیسے کھلا' ہے۔ اس حصے کی مشہور نظموں میں شباب گریزاں کے علاوہ سبا ویراں، نمرود کی خدائی، سومنات، زنجیر اور سرگوشیاں وغیرہ ہیں۔ دوسرے حصے میں 13 نظمیں شامل ہیں۔ اس حصے کی پہلی نظم 'من وسلویٰ' ہے اور آخری نظم 'تماشہ گہہ لالہ زار'۔ اس حصے میں تیل کے سوداگر، کیمیا گر، مارِ سیاہ، نارسائی، میزبان اور وزیر چنیں وغیرہ ہیں۔ پہلے حصے کی متفرق نظموں میں ماورا کی نظموں کے مقابلے جذباتی انداز کم نظر آتا ہے اور فکری انداز بڑھتی ہوئی محسوس ہوتی ہے یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ راشد کے دوسرے مجموعے ایران میں اجنبی میں ان کی فکر اور سوچنے سمجھنے کا انداز راسخ ہوجاتا جارہا ہے۔ ان نظموں میں وہ تجربے کو براہ راست نہیں بلکہ استعاراتی اور علامتی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ راشد کی ان نظموں

میں حسیات، حسی وفکری جذبہ کی آمیزش نظر آتی ہےاوران میں بہت سے استعارے استعمال ہونے لگتے ہیں۔ایران میں اجنبی کی نظموں میں راشد کی فکری انداز پر گفتگو کرتے ہوئے تبسم کاشمیری نے لکھا ہے:

''ایران میں اجنبی میں راشد کا فکری افق بہت بلند ہو گیا ہے۔ایشیا کے متعلق احساسات جو ماورا میں محض اشارات کی شکل میں تھے اب پورے تجربے کو ساتھ لے کر آ گئے ہیں۔ایران میں اجنبی سوچ وچار کی علامتوں سے بھری پڑی ہے''۔

پہلے حصے میں سومنات، نمرود کی خدائی اور سایہ اہم استعاراتی انداز کی نظمیں ہین لیکن اس حصے کی سب سے اہم نظم سباویراں ہے۔ایران میں اجنبی تک پہنچتے پہنچتے ن م راشد کے یہاں جنس کا مسئلہ پیچھے رہ جاتا ہےاور فکری عناصر غالب آجاتے ہیں۔حالاں کہ جنسی آسودگی کی خواہش بعض نظموں میں اب بھی سر ابھارتی ہے۔اس حصے میں ایشیائی ممالک میں پھیلی ہوئی بے چینی اور بے اطمینانی کو زیادہ اہمیت حاصل ہے بالخصوص ان کی نظم 'کونسی الجھن کو سلجھاتے ہیں ہم'۔اس حصے کی آخری دو نظمیں 'حرفِ ناگفتہ' اور 'دروازہ کیسے کھلا' میں حالات سے بغاوت کے جذبے کے ساتھ ساتھ خوشحال اور بہتر مستقبل کی امید کی کرن بھی پھوٹتی ہے۔

عزیز طلبا! جیسا کہ بتایا گیا کہ ایران میں اجنبی کے دوسرے حصے میں 13 نظمیں شامل ہیں۔ اصل میں اسی حصے کے نام پر اس مجموعے کا نام ایران میں اجنبی رکھا گیا ہے۔اس حصے میں شامل نظموں کو راشد نے Contes کانتو کا نام دیا ہے۔اس سے راشد کے ارادے کی عکاسی ہوتی ہے کہ وہ ایران کے سماجی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی وتہذیبی مسائل پر 30 نظمیں لکھنا چاہتے تھے حالاں کہ یہ نظمیں آپس میں مسلسل اور مربوط نظمیں نہیں بلکہ 13 علاحدہ کانتوں میں الگ الگ کہانیاں بیان کی گئی

ہیں۔ان نظموں کے متعلق یہ جان لینا ضروری ہے کہ یہ سبھی نظمیں اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک دوسرے سے منسلک ہیں کیوں کہ ان کا اصل موضوع ایران کی گونا گوں تمدنی پہلو اور مسائل ہیں۔کانتو سے راشد کا مطلب یہ ہے کہ ایک طویل نظم کا الگ الگ حصہ۔کانتو اطالوی زبان کا لفظ ہے۔الغرض راشد نے ان تمام نظموں کو ایرانی کہانیوں کے پس منظر اور ایران کی سیاسی اور سماجی ماحول سے لیا ہے۔ غیر ملکی طاقتوں کا بے جا تسلط ان نظموں کے لکھنے کے محرکات بھی ہیں۔غرض کی ایران میں اجنبی میں راشد کی شاعری کے فکری پہلو اور عالمی معاشرتی وسیاسی حالات کا حصہ زیادہ نمایاں ہے۔

4.5.5 نظم شباب گریزاں

(متن)

مئے تازہ و ناب حاصل نہیں ہے
تو کرلوں گا دُردِ تہ جام پی کر گزارا!
مجھے ایک نورس کلی نے
یہ طعنہ دیا تھا:
تری عُمر کا یہ تقاضا ہے
تو ایسے پھُولوں کا بھونّرا بنے
جن میں دو چار دن کی مہک رہ گئی ہو۔
یہ سچ ہے وہ تصویر
جس کے سبھی رنگ دھندلا گئے ہوں

نئے رنگ اُس میں بھرے کون لا کر
نئے رنگ لائے کہاں سے؟
ترے آسماں کا،
میں اک تازہ وارد ستارا سہی،
جانتا ہُوں کہ، اس آسماں پر
بہت چاند، سورج، ستارے اُبھر کر
جو اِک بار ڈوبے تو اُبھرے نہیں ہیں
فراموش گاری کے نیلے اُفق سے،
اُنہی کی طرح مَیں بھی
نا تجربہ کار انساں کی ہمّت سے آگے بڑھا ہُوں،
جو آگے بڑھا ہُوں،
تو دل میں ہوس یہ نہیں ہے
کہ اب سے ہزاروں برس بعد کی داستانوں میں
زندہ ہو اک بار پھر نام میرا!
یہ شامِ دِلآویز تو اِک بہانہ ہے،
اِک کوشش ناتواں ہے
شبابِ گُریزاں کو جاتے ہُوئے روکنے کی
وگرنہ ہے کافی مجھے ایک پل کا سہارا،

ہُوں اِک تازہ وارد، مصیبت کا مارا

مَیں کرلُوں گا دُردِ تہ جام پی کر گزارا!

شباب گریزاں ن م راشد کے دوسرے مجموعہ کلام ایران میں اجنبی کی پہلی نظم ہے۔عزیز طلبا! اس نظم سے متعلق آپ پہلے بھی پڑھ چکے ہیں۔شباب گریزاں بھی ن م راشد کی متعدد علامتی نظموں میں سے ایک معروف نظم ہے۔ن م راشد مشرق وسطی بالخصوص عجمی خطے، اس کی تہذیب وثقافت اور درخشاں ماضی کو علامت کے طور پر اپنی نظموں میں استعمال کرتے ہیں۔اس کی تاریخی، ثقافتی اور ادبی امتیازات ان کی اکثر نظموں میں نظر آتی ہیں۔شباب گریزاں میں بھی انہوں نے اسی منظر نامے کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔شباب گریزاں دراصل ماضی کی پر عیش زندگی، حکومت، عیش وعشرت اور اس کے بعد نا مٹنے والی زوال کی طرف اشارہ ہے۔نظم میں ان شخصیتوں اور حاکموں کی طرف استعارے کی زبان میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جن کے پاؤں اطلس وکمخواب کے تخت سے اترتے نہیں تھے اب وہی شخصیتیں اور ان کے اہل وعیال اور وارثین در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہیں۔گداگری سے ان کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔یہ وہی حضرات ہیں جن کے دسترخوان خان یغماں کہلاتے تھے، جن کے میخانے مئے ناب سے بھرے رہتے تھے۔اب ان کی صراحیوں، ان کی جاموں میں صرف اور صرف شراب کی تلچھٹ بچ گئی ہے اب اسی پر ان کا گزارا ہے۔اصل میں ن م راشد کی یہ نظم اس دنیا میں رہنے والوں کے لئے اس عمر رسیدہ دنیا کی وقتی عشرت وشادمانی اور دائمی عسرت وزوال کا استعارہ ہے اور زوال بھی ایسا جو آکے نہ جائے۔راشد نے اس جہان فانی میں بسنے والوں کی دونوں تصویریں پیش کی ہیں۔ایک ایسا رنگ جو دھندلا جائے تو پھر اس میں تازگی نہ ہو۔ایک ایسی شبیہ جو ماند پڑ جائے تو پھر اس پر شادمانی نہ آئے۔راشد نے اس فانی دنیا اور اس میں بسنے والوں کی مثال کائنات کی ان چیزوں سے دی ہے جو

ازل سے ہیں اور ابد تک رہیں گے۔ صرف انسان عیش وعشرت کی زندگی گزار کر پھر دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس کی حالت ایسی ہی ہے جیسے چاند، ستارے اور سورج سے غروب ہونے کے بعد ان کی روشنی لوٹائی نہیں جاسکتی۔ اس نظم میں شاعر نے دنیائے فانی کی طرف واضح اشارہ کیا ہے۔ یہاں پیدا ہونے والے افراد چندروزہ زندگی میں عیش وعشرت اور شان وشوکت دکھاتے ہیں جبکہ انہیں جاننا چاہئے کہ یہ دنیا اور اس کی ساری چیزیں اور علامتیں فانی ہیں۔ یہاں ناتجربہ کار انسان دنیا کی ہوس کرتا ہے لیکن اس کی ہوس اور اس کی کوشش عکس ناتمام ثابت ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس دنیا کی خوبصورتی صرف وقتی پھولوں جیسی ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے کھلتے ہیں اور پھر ہمیشہ ہمیش کے لئے مرجھا جاتے ہیں۔ بقول شاعر

کلی نے یہ سن کر تبسم کیا　　　　کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات

راشد کی اس نظم سے اس فانی شباب کی ناپائیداری کا پیغام ملتا ہے۔ گزرتے ہوئے شباب کو روکنے کی کوشش ناتمام اور بے کار ثابت ہوتی ہے۔ دراصل اس نظم میں پیش کی گئی علامتیں دنیائے فانی کی عیش وعشرت اور اس کی فنا وزوال کا اشاریہ ہیں۔ یہ نظم ان محکوم قوموں پر مسلط، ان طاقتور قوموں کے تسلط اور جبر واستبداد کا اشاریہ بھی ہے جو فی الوقت اپنی طاقت کے اور شباب کے نشے میں چور ہیں۔ بہت جلد ان کا بھی زوال ہوگا اور پھر کوئی ان کا نام لیوا نہیں رہے گا ویسے ہی جیسے سکندر اور سلطنت روم کا۔ اس نظم سے انسانوں کے متعلق محروم ومحکوم قوموں کے متعلق وسیع تر آفاقی تصور کا پیغام دیا گیا ہے۔

(متن)

سلیماں سربزانو اور سباویراں
سباویراں، سبا آسیب کا مسکن
سبا آلام کا انبار بے پایاں!
گیاہ و سبزہ و گل سے جہاں خالی
ہوائیں تشنہء باراں،
طیور اس دشت کے منقار زیر پر
تو سرمہ در گلو انساں
سلیماں سربزانوں اور سباویراں
سلیماں سربزانو ترش رو، غمگیں، پریشاں مو
جہانگیری، جہانبانی، فقط طرارۂ آہو،
محبت شعلہ پراں، ہوس بوئے گل بے بو
ز راز دہر کمتر گو!
سباویراں کہ اب تک اس زمیں پر ہیں
کسی عیار کے غارت گروں کے نقش پا باقی!
سبا باقی، نہ مہروئے سبا باقی!
سلیماں سربزانو،

اب کہاں سے قاصد فرخندہ پے آئے؟

کہاں سے، کس سبو سے کاسہء پیری میں مے آئے؟

عزیز طلبا! نظم سبا ویراں کے متعلق پچھلے اسباق میں بھی آپ نے کئی حوالے سے پڑھا ہے۔ یہ نظم ن م راشد کے دوسرے مجموعہ کلام ایران میں اجنبی سے ماخوذ ہے۔ اس نظم کا تعلق ن م راشد کی وسطی دور کی شاعری سے ہے۔ آپ جان چکے ہیں کہ راشد ابتدائی دور کی جذباتی شاعری اور انداز بیان پر وسطی دور میں کافی حد تک قابو پا چکے تھے۔ ایران میں اجنبی کی نظموں میں ان کی فکری انفرادیت نمایاں ہوگئی تھی اور وہ اپنے مخصوص علامتوں سے پہچانے جانے لگے تھے۔ عزیز طلبا! اگر کسی شاعر کی علامتیں سمجھ میں آجاتی ہیں تو ان کی شاعری کو سمجھنا اور اس شاعری میں معنوی گہرائی کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ بعض علامتیں زندگی کے بنیادی عناصر سے تعلق رکھتی ہیں جیسے آگ، ہوا، پانی، حرارت وغیرہ جب کہ کچھ فطرت سے مستعار لی جاتی ہیں۔ کچھ علامتیں تاریخ وتہذیب اور ثقافت سے تعلق رکھتی ہیں تو کچھ مذاہب اور عقائد سے۔ بعض علامتوں کا تعلق اساطیری کہانیوں سے بھی ہوتا ہے۔ سبا ویراں نظم میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کے قصے کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ اسے شاعری کی ایک صنعت تلمیح کہا جاتا ہے۔ یہ نظم بھی تلمیح، استعارے اور علامت کے عناصر سے مل کر تخلیق ہوتی ہے۔ اس نظم میں تلمیح کو وسیع کر کے علامت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ سبا ویراں بنیادی طور پر ایک علامتی نظم ہے جس کا تعلق صدیوں پرانی ایک کہانی سے ہے۔ سبا ویراں جس کی تفصیل آپ نے سبا ویراں کے تفصیل میں پڑھی ہے۔ اس مختصر سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس زمانے کو بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کی حکومت دنیا کے سبھی جانداروں بلکہ جنوں پر بھی تھی اور اس کے بعد دنیا وی زندگی ویران اور بنجر ہوگئی ہے۔ یہاں سبا اور سلیمان دونوں علامت کے طور پر استعمال کئے گئے ہیں۔

اس نظم میں شاعر کا پیغام یہ ہے کہ جب انسان کے دست و بازو میں طاقت ہوتی ہے تو وہ اپنی جسمانی قوتوں سے دنیاوی عیش وعشرت اور حاکمیت حاصل کر لیتا ہے لیکن جیسے ہی اس کی عمر ڈھلنے لگتی ہے ،جسمانی قوت کے کم ہونے کا احساس ہونے لگتا ہے تو وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگتا ہے۔ یہ مسئلہ ذاتی اور نجی بھی ہوسکتا ہے، اجتماعی بھی ہوسکتا ہے اور حکومتی بھی ہوسکتا ہے۔ جس طرح علامتی طور پر سبا ویران ہوگئی اسی طرح جدید دور کا انسان اپنی طاقت اور اقتدار کے کھونے کے بعد بنجر زمین سا ہو گیا ہے۔ یہاں شاعر کا پیغام تین سطحی طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے کہ یہ نظم ذاتی کھوئی ہوئی جوانی کا نوحہ بھی ہے، تہذیبی سطح پر اقدار کے زوال کا نوحہ بھی ہے اور عالمی سطح پر دنیا کے بنجر ہونے کا اور اخلاقی فقدان ہونے کا احساس بھی۔ نظم میں سلیماں سر بہ زانو حالیہ دور کا انسان ہے اور سبا کی ویرانی کا مطلب یہ کہ پوری دنیا ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ اس میں شاعر نے اشارتاً اور علامتی طور پر یہ پیغام دینے کی کوشش کی ہے کہ دنیا میں کسی بھی شے کو دوام حاصل نہیں خواہ وہ سلیمان علیہ السلام ہو جن کی حکومت سب سے عظیم حکومت اور چرند، پرند، انس و جاں سب پر تھی یا آج کے دور کی استبدادی اور بڑی قوتیں جن کے پاس دنیا کو نیست و نابود کرنے کے لئے مہلک ایٹمی اور جدید ہتھیار ہیں۔

4.5.7 خلاصہ

عزیز طلبا! آپ نے اس سبق میں ن م راشد کے دوسرے مجموعہ کلام ایران میں اجنبی میں شامل دو نظموں شباب گریزاں اور سبا ویراں میں راشد کے پیغام کا جائزہ لیا ہے۔ آپ یہ جان چکے ہیں کہ راشد کو اردو شاعری میں جدید نظم نگاری کے حوالے سے جانا جاتا ہے۔ انہوں نے اردو میں آزاد نظم کو پروان چڑھایا اور نظم نگاری میں کئی ہیئتی تجربے کئے۔ راشد کو جدید اردو نظم کے حوالے سے تنقید کا نشانہ بھی بنایا گیا تاہم ن م راشد اپنے انفرادی اسلوب سے ڈگمگائے نہیں۔ کئی نقاد حضرات نے ان کی نظموں میں جنسی

بے راہ روی کا الزام بھی لگایا ہے۔راشد نے اپنی نظموں میں رنگ ونسل، مذہب وملت،غربت و امارت، ہر قسم کے امتیازات کے خلاف آواز بلند کیا ہے۔ وہ دنیا میں ایسے سماج کی تشکیل چاہتے ہیں جہاں محنت کا استحصال نہ ہو۔اس سبق میں جن دونظموں کو آپ نے پڑھا ان میں ایک نظم شباب گریزاں ہے۔ یہ ایران میں اجنبی کی پہلی نظم ہے۔اس نظم میں دنیا اور دنیاوی امارت وحکومت اور عیش وعشرت کی زوال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔وقتی عشرت وشادمانی اور دائمی عسرت وزوال کو راشد نے بہت ہی استعاراتی انداز میں پیش کیا ہے۔نظم میں اس کی مثال چاند،ستارے اور سورج کے غروب ہونے کے بعد جسے اس کی روشنی لوٹائی نہیں جاسکتی اسی طرح اس دنیا میں زوال کے بعد عشرت وشادمانی کی طرف لوٹا نہیں جاسکتا۔اس سبق میں دوسری نظم سبا ویراں پڑھی۔ یہ نظم بھی ایران میں اجنبی سے ماخوذ ہے۔سبا ویراں تاریخی،تہذیبی اور حکومتی علامتوں سے تعلق رکھتی ہے۔اس نظم میں سبا دنیاوی ویرانی اور سلیمان انسانی زوال کی علامت کے طور پر استعمال کئے گئے ہیں۔اس نظم میں شاعر کا پیغام تین سطحوں پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ یہ نظم کھوئی ہوئی قوت اور جوانی کا نوحہ ہے۔تہذیبی سطح پر اقدار کے زوال کا مرثیہ ہے اور دنیا کے بنجر ہونے اور اخلاقی طور پر غیر حساس ہونے کا اشاریہ بھی ہے۔سبا کی ویرانی کا مطلب پوری دنیا کی ٹوٹ پھوٹ اور خود اپنے ہاتھوں اس کی بربادی کا اشاریہ ہے۔

4.5.8 فرہنگ

اسلوب	طریقہ، طرز، انداز
چہکار	چڑیوں کے بولنے کی آواز، چہچہاہٹ
اتصال	میل ملاپ، قرب، نزدیکی
عمیق	گہرا

کسل	سستی، کاہلی
تسلط	حکومت، غلبہ، قبضہ
فراموش	بھولا ہوا، یاد سے اترا ہوا
دل آویز	دل لبھانے والا
جہانگیری	حکومت، سلطنت
جہانبانی	بادشاہت، نگہداشت

4.5.9 نمونہ امتحانی سوالات

1 ن م راشد کے علامتوں کے امتیازات سے بحث کیجیے

2 نظم سباویراں کے حوالے سے راشد کی علامت نگاری کا جائزہ لیجیے

3 شباب گریزاں میں ن م راشد کے پیغام کی نشاندہی کیجیے

4 ایران میں اجنبی پر ایک مختصر نوٹ لکھیے

4.5.10 مزید مطالعہ کے لئے

1 حمید نسیم، پانچ جدید شاعر

2 ن م راشد، کلیاتِ راشد

3 عنبرین منیر، ن م راشد: ایک تجزیاتی مطالعہ

4 کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میراجی تک

جدید اردو نظم میں نئے رجحانات

اکائی کی ساخت

4.6.1 تمہید

4.6.2 تعارف

4.6.3 جدید اردو نظم کا پس منظر

4.6.4 جدید اردو نظم اور عصری نظم نگاری: ہندوستان میں

4.6.5 جدید اردو نظم اور عصری نظم نگاری: پاکستان میں

4.6.6 جدید اردو نظم نگاری میں نئے رجحانات

4.6.7 خلاصہ

4.6.8 فرہنگ

4.6.9 نمونہ امتحانی سوالات

4.6.10 مزید مطالعہ کے لئے

4.6.1 تمہید

عزیز طلبا! 'جدید اردو نظم میں نئے رجحانات' نظم جدید کا مطالعہ کا آخری سبق ہے۔ یہ اس پیپر کا پچیسواں سبق ہے۔ اس سے قبل کے سبھی اسباق میں آپ نے کسی نہ کسی طرح جدید اردو نظم کے متعلق معلومات حاصل کیا ہے، اس زمرے میں بہت سی نظموں کا تجزیہ بھی کیا ہے اور جدید اردو نظم نگاری کے شعرا کے متعلق بھی جانکاری حاصل کی ہے۔ اس آخری سبق میں جدید اردو نظم میں نئے رجحانات کے متعلق بات ہوگی یعنی عصر حاضر میں اردو نظم نگاری میں کیا تبدیلی وترقی ہوئی ہے اور کن شعرا نے اس ضمن میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں یا دے رہے ہیں۔ چنانچہ اس سبق میں جدید اردو نظم کے پس منظر کے ساتھ ساتھ ہندوپاک میں اس ضمن میں نئے رجحانات کا جائزہ لیا جائے گا اور چند نظموں کو مثال کے طور پر آپ کے مطالعے کے لئے پیش کیا جائے گا۔

4.6.2 تعارف

عزیز طلبا! اب تک آپ نے جدید اردو نظم کے آغاز وارتقا اور اس ضمن میں اردو نظم نگاری کے اسلوب، نئے تجربات اور ہیئتی تبدیلیوں کے متعلق مطالعہ کیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مولانا محمد حسین آزاد اور ان کے ہمنواؤں کے ذریعہ نظم جدید کی شروعات کے بعد ایسے درجنوں شعرا کے نام لئے جاسکتے ہیں جنھوں نے جدید اردو نظم نگاری کے ضمن میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان شعرا میں معروف و مشہور شعرا کی حالات زندگی، ان کے اسلوب اور ان کی چند معروف نظموں کا تجزیہ وتشریح کر چکے ہیں۔ ان شعرا کے بعد کی نظموں میں بھی کچھ ایسے شعرا کا نام آتا ہے جو عصری اردو نظم نگاری میں نمایاں کارنامے انجام دیتے ہیں یا دے رہے ہیں۔ متعدد نئے شعرا نے نئے نئے راستوں پر اپنا سفر جاری رکھا ہے اور نظم کی شکل اور قدریں مختلف ہوگئی ہیں اسلوب کے لحاظ سے بھی اور ترسیل وترتیب کے لحاظ سے بھی۔ اس

ضمن میں مزید درجنوں شعرا کے نام لئے جاسکتے ہیں جن کی نظمیں تعریف کا محتاج نہیں خصوصی طور پر ہندوستان اور پاکستان میں ان نظموں کو اب نصاب میں شامل کیا جانے لگا ہے۔ نئے سماجی و سیاسی حالات نے نئے نئے شعور پیدا کئے ہیں اور نئی زندگی میں نئی ادبی صورت حال کو روبرو کرایا ہے۔ سماجی و سیاسی افق پر کئی خیالات اور تحریکات نے جنم لیا بالخصوص دوسری جنگ عظیم اور وطن عزیز کی تقسیم نے بہت سے مسائل کو جنم دیا۔ ادب میں ترقی پسندی کے رجحانات نے بھی اس سمت میں نمایاں کام کیا ہے۔ عزیز طلبا! نظم جدید کے موجودہ دور میں ادبی صورت حال کا جائزہ اس سبق میں لیا جائے گا جو آپ کے اس پیپر کا آخری سبق بھی ہے۔ اس سبق میں ہم خاص طور سے ہندوستان اور پاکستان میں جدید نظم کے اسلوب اور نئے رجحانات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

4.6.3 جدید اردو نظم کا پس منظر

جدید نظم نگاری کی جو تحریک مولانا محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی کے زمانے میں شروع ہوئی تھی وہ اپنا کام کرتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ آہستہ آہستہ موضوعاتی، اسلوبیاتی اور ہیئتی اعتبار سے جدید نظم نگاری میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں اور بیسویں صدی میں جدید نظم نگاری میں انسانی جذبات و احساسات، معاشرے کی خوبیوں اور خامیوں کو کھل کر پیش کرنے کی روش آگے بڑھتی رہی۔ تہذیبی، سماجی و فکری انتشار کو بھی شعرا نے جدید نظم نگاری کا موضوع بنایا۔ غرض کہ آزاد، سرسید، حالی اور اسماعیل میرٹھی وغیرہ نے اگر وہ اجتہادی پیش رفت نہ کی ہوتی تو اردو نظم نگاری جدید نظم نگاری کے وقیع سرمایے سے محروم بھی ہوتی اور عصری اردو نظم نگاری کا نکھرا ہوا روپ جو آج نظر آرہا ہے دیکھنے کو نہیں ملتا اور اردو شاعری آج بھی اسی پرانی فرسودہ ڈگر پر چلتی رہتی۔ دوسری اکثر زبانوں کی طرح اردو کے اہل قلم حضرات نے بھی اپنی فکری قوتوں کو انسان کی بھلائی میں خرچ کیا ہے اور اردو نظم نگاری نے فن

برائے فن اورفن برائے زندگی کی کثیر الجہات تبدیلی کی شکل اختیار کرلی ہے۔ چنانچہ جدید اردو نظم کا عصری منظر نامہ فلسفیانہ معاشرتی اور معاشی فکر سے ہم آہنگ ہو گیا ہے۔ اردو ادب میں ترقی پسندی اور انسان دوستی کی جو روایتیں ملتی ہیں وہ رفتہ رفتہ اردو کی جدید نظم نگاری میں آگے بڑھی ہیں۔ عزیز طلبا! جن شعرا کا ذکر آپ پچھلے اسباق میں پڑھ چکے ہیں ان کے بعد معین احسن جذبی، علی سردار جعفری، جگن ناتھ آزاد، کیفی اعظمی، جمیل مظہری، غلام ربانی تاباں اور اختر انصاری وغیرہ نے شعوری طور پر آگے بڑھایا۔ عصر حاضر کے تغیرات سے متاثر ہو کر شاعری کے لئے نئے تجربوں کو استعمال کیا گیا ہے۔ یہ تجربے زبان اور علامت کی کئی سطحوں پر ہوئے ہیں اور اب بھی جاری ہیں۔ ان میں عہد حاضر کی بے چینی، سائنسی و تکنیکی ترقی اور بعض جدید تغیرات کو بھی جدید شعرا نے اپنا موضوع بنایا ہے۔ ان شعرا نے ان مسائل کے اظہار کے لئے مختلف طرح کی علامتوں کی تخلیق کی ہے۔ ان علامتوں کی تلاش میں آپ ن م راشد اور میرا جی کا نام پڑھ چکے ہیں۔ حالاں کہ دیگر شعرا نے بھی کسی نہ کسی سطح پر ان علامتوں کا استعمال کیا ہے لیکن میرا جی نئی شاعری میں یورپین شعرا سے زیادہ متاثر ہیں اور ان کی آئیڈیالوجی سے اردو نظموں کو فائدہ پہنچایا ہے۔ ان کے علاوہ جدید اردو نظم کے کارواں کو آگے بڑھاتے ہوئے جن نئے شعرا نے شعوری اور لاشعوری طور پر مذکورہ مسائل اور نظم نگاری کا موضوع بنایا ہے ان میں خلیل الرحمٰن اعظمی، باقر مہدی، وحید اختر، بلراج کومل، راہی معصوم رضا، عمیق حنفی، منیب الرحمٰن، شاذ تمکنت، مظہر امام، شہریار، کمار پاشی، شہاب جعفری وغیرہ کے نام خصوصی طور سے کئے جا سکتے ہیں۔ ہندوستان میں ان شعرا نے اردو نظم نگاری میں نئے رجحانات قائم کئے ہیں جبکہ پاکستان میں وزیر آغا، احمد فراز، ظہور نظر، عرش صدیقی، ساقی فاروقی، ساجد شہزاد، منیر نیازی، ناصر کاظمی اور مصطفیٰ زیدی وغیرہ کے نام اس ضمن میں بطور خاص لئے جا سکتے ہیں۔ مذکورہ شعرا کے مجموعہ کلام بھی شائع ہو چکے ہیں جن میں جدید اردو نظم نگاری کے نئے رجحانات کو دیکھا

جا سکتا ہے بالخصوص خلیل الرحمٰن اعظمی کے مجموعہ کلام آئینہ خانہ میں، کاغذی پیرہن اور نیا عہد نامہ، باقر مہدی کی نظموں کے دو مجموعے شہر آرزو اور کالے کاغذ، وحید اختر کا مجموعہ پتھروں کا مغنی، بلراج کومل کے دو شعری مجموعے میری نظمیں اور دل کا رشتہ، راہی معصوم رضا کے تین مجموعے رقص مے، اجنبی شہر، اجنبی راستے، عمیق حنفی کا مجموعہ سنگ پیراہن، منیب الرحمٰن کا مجموعہ باز دید، شاذ تمکنت کا مجموعہ تراشیدہ، مظہر امام کا زخم تمنا، شہاب جعفری کا مجموعہ کلام سورج کا شہر، شہریار کا مجموعہ کلام اسم اعظم اور کمار پاشی کا مجموعہ موسموں کی آواز وغیرہ سے اردو نظموں میں جدت اور نئے رجحانات کا پتہ چلتا ہے۔

4.6.4 جدید اردو نظم اور عصری نظم نگاری: ہندوستان میں

عزیز طلبا! ہندوستان میں جدید نظم نگاری کے نئے رجحانات کے ضمن میں آپ پچھلے صفحات میں جن شعرا کے نام اور ان کے مجموعہ کلام سے روشناس ہوئے ہیں ان کے علاوہ بھی کئی ایسے شعرا ہیں جو نظم نگاری کے نئے رجحانات کو قائم کرنے میں پیش پیش رہے ہیں۔ ہندوستان میں اردو نظم نگاری کے نئے رجحانات کے کینوس پر کچھ شعرا مثلاً ن م راشد اور اختر الایمان کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ ان کے علاوہ جمیل مظہری، مختار صدیقی، علی سردار علی جعفری اور مجید امجد اسی نسل کے شعرا ہیں۔ وحید اختر، خلیل الرحمٰن اعظمی، منیب الرحمٰن، شاذ تمکنت، عمیق حنفی، کمار پاشی، مظہر امام، بلراج کومل، شہریار، شفیق فاطمہ شعریٰ، قاضی سلیم، سلیمان اریب، باقر مہدی، ندا فاضلی، زبیر رضوی اور بشر نواز وغیرہ ایسے شعرا ہیں جنھوں نے جدید اردو نظ نگاری کے کارواں کو نئے اسلوب کے ساتھ آگے بڑھایا ہے۔ 1980 کے آس پاس کے شعرا کی نظموں میں الگ طرح کا لہجہ دکھائی دیتا ہے۔ کچھ شعرا کی نظموں میں دھیما پن کا لہجہ ہے تو کہیں تیزی و تندی نظر آتی ہے مثلاً عبدالاحد ساز، شاہد کلیم، عنبر بہرائچی، فرحت احساس، عین تابش، حمید الماس اور سلیم شہزاد کے نام ایسے ہیں جنھوں نے اساطیری علامتوں کو نئے ڈھنگ سے پیش کرنے کی

کوشش کی گئی ہے۔مثال کے لئے عبدالاحد ساز کی ایک نظم 'اوج بن عنق' کا یہ حصہ دیکھیے۔

ناف اس کی.... مرکزِ ثقل زمانہ / پیٹ اس کا.... پیٹ بھرنے کے وسائل کا خزانہ

وہ گھروں سے، دفتروں سے، راستوں سے / رینگتے بونے اٹھاتا

اپنی کہنی اور کلائی پر چلاتا

حسب منشا ذائقے کے طور پر ان کو چباتا جا رہا تھا

جان لیکن اس قوی ہیکل کی اس کے گردن و سر میں نہ تھی

جان تھی ٹخنوں میں اس کی / اس کے ٹخنے

سر داور محفوظ تہہ خانے کی تہہ سے تھوڑا اوپر

دور تک پھیلے ہوئے بے روح ساحل پر عیاں تھے / اور وہیں اک دل زدہ بیزار موسیٰ

شہر کے سب سے بڑے ہوٹل کی چھت کو چھو نہ سکنے سے خفیف

نابلد ٹخنوں کی کمزوری سے دیوِ عصر کی

اپنے امکاں اور ارادے کے عصا کی ضرب سے ناآشنا

نیم مردہ سرد بے حس ریت پر سویا ہوا تھا

اس نظم میں عبدالاحد ساز نے دنیا کی طاقتور ممالک کے جبر کو اسطوری تفصیل کے اسلوب میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔آج کل جو شاعری ہو رہی ہے اس میں لفظوں کے کرو بجت اور پیکر تراشی کی زیادہ فرصت نہیں بلکہ اسلوب کی حرمت کو بحال رکھنے میں جدید شعرا زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں مثلاً یوسف ظفر، شاذ تمکنت، وحید اختر، شفیق فاطمہ شوریٰ، چندر بھان خیال وغیرہ ن م راشد کی راہ پر چلتے ہوئے مختلف تراکیب اور علامتوں کے ذریعہ اپنی نظموں میں مسائل کا اظہار بہت خوش اسلوبی سے کی۔

1980 کے بعد اردو نظم نگاری کے افق پر جن شعرا نے اپنے ہونے کا اور اردو نظم کو جلا بخشنے کا احساس دلایا ہے ان میں ساجد حمید، شمیم طارق، عنبر بہرائچی، فرحت احساس، حمید الماس، ش ق نظام، صدیق عالم، جاوید اکرم، سلیم انصاری، ف ش اعجاز، عین تابش، مرغوب علی، ریاض لطیف، جینت پرمار، نعمان شوق، جمال اویسی، شکیل اعظمی وغیرہ کے نام خصوصیت سے لئے جاسکتے ہیں۔ ان شعرا نے اپنے اپنے طور پر جدید نظم نگاری کے فروغ میں اہم رول ادا کیا ہے۔ ان میں ہر ایک کا اپنا اپنا لہجہ اور الگ الگ آہنگ ہے بالخصوص جمال اویسی نے ہیئت کے لحاظ سے اپنے آپ کو ن م راشد کی ڈگر پر رکھنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے بھی ماورائی طرز اظہار سے کام لیا ہے خاص طور سے ان کی نظمیں ایک روحانی سفر کی روداد، دل کی موت، اے زماں، اے لامکاں، زندگی، سراب آفریں، میری روح سے نہ حذر کرو، تحیر، ماضی کی طرف، لفظوں کے سمندر جاگ ذرا، خودکشی، مستقبل کا خوف، چراغوں کا مدفن اور آگ کا رزمیہ وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جن کے آہنگ سے مستقبل میں بہتر اسلوب کی روش اور راہیں روشن ہوتی ہیں۔ یہ سبھی نظمیں ان کے مجموعہ کلام 'نظم نظم' میں شامل ہیں۔ ان کی نظم اے زماں اے لامکاں سے جمال اویسی کے آہنگ واسلوب کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔

اے زماں اے لامکاں / تاریخ تیری صید ہے
چاروں طرف باندھی ہوئی حالات کی ٹٹی / تیرے کارِ تغیر کی دلیل
اک طرف قعرِ جہاں حامد ترا / ثابت وسیار سب تیرے غلام
اک طرف خوف اجل سے / دہشت وعرفان میں انسان غرق
زندگی محکوم ہے تیری ازل سے / تو خدا کی طرح سے چھایا ہوا ہے
مشرق ومغرب تری پہنائی میں گم / اور زمیں پر / لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں

اک خدا ہے / روز محشر جس کو لینا ہے حساب / اے زماں اے لامکاں

نوے کی دہائی میں کئی شعرا نے اپنے پیش رؤوں کی راہ پر چلتے ہوئے جدید اردو نظم نگاری میں تخلیقی ریاضت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ ان شعرا میں عین تابش کی نظمیں اسلوب اور متون کے لحاظ سے اپنے پیش رو شعرا سے زیادہ نزدیک نظر آتے ہیں مثلاً خش وخاشاک ملبے پر الحمرا، معرکہ، بوسیدہ قبا میری، مدینہ کہاں کھو گیا، راستہ دیکھ زلیخہ ماہین، ماریہ دیکھ میں کس قدر تھک گیا ایسی ہی نظمیں ہیں جن میں قصے پن کے علاوہ اساطیری رنگ اور ماضی کی المیہ اور طربیہ نقوش صاف صاف محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ نظم کا یہ حصہ ملاحظہ فرمائیں۔

راستہ دیکھ زلیخہ ماہین / خیمہ شرق میں مجبور زلیخہ ماہین

راستہ دیکھ بیابان کے شہزادے کا / آئے گا موسم گل رنگ

تشکر کی قبا پہنے ہوئے مست خرام

اوس کی بوند سا چمکے گا محبت کا پیام / حلقہ تنگ سے باہر نہ نکل

الغرض جدید اردو نظم نگاری میں مذکورہ شعرا میں اپنی نظموں کے ذریعہ تہذیبی، تاریخی، ثقافتی و اساطیری نشانات اور واقعات تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنے دور کے بالخصوص 1980 کے بعد کی نظموں کا تذکرہ کرتے ہوئے ابوالکلام قاسمی نے لکھا ہے:

> ''اگر ہم اس طریق مطالعہ کا استعمال کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ گذشتہ نصف صدی میں ایسی نظمیں بھی لکھی گئی ہیں جو ثقافت کو شعوری یا غیر شعوری طور پر ہمہ جہت انداز میں نشان زد کرتی ہیں۔ ان کے دائرہ عمل میں علامات، اساطیر، تلمیحات اور آرکی ٹائپ بھی شامل ہیں، جن کے وسیلے معاصر ثقافت

سے لے کر ماضی بعید تک کی ثقافتوں کے نشانات ڈھونڈے جا سکتے ہیں‘‘۔

بحوالہ کوثر مظہری، قرأت اور مکالمہ، صفحہ 228

غرض کہ اس دور کی اکثر نظموں کا تعلق کسی نہ کسی تہذیب و ثقافت کے سیاق سے ہے۔ قاری اور سامع اس کی تہوں میں جا کر تہذیبی و ثقافتی تعلقات کو تلاش کر سکتا ہے خاص طور سے چندر بھان خیال کی نظم ہاں وہ مسلمان ہیں، اکرام خاور کی نظم ہاں میں مسلمان ہوں، جینت پرمار کی نظم منو، فرحت احساس کی نظم فساد زدہ شہر، پیغام آفاقی کی نظم درندہ، نعمان شوق کی نظم کئی طرح کے سانپ وغیرہ نظموں میں عہد جدید کے سیاسی و سماجی اتھل پتھل کو شعری اسلوب میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

4.6.5 جدید اردو نظم اور عصری نظم نگاری: پاکستان میں

عزیز طلبا! آپ نے جدید نظم نگاری کے ضمن میں علامہ اقبال، فیض احمد فیض، تلوک چند محروم، ن م راشد وغیرہ کو پچھلے اسباق میں پڑھا۔ سبھی کا تعلق متحدہ ہندوستان اور آزادی سے پہلے سے ہے۔ ان نمائندہ جدید شعرا کے ساتھ پاکستان میں نظم نگار شعرا کی ایک لمبی فہرست ہے۔ سبھی شعرا کا یہاں تذکرہ ممکن نہیں لیکن کچھ شعرا کا تذکرہ بہت ہی ضروری ہے جنھوں نے جدید اردو نظم نگاری میں اپنا مقام خود بنایا اور پاکستان میں جدید اردو نظموں کو ایک مقام عطا کیا۔ ان شعراا میں ضیا جالندھری ایک منفرد لہجے اور اسلوب سے تعلق رکھنے والے شاعر ہیں۔ ان کی دو نظمیں زمستان کی شام اور شاملی جدید اردو نظم کی تاریخ میں اہم مقام رکھتی ہے۔ ضیا جالندھری کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے زیادہ تر طویل نظمیں لکھیں بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ پاکستان میں طویل نظمیں لکھنے والوں میں مابعد اقبال ان کا اہم مقام ہے۔ ن م راشد، فیض احمد فیض کے بعد ضیا جالندھری معروف و مشہور شاعر کی حیثیت سے ابھرے ہیں۔ ان کی نظموں میں دانشوروں، فلسفیوں اور بڑے تخلیق کاروں جیسی پختگی پائی جاتی ہے۔ سرِ شام ان کا پہلا شعری

مجموعہ ہے اور نارسا ان کا دوسرا شعری مجموعہ ہے۔ان شعری مجموعوں کی خاص بات یہ ہے کہ ان نظموں میں ماضی کی یادوں، گزرے ہوئے رنج وغم اور خوشیوں کے لمحوں غرض کہ جو کچھ انسانی زندگی کے ممکنات میں سے ہے ظاہر ہوتی ہے۔ نارسا کی ایک طویل نظم 'طوفان کے بعد' کے اقتباس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے

رت زمستان کی بھی کٹ جاتی ہے
برف کے بوجھ کو سینے سے جھٹکتے ہوئی پھر شاخ نہال
باہیں پھیلائے ہوئے نیلے اجالے سے لپٹ جاتی ہے
تو بھی اس بار گراں سے دلِ بے حس کو نکال
مسکرا، سرد نگاہوں سے نہ دیکھ
موت انجام بھی، آغاز بھی ہے
وقت تخریب بھی، تعمیر بھی ہے
زندگی دائم وقائم بھی ہے، تبدیلی وتغیر بھی ہے
خامشی وقفہ آواز بھی ہے
دیکھ ویران نگاہوں سے نہ دیکھ

عزیز حامد مدنی کو حمید نسیم نے شاعر فردا کہا ہے۔عزیز حامد مدنی کا تعلق ریڈیو پاکستان سے تھا اور پاکستان کی فیڈرل سروس سے۔ شاعری انہوں نے آزادی کے پہلے سے شروع کی۔ ان کا پہلا مجموعہ 1962 میں چشم نگران کے نام سے شائع ہوا۔ 1982 میں وہ فیڈرل سروس سے سبک دوش ہوئے اور پہلے سے زیادہ شاعری سے منسلک ہوگئے۔ان کے پہلے مجموعہ کلام چشم نگراں کی پہلی نظم کا

عنوان 'انتساب' ہے۔ ابتدائی نظموں کے بعد مدنی بہت جلد ہی فکر اور اسلوب دونوں لحاظ سے جدید نظم نگاری میں اپنا جوہر بکھیرنے لگے۔ مدنی کا دوسرا شعری مجموعہ ان کے پہلے شعری مجموعہ چشم نگراں کے دو سال بعد 1964 میں دست امکاں کے نام سے شائع ہوا۔'صلیبوں کی کوٹ 'مدنی کی طویل نظم ہے۔ یہ ان کی نظم نگاری میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔صلیبوں کی کوٹ کا پس منظر دوسری جنگ عظیم کی ہولنا کی ہے جس میں متعدد مسیحی علامتیں استعمال کی گئی ہیں۔ دو بند مثال کے لئے پیش کی جاتی ہیں

یہ اک مقفل کواڑ پر دستکوں کی اک خونچکاں کہانی
یہ ربط لوح و قلم سے اک حرف زندہ افکار کی جوانی
یہ اک مہکتا ہوا سمندر رہے۔ جزرومداس کا کس کے بس میں
یہ موج طوفاں کہ محو بازی گری ہے انبار خاروخس میں
یہ اک کشتی کہ اپنے دامن میں امن ساحل لئے ہوئے ہے
سکون منزل لئے ہوئے ہے

دوسرا بند جنگ کا دل دہلانے والا منظر پیش کرتا ہے

اداس راہوں میں بادلوں کی طرح اڈتی شکستگی سے
جگا رہی ہے فسردگی جہاں کو اک خواب آہنی سے
قدم پکڑتی ہوئی یہ مہماں نواز ویرانیاں ہر اک سو
وہ سرد ٹوٹی ہوئی چٹانوں پہ تیز گندھک کی رینگتی بو
کبھی کبھی سامنے لپک کر یہ راہ کھوٹی بھی کر چکی ہے
بہ رنگ نشتر اتر چکی ہے

ان دومعروف شعرا کے علاوہ پاکستان میں شعرا کی نئی نسل کی ایک لمبی فہرست ہے ان میں سے اختصار کے ساتھ چند شعرا اوران کے مجموعہ کلام کے نام پیش کئے جاتے ہیں۔احمد فراز کا مجموعہ دورِ آشوب، مصطفیٰ زیدی کا مجموعہ روشنی، گریباں اور قبائے ساز، ظہور نظر ترقی پسندی کے ساتھ اسلوب میں جدت رکھتے ہیں۔ان کی نظموں کا مجموعہ ریزہ ریزہ شائع ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ عرش صدیقی کا مجموعہ دیدہ یعقوب، حافظ شہزاد کا مجموعہ چاند کی پتیاں، ساقی فاروقی کا شعری مجموعہ پیاس کا صحرا، ظفر اقبال کا مجموعہ آبِ رواں، شہزاد احمد کا مجموعہ صدف، انجم اعظمی کا مجموعہ لب ورخسار، ابن انشا کا مجموعہ چاندنگر، منیر نیازی کا مجموعہ جنگل میں دھنک نئی نظمیہ شاعری کی نمائندگی کرتے ہیں۔ان کے علاوہ ادا جعفری، محبوب خزاں، جمیل ملک، باقی صدیقی، عبدالعزیز خالق، جمیل الدین عالی اور مشفق خواجہ بھی نئے شاعروں میں جانے پہچانے نام ہیں۔

4.6.6 جدید اردو نظم نگاری میں نئے رجحانات

عزیز طلبا! آپ یہ جان چکے ہیں کہ انسانی احساسات، جذبات، خیالات اور فکر وفلسفے کی ترجمانی کے لئے ادب کے دو اصناف نثر ونظم استعمال کئے جاتے ہیں۔نظم میں مختلف اصناف نظم، غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، رباعی، گیت، قطعہ وغیرہ معروف اصناف سخن ہیں جن سے ہم اپنے احساسات، جذبات، خیالات اور فکر وفلسفے کی ترجمانی کرتے ہیں۔صنف شاعری میں غزل کو اختصار، ابہام اور رمز وکنایہ سے گہرا تعلق ہے۔نظموں میں یہ خصوصیات بہت کم پائی جاتی ہے لیکن دور حاضر کی نظموں میں خاص کر نظم نگاری کے نئے رجحانات میں غزل کی کئی خصوصیات پائی جانے لگی ہیں۔ پرانی نظم میں وضاحت، صراحت، سادگی، تسلسل جیسی خصوصیات تلاش کی جاتی تھی اور انہیں اچھی نظموں کے زمرے میں رکھا جاتا تھا۔آپ جان چکے ہیں کہ فیض، ن م راشد، اختر الایمان، میراجی اور ان کے ہم عصر دیگر شعرا نے

مولانا الطاف حسین حالی اور مولانا محمد حسین آزاد کی تعمیر کئے ہوئے نظم کے راستے کو مزید وسعت دی بلکہ ان میں بہت سی تبدیلیاں کیں۔ رفتہ رفتہ نئی نظم کی خوبی اور ہیئت پرانی نظموں کی شکل وصورت سے بہت حد تک مختلف ہوگئی ہے۔ نئی نظموں میں غزل کی سی پیچیدگی، رمز و کنایہ اور ابہام جیسی خوبیاں نمایاں ہوگئی ہیں۔ کبھی کبھی نئی نظم ترسیل کی کوشش میں ناکام بھی ہوجاتی ہے یعنی شاعر جو تجربہ اور فکر قاری تک پہنچانا چاہتا ہے بعض دفعہ وہ نہیں پہنچ پاتا۔ اسی لئے جدید نظم کے نئے رجحانات کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی رنگ برنگی تتلیاں ہیں جو کبھی ہماری گرفت میں آجاتی ہیں تو کبھی آس پاس سے کترا کے نکل جاتی ہیں۔ نئی نظم میں اور اس کے جدید رجحانات میں بہت سارا نیا پن بھی آیا ہے اور کئی ایسے معاملات جیسے معاشرے میں ممنوع سمجھا جاتا ہے مثلاً فحاشی و عریانی اسے آج کا شاعر فوٹو گرافی کا نام دے کر اس کی دفاع کرتا ہے۔ بعض دفعہ یہ نظمیں مزاج میں برہمی بھی پیدا کرتی ہیں اور تلخی و جھنجھلاہٹ بھی۔ تاہم شاعر کو سماج کی بے بسی جیسی ناہمواریوں، جبر واستبداد، معاشرتی ٹوٹ پھوٹ، نابرابری اور بے کسی جیسی بہت سے مسائل کو نظموں کے ذریعہ پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہئے کیوں کہ معاشرتی خامیاں جب کسی نہ کسی ذریعے سے معاشرے کے سامنے آتی ہیں تو معاشرہ اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے پہلے آپ نے پچھلے صفحات میں ہندو پاک میں جدید نظم نگاری کی کچھ تفصیلات پڑھی ہیں۔ برصغیر میں جن شعرا نے جدید نظم نگاری میں نئے رجحانات پیدا کئے ہیں ان میں وحید اختر، افتخار جالب، ابن انشا، عمیق حنفی، کشور ناہید، بلراج کومل، شمس الرحمٰن فاروقی، زاہدہ زیدی، فہمیدہ ریاض، پروین شاکر، شہریار، خلیل الرحمٰن اعظمی، ساجدہ زیدی، محمد علی، قاضی سلیم، مصطفیٰ زیدی، سلیم الرحمٰن، جیلانی کامران، ساقی فاروقی، زاہد ڈار، حنیف نا گی، صادق، شفیق تنویر، ضیا جالندھری، ثقیب اور آشفتہ چنگیزی کے نام بطور خاص لئے جاسکتے ہیں۔

فی زمانہ شاعری کے مختلف اصناف میں تبدیلی ہوتی رہی ہے اور اب بھی جاری ہے۔ جدید نظم میں ہیئتی تجزیے کے بارے میں آپ جان چکے ہیں۔ نظم کی بعض شکلیں بھی وجود میں آئی ہیں مثلاً آزاد نظم، نثری نظم، گیت اور ماہیے وغیرہ۔ نثری نظم میں جذبے کی شدت اور انداز بیان بھی شاعری ہی جیسا ہوتا ہے لیکن اس میں شعری نغمگی اور وزن و بحر کی پابندی نہیں ہوتی اور نہ ایسی نظموں میں ردیف وقافیے کا اہتمام ہوتا ہے۔ جدید نظم کے نئے رجحانات میں نثری نظم اور آزاد نظم لکھے جا رہے ہیں۔ مغرب میں ایسی نظم کو پیراگراف کی شکل میں لکھا جاتا ہے لیکن برصغیر میں بند کی شکل میں۔ شاعر سطروں کو چھوٹی بڑی کر کے مصرعوں کی شکل دیتے ہیں تاکہ دیکھنے میں نظم معلوم ہو مگر ایسی نظموں میں نثر جیسا تسلسل قائم رہتا ہے۔ اب اردو میں سانیٹ بھی لکھنے کا چلن ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ماہیے اور گیت کی کئی شکلیں نئے رجحانات کے تئیں دیکھنے کو مل رہی ہیں۔ اردو گیتوں پر میرا جی اور ہندی شاعری کا بڑا اثر رہا ہے۔ گیت میں میرا جی کے علاوہ اندر جیت شرما، قیوم نظر، الطاف مشہدی، مسعود حسین، قتیل شفائی، جمیل الدین عالی، عبدالمجید بھٹی اور ناصر شہزاد کے نام بطور خاص لئے جا سکتے ہیں۔

1980 کے بعد کے شعرا میں جینت پرمار نے نظمیہ شاعری نے اپنی اچھی شناخت قائم کر لی ہے۔ ان کی نظموں میں نزدیکی رشتے داروں کا تقدس بھی ہے اور موزوں سیاست کا پرفریب چہرہ بھی۔ بقول کوثر مظہری ’دکھوں اور غموں کی جھیل میں وہ کنکڑی مار کر لہریں پیدا کرتے ہیں اور یہ لہریں انسانی دلوں کے ساحلوں کو چھوتی اور بھگوتی رہتی ہیں۔ احمد آباد، کالا سورج، منو، اچھوت، تخلیق، مجھے یقین ہے، شہر، فیاض علی خاں کا مزار اور ہزاروں ہاتھ وغیرہ نظموں سے کوثر مظہری کے خیالات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ ان نظموں میں جینت پرمار کے شدید احساس کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے دلت مسائل کو اجاگر کرنے کے لئے اپنی نظموں کو اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ جینت پرمار عام لوگوں کے الفاظ اور روزمرہ

سے اپنی نظموں کی دیوار تیار کرتے ہیں۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ نے جینت پرمار کے اسلوب پر اظہار خیال کیا ہے:

''سامنے کا لفظ، سامنے کا بولتا ہوا رنگ۔ فارسی نژاد الفاظ مرکب بھاری بھرکم الفاظ اور اضافتوں سے گریز جینت پرمار کے اسلوب کی مخصوص پہچان ہیں۔ بہت کم الفاظ میں ماورائے الفاظ معانی خلق کرنے کا فن جینت پرمار کی مخصوص قوت کے پہلو ہیں''۔

بحوالہ کوثر مظہری، قرأت اور مکالمہ، صفحہ 231

جینت پرمار کی شاعری میں زمینی تہذیب اور دیسی لہجے اور دلت فکر کی شدت کو ان کی نظم کالا سورج کے اس حصے سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔

صبح سویرے/ کرن کے سوکھے پتے/ آنگن میں جھڑنے میں/ کا گا شور مچاتا ہے\
تھوہڑ پر بیٹھے مرغ کی/ آخری چیخیں سنتا ہوں\
گھر کے اک کونے میں/ کھانس رہا ہے نانی کا کمبل\
دھوپ نے چھت پر پاؤں دھرا/ مکئی کی روٹی اور مرچ/ رہ تکتی ہے باپو کا\
ٹوٹی پھوٹی چرپائی پر باپو کو/ بستی کے کچھ لوگ اٹھا لے آتے ہیں\
اونچی ذات کے لوگوں نے بے رحمی سے/ ان کو مارا ہے (کالا سورج)

جدید اردو نظم کے ضمن میں ہندوستان کے مزید کئی شعرا کا نام لیا جا سکتا ہے لیکن سب کی تفصیل کا موقع نہیں۔ ندا فاضلی، عتیق اللہ، صادق، صلاح الدین پرویز اور کوثر مظہری ایسے شعرا میں شمار ہیں جن کی نظمیں جدید اردو نظم کے نئے رجحان کو متعین کرتی ہیں۔ صلاح الدین پرویز کی نظموں میں نئے اور

پرانے دونوں طرح کے اسلوب کی کارفرمائی ہے وہیں ندا فاضلی کی نظمیں کئی لحاظ سے نئے رجحانات کو روشن مستقبل کی راہ دکھاتی ہیں۔ کوثر مظہری کے شعری مجموعے 'ماضی کا آئنہ' کی نظموں اور اس کے بعد کی نظموں سے جدید نظم میں نئے رجحانات اور زاویہ نظر کی تصدیق ہوتی ہے۔ جدید اردو نظم کے نئے رجحانات کی نشاندہی کے لئے یہاں تین نظمیں پیش کی جاتی ہیں

(حبیب جالب)

دیپ جس کا محلات ہی میں جلے
چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کر چلے
وہ جو سایے میں ہر مصلحت کے پلے
ایسے دستور کو صبح بے نور کو
میں نہیں جانتا، میں نہیں مانتا

میں بھی خائف نہیں تختۂ دار سے
میں بھی منصور ہوں کہہ دو اغیار سے
کیوں ڈراتے ہو زنداں کی دیوار سے
ظلم کی بات کو جہل کی رات کو
میں نہیں جانتا، میں نہیں مانتا
پھول شاخوں پہ کھلنے لگے تم کہو

جام رندوں کو ملنے لگے تم کہو
چاک سینوں کے سلنے لگے تم کہو
اس کھلے جھوٹ کو ذہن کی لوٹ کو
میں نہیں جانتا، میں نہیں مانتا

تم نے لوٹا ہے صدیوں ہمارا سکوں
اب نہ ہم پر چلے گا تمہارا فسوں
چارہ گر دردمندوں کے بنتے ہو کیوں
تم نہیں چارہ گر کوئی مانے مگر
میں نہیں جانتا، میں نہیں مانتا

(ندافاضلی)

نغمہ گر چلے گئے

کٹی پھٹی ہیں دھرتیاں
دھواں دھواں فضائیں ہیں
لہولہو عبادتیں ہیں
بے اثر دعائیں ہیں
وہ جنگلوں کے چوکیدار
جانور چلے گئے
سنبھالتے تھے موسموں کو
وہ شجر چلے گئے
اداس گھونسلے ہیں
ان کے نغمہ گر چلے گئے
سمندروں کی وسعتوں کو
پی رہی ہیں بستیاں

عمارتوں میں چن رہی ہیں پربتوں کی چوٹیاں
معاہدہ زز میں کا جوفلک سے تھا نہیں رہا
دلوں کے آس پاس تھا جو راستہ نہیں رہا
کسی کا اب کسی سے کوئی رابطہ نہیں رہا

(کوثر مظہری)

ولاتمشی فی الارض مرحا

ارے سر پھرے، کورے، بے عقل و ناداں
نشاں تیری منزل کے سب مٹ چکے ہیں
تو افتاں و خیزاں کہاں جا رہا ہے
یہ کیا گا رہا ہے؟
اچھل کر زمیں پر
سوئے آسمان اس طرح جست کیا ہے؟
زمیں پر بھی ٹھوکر فضا کو بھی گو چیر دینے پہ مائل
تو کیا سوچتا ہے کہ تیری یہ قوت
جو نزلے کی زد میں ہی دم توڑ دیتی ہے یکسر،
زمیں چیر دے گی؟
ارے سر پھرے کورے کیا سوچتا ہے

زمیں بھی اٹل ہے ، فلک بھی اٹل ہے
زمیں بھی اسی کی، فلک بھی اسی کا
جو بیٹا کسی کا ،نہ والد کسی کا
مگر جو ہے قایم ہمیشہ سے اور جو،
رہے گا ہمیشہ ہی قایم
مگر تو، تو فانی ہے اور جان لے یہ
تری زندگی ہے فقط آنی جانی
تو پھر کروفر تیرا اور زعم بے جا
تجاہل ہے یا کبریائی کا نشہ؟
یہ سب کروفر اور یہ سارا تکبر
اسی ذات یکتاسے منسوب ہیں بس
کہ جس نے یہ قرآں میں کھل کر کہا ہے
ولاتمشی فی الارض مرحا

4.6.7 خلاصہ

عزیز طلبا! یہ سبق آپ کے اس پیپر نظم جدید کے مطالعے کا آخری سبق ہے۔اس میں آپ نے جدید اردو نظم میں نئے رجحانات کے تحت عصری نظم نگاری کے متعلق پڑھا ہے۔اس سبق کے تحت جدید اردو نظم کا پس منظر، جدید اردو نظم اور عصری نظم نگاری ہندوستان میں، جدید اردو نظم اور عصری نظم نگاری پاکستان میں اور جدید اردو نظم نگاری میں نئے رجحانات کا مطالعہ کیا ہے۔آپ جانتے ہیں کہ جدید نظم

نگاری کی بنیاد مولانا محمد حسین آزاد اور ان کے رفقا نے ڈالی تھی۔ اس کے بعد کے متعدد نظم نگار شعرا اسی شاہراہ پر چلتے ہوئے بہت سی عمدہ نظمیں لکھیں۔ بعد کے کچھ شعرا نے نظم نگاری میں کئی اسلوبی اور ہیئتی تجربات بھی کیے۔ ان میں ن م راشد اور میرا جی کا نام بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ اردو نظم نگاری کے عصری شعرا میں خلیل الرحمٰن اعظمی، باقر مہدی، وحید اختر، بلراج کومل، راہی معصوم رضا، عمیق حنفی، منیب الرحمٰن، شاذ تمکنت، مظہر امام، شہریار، کمار پاشی، شہاب جعفری اور کوثر مظہری کے نام ہندوستانی زمرے کے نظم نگار شعرا میں بطور خاص لیا جاسکتا ہے جبکہ پاکستان میں جن شعرا نے عہد حاضر میں جدید اردو نظم نگاری میں بہترین کارنامے پیش کیے ہیں ان میں احمد فراز، وزیر آغا، ظہور نظر، عرش صدیقی، ساقی فاروقی، ساجد شہزاد، منیر نیازی، ناصر کاظمی وغیرہ کے نام بطور خاص لئے جا سکتے ہیں۔ ہندوستان میں 1980 کے بعد نظم نگاری کے زمرے میں جن شعرا نے اپنا نام روشن کیا ہے ان میں عبدالاحد ساز، شاہد کلیم، عنبر بہرائچی، فرحت احساس، عین تابش، حمید الماس، سلیم شہزاد، ش ق نظام، صدیق عالم، جاوید اکرم، سلیم انصاری، ریاض لطیف، جینت پرمار، نعمان شوق، جمال اویسی اور شکیل اعظمی وغیرہ کے نام بطور خاص لئے جا سکتے ہیں۔ عزیز طلبا! اس سبق میں چند معروف و مشہور نظموں کے حصوں کو اقتباس کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور سبق کے آخر میں تین نظمیں 'جدید اردو شاعری کے نئے رجحانات' کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔

4.6.8 فرہنگ

افق	آسمان کا کنارا
فرسودہ	پرانا، خستہ حال
تغیرات	تبدیلیاں،

حرمت	عزت، آبرو،
حذر	پرہیز، احتیاط
تحیر	حیرانی، تعجب
سنگ میل	وہ پتھر جو راستہ کا نشان یا راستہ بتانے کے لئے لگاتے ہیں۔نشانِ راہ
فسوں	جادو، منتر، فریب
چارہ گر	مشکل آسان کرنے والا، کام بنانے یا کرنے والا
زعم	گمان، ظن، غرور
کبریائی	بڑائی

4.6.9 نمونہ امتحانی سوالات

1 ہندوستان میں عصری نظم نگاری پر مختصر اظہار خیال کیجیے۔

2 پاکستان میں جدید نظم نگاری کے عصری رجحانات کی نشاندہی کیجیے۔

3 کوئی جدید نظم نگار شاعر پر ایک مختصر نوٹ قلمبند کیجیے۔

4 آزاد نظم اور نثری نظم کی انفرادیت سے بحث کیجیے۔

4.6.10 مزید مطالعہ کے لئے

1 کوثر مظہری، قرأت اور مکالمہ

2 نسیم حمید، پانچ جدید شاعر

3 احتشام حسین، اردو زبان وادب کی تنقیدی تاریخ